Haris Basim
@HarisBasimHB
حارث باسم
#UrduwithHB

کچھ مصنف کے بارے میں....

محمد حارث باسم شریعہ اسکالر، تکافل کے مشیر اور معروف لیکچرر ہیں۔ آپ وفاق المدارس العربیہ اور جامعہ کراچی سے اردو، عربی اور اسلامیات میں ایم۔اے کی سند کے حامل ہیں۔ بعد ازاں جامعہ کراچی سے ایم فل کر کے پی۔ایچ۔ڈی بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔

آپ کراچی کے مختلف مشہور و معروف تعلیمی اداروں میں ۱۴ سال سے زائد عرصے سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ طلبہ کے مسائل کو سمجھنے اور ان کی درست سمت میں رہ نمائی کرنے کی جامع معلومات اور بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ تدریسی خدمات کے علاوہ، آپ اسلامی مالیاتی شعبے میں تجارتی و سماجی شعبے کا ۷ سال سے زیادہ کا تجربہ رکھتے ہیں۔ ای ایف یو لائف-ونڈو تکافل آپریٹرز کے ساتھ مشیرِ تکافل (Takaful Consultant) کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

مزید تالیفات:

- مکمل اردو نوٹس۔ جماعت گیارھویں (سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ)
- مکمل اردو نوٹس۔ جماعت بارھویں (سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ)
- مکمل اسلامیات نوٹس۔ جماعت گیارھویں (سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ)
- مکمل مطالعہ پاکستان نوٹس۔ جماعت بارھویں (سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ)
- مکمل اسلامیات و مطالعہ پاکستان نوٹس۔ برائے اے۔ڈی۔پی (کراچی یونیورسٹی)
- مکمل اردو نوٹس۔ برائے اے۔ڈی۔پی (کراچی یونیورسٹی)
- مکمل اسلامیات نوٹس۔ برائے بی ایس/بی بی اے (کراچی یونیورسٹی)

- Comprehensive Notes of ISLAMIC STUDIES for **Class XI** (Sindh Board)
- Comprehensive Notes of PAKSITAN STUDIES for **Class XII** (Sindh Board)
- Comprehensive Notes of ISLAMIC STUDIES for class **BS/BBA** (Karachi Uni.)

#UrduwithHB

فہرست

☆	انتساب	۱

کثیر الانتخابی سوالات

☆	تمام اسباق	۲

اشعار کی تشریح

۱	حمد باری تعالیٰ	۳۵	۲	نعت رسول مقبول ﷺ	۴۰
۳	غزلیات۔ خواجہ میر دردؔ	۴۳	۴	غزلیات۔ میر تقی میرؔ	۵۰
۵	غزلیات۔ مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ	۵۸	۶	غزل۔ مومن خان مومنؔ	۶۶
۷	غزل۔ فراقؔ گورکھپوری	۷۰	۸	غزل۔ جگرؔ مراد آبادی	۷۳
۹	غزل۔ ناصرؔ کاظمی	۷۷	۱۰	غزل۔ جون ایلیا	۸۰
۱۱	غزل۔ فاطمہ حسن	۸۳			

اقتباس کی تشریح

۱	سیرت محمدی ﷺ کی جامعیت	۸۸	۲	عالم گیر کا انصاف	۹۵
۳	خوش طبعی	۹۷	۴	قحط الرِّجال	۱۰۱
۵	مشاعرہ	۱۰۳	۶	ادب آموزوں کے نام	۱۰۶
۷	لاہور میں ادیبوں کی کالونی	۱۰۷	۸	میرا البم	۱۰۸
۹	سحر ہونے تک	۱۱۰	۱۰	زمین	۱۱۲
۱۱	نئے دور کی لڑکی	۱۱۳	۱۲	چار مال دار	۱۱۴
۱۳	حسرتؔ موہانی	۱۱۶	۱۴	سر اقبالؔ مرحوم	۱۱۸
۱۵	چمنے کہ تا قیامت....	۱۲۰			

نظموں کے مرکزی خیالات۔۔۔اور۔۔۔بند کی تشریحات

۱	منقبت (خلفائے راشدین)	۱۲۴	۲	حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی	۱۲۷
۳	چاند اور تارے	۱۳۴	۴	بدلی کا چاند	۱۳۷
۵	کتبہ کون لکھے گا (آزاد نظم)	۱۴۲	۶	مرہم (آزاد نظم)	۱۴۴
۷	دو بہرے شناساؤں کی ملاقات	۱۴۶	۸	گیت	۱۴۸
۹	اُسلوب (ثُلاثی)	۱۵۲	۱۰	آبِ زم زم (ہائیکو)	۱۵۳
۱۱	کام (ہائیکو)	۱۵۴	۱۲	کلامِ خوش حال خان خٹک	۱۵۵

JOIN FOR MORE

اسباق کے خلاصے

۱	عالم گیر کا انصاف	۱۵۹	۲	قحط الرِّجال	۱۶۰
۳	سحر ہونے تک	۱۶۱	۴	زمین	۱۶۲
۵	نئے دور کی لڑکی	۱۶۴	۶	چار مال دار	۱۶۵
۷	سر اقبال مرحوم	۱۶۷	۸	چمنے کہ تا قیامت...	۱۶۸
۹	سویرے جو کل آنکھ میری کھلی	۱۶۹	۱۰	کرکٹ	۱۷۰

سوالات و جوابات

☆	تمام اسباق	۱۷۴

شعری اصطلاحات

۱	ردیف	۱۹۰	۲	قافیہ	۱۹۱
۳	صنعتِ تضاد	۱۹۱	۴	مطلع	۱۹۱
۵	مقطع	۱۹۲	۶	صفتِ تلمیح	۱۹۲
۷	صفتِ مبالغہ	۱۹۳	۸	صنعتِ تشبیہ	۱۹۳
۹	صنعتِ استعارہ	۱۹۴	۱۰	حسنِ تعلیل	۱۹۵
۱۱	صنعتِ تکرار	۱۹۵	۱۲	رعایتِ لفظی / مراعاۃ النظیر	۱۹۵
۱۳	کنایہ	۱۹۶	۱۴	مجاز مرسل	۱۹۷

اصنافِ سخن

۱	مضمون	۱۹۹	۲	ناول	۱۹۹
۳	داستان	۲۰۰	۴	کالم	۲۰۰
۵	انشائیہ	۲۰۱	۶	خاکہ	۲۰۱
۷	طنز و مزاح	۲۰۱	۸	تمثیل	۲۰۲
۹	حمد	۲۰۲	۱۰	نعت	۲۰۲
۱۱	غزل	۲۰۳	۱۲	نظم	۲۰۳
۱۳	مُسمَّط	۲۰۴	۱۴	منقبت	۲۰۴
۱۵	ثُلاثی	۲۰۵	۱۶	ہائیکو	۲۰۵
۱۷	گیت	۲۰۵			

گرامر کی اصطلاحات

۱	لفظ اور اس کی اقسام	۲۰۷	۲	بناوٹ کے لحاظ سے اقسامِ اسم	۲۰۸
۳	متعلق فعل	۲۰۸	۴	معاون/امدادی فعل	۲۰۸

JOIN FOR MORE!!!

۵	مرکب اور اس کی اقسام	۲۰۹	۶	روزمرہ، محاورہ اور ضرب المثل	۲۰۹

نثر نگاروں کے طرزِ تحریر کی خصوصیات

۱	سید سلیمان ندوی	۲۱۳	۲	علامہ شبلی نعمانی	۲۱۵
۳	محمد حسین آزادؔ	۲۱۷	۴	پطرس بخاری	۲۲۰
۵	مولوی عبدالحق	۲۲۳	۶	رشید احمد صدیقی	۲۲۵
۷	چراغ حسن حسرت	۲۲۸	۸	خدیجہ مستور	۲۳۱
۹	ڈاکٹر اسلم فرخی	۲۳۳	۱۰	ڈاکٹر وزیر آغا	۲۳۶

شعرا کے کلام پر تبصرہ

۱	میر تقی میرؔ	۲۴۰	۲	خواجہ میر دردؔ	۲۴۳
۳	مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ	۲۴۵	۴	مومن خان مومنؔ	۲۴۸
۵	فراقؔ گورکھپوری	۲۵۲	۶	جگرؔ مراد آبادی	۲۵۴
۷	ناصرؔ کاظمی	۲۵۷	۸	محسن کاکوروی	۲۶۰
۹	حفیظ جالندھری	۲۶۳	۱۰	جوشؔ ملیح آبادی	۲۶۶
۱۱	علامہ محمد اقبالؔ	۲۶۹			

رُموزِ اوقاف

۱	ختمہ (Period)	۲۷۴	۲	سوالیہ (Question Mark)	۲۷۴
۳	سکتہ (Comma)	۲۷۴	۴	تفصیلیہ/رابطہ (Colon)	۲۷۵
۵	وقفہ (Semicolon)	۲۷۵	۶	واوین (Quotation Mark)	۲۷۵
۷	قوسین (Parentheses)	۲۷۵	۸	ندائیہ/فجائیہ (Exclamation)	۲۷۵
۹	علامتِ شعر	۲۷۶	۱۰	علامتِ مصرع	۲۷۶
۱۱	علامتِ تخلص	۲۷۶			

متفرق

☆	محاورات	۲۷۷
☆	شخصیات کے القابات و خطابات	۲۷۹
☆	مراجع و مصادر	۲۸۰

انتساب

JOIN FOR MORE!!!

عزیزم والدین محترمین کے نام

جنھوں نے ہر اس پل جب میں لڑکھڑایا، مجھے سہارا دیا

اور جن کے حسنِ تربیت اور کمالِ نظر نے مجھے کسی قابل کیا

...اور...

انتہائی محترم و موقر

جملہ اساتذہ کرام کے نام

جن کی بے پناہ شفقت، بے بہا محنت اور جابجا حوصلہ افزائی ہی نے مجھ

ایسے نالائق طفلِ مکتب کو کسی قابل بنایا

محمد حارث باسم

کثیر الانتخابی سوالات

حصۂ نثر

سیرت محمدی ﷺ کی جامعیت

۱. سبق "سیرت محمدی ﷺ کی جامعیت" ان کی تحریر ہے:

☆ڈپٹی نذیر احمد ☆عبدالحلیم شرر ☆ **سید سلیمان ندوی**

۲. سبق "سیرت محمدی ﷺ کی جامعیت" ماخوذ ہے:

☆ **خطبات مدراس** ☆ابن الوقت ☆تہذیب نسواں

JOIN FOR MORE!!!

۳. خطبات مدراس میں کل کتنے خطبے ہیں؟

☆ **آٹھ** ☆دس ☆بیس

۴. سید سلیمان ندوی بنیادی طور پر تھے:

☆افسانہ نگار ☆ڈرامہ نگار ☆ **عالمِ دین**

۵. سید سلیمان ندوی کا اصل کارنامہ ہے:

☆سیرت عائشہ ☆ **سیرت النبی ﷺ** ☆یادِ رفتگاں

۶. سید سلیمان ندوی نے شبلی کے اس شاہکار کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا:

☆سیرت عائشہ ☆ **سیرت النبی ﷺ** ☆یادِ رفتگاں

۷. سید سلیمان ندوی یہاں مدفون ہیں:

☆بیت المقدس ☆ندوۃ العلما ☆ **اسلامیہ کالج کراچی**

۸. سید سلیمان ندوی ان کے شاگرد ہیں:

☆مولانا الطاف حسین حالی ☆ **علامہ شبلی نعمانی** ☆سر سید احمد خان

۹. ندوۃ العلما یہاں واقع ہے:

☆ **لکھنؤ** ☆لاہور ☆دہلی

۱۰. کتاب "سیرت النبی ﷺ" کی کل جلدیں ہیں:

☆چار ☆پانچ ☆ **چھ**

۱۱. سنت کے لغوی معنی ہیں:

☆ **راستہ** ☆ پیروی ☆ نشانی

۱۲. اسلام تمام انسانوں کی دعوتِ اتباع دیتا ہے:

☆ امیر کی ☆ **سنت نبوی ﷺ کی** ☆ صوفیاء کی

۱۳. صلح حدیبیہ مرتب ہوئی:

☆ ۵ھ میں ☆ **۶ ھ میں** ☆ ۷ھ میں

۱۴. ابوسفیان نے رسول کریم ﷺ کے بارے میں جو کہا اس کی وجہ تھی:

☆ قبائل عرب کا جوش و خروش ☆ لشکرِ اسلامی کے نعرے ☆ **لاتعداد جھنڈے**

۱۵. فتح مکہ کے دن مختلف قبیلوں کے صحابہ کرامؓ کی شمولیت ظاہر کر رہی تھی:

☆ حضور پاک ﷺ کا جامع اَخلاق ☆ **اسلام کی آفاقی عظمت** ☆ اسلام کی وسعت

عالم گیر کا انصاف

JOIN FOR MORE!!!

۱. سبق "عالم گیر کا انصاف" ان کی تحریر ہے:

☆ **علامہ شبلی نعمانی** ☆ محمد حسین آزاد ☆ سید سلیمان ندوی

۲. سبق "عالم گیر کا انصاف" ماخوذ ہے:

☆ خطبات مدراس ☆ ابن الوقت ☆ **عالم گیر پر ایک نظر**

۳. یہ اردو کے پہلے فلسفی مورخ ہیں:

☆ **علامہ شبلی نعمانی** ☆ محمد حسین آزاد ☆ سر سید احمد خان

۴. علامہ شبلی کی سب سے مشہور کتاب کا نام ہے:

☆ آنگن ☆ مراۃ العروس ☆ **سیرت النبی ﷺ**

۵. علامہ شبلی نعمانی نے یہ ادارہ قائم کیا:

☆ علی گڑھ ☆ **ندوۃ العلما** ☆ دارالعلوم دیوبند

۶. المامون، الفاروق اور سیرۃ النعمان اس عظیم مورخ کی کتابیں ہیں:

☆ ڈپٹی نذیر احمد ☆ محمد حسین آزاد ☆ **علامہ شبلی نعمانی**

۷. انھیں تاریخ کا معلم اول کہا جاتا ہے:

☆ ڈپٹی نذیر احمد ☆ **علامہ شبلی نعمانی** ☆ سر سید احمد خان

۸. انھوں نے تاریخ کو فلسفہ سے روشناس کرایا:

☆ **علامہ شبلی نعمانی** ☆ محمد حسین آزاد ☆ سر سید احمد خان

۹. برطانوی حکومت نے شبلی نعمانی کو اس خطاب سے نوازا:

☆ دبیر الملک ☆ **شمس العلما** ☆ سر

۱۰. شبلی نعمانی کے انتقال کے بعد سیرۃ النبی ﷺ کی بقیہ جلدیں انھوں نے مکمل کی:

☆الطاف حسین حالی ☆ **سید سلیمان ندوی** ☆علامہ ذہبی

۱۱. سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی ﷺ کی جلدیں لکھیں:

☆دو ☆تین ☆ **چار**

۱۲. شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی ﷺ کی جلدیں لکھیں:

☆ **دو** ☆تین ☆چار

۱۳. اس برطانوی مستشرق نے عالم گیر کو عدل کا دریاے اعظم کہا:

☆ آرتھر گل مین ☆ **لین پول** ☆ ولیم لین

۱۴. مرزا کام بخش، عالم گیر کا تھا:

☆ بھائی ☆ بھتیجا ☆ **بیٹا**

۱۵. عالم گیر نے حسن ابدال کا سفر اس سال کیا:

☆ **۱۰۷۵ء** ☆ ۱۰۵۵ء ☆ ۱۱۷۵ء

۱۶. علامہ شبلی نعمانی اس سن عیسوی میں پیدا ہوئے:

☆ **۱۸۵۷** ☆ ۱۸۷۵ ☆ ۱۸۹۸

۱۷. شبلی کے مشہور شاگرد کا نام ہے:

☆ الطاف حسین حالی ☆پطرس بخاری ☆ **سید سلیمان ندوی**

۱۸. عالم گیر کو شدت سے احساس تھا کہ کسی شخص کا نہ ہونے پائے:

☆ **بال بیکا** ☆برا ☆ نقصان

۱۹. بڑھیا کے بچے تھے:

☆ دو ☆ تین ☆ **چار**

۲۰. ''اورنگ زیب عدل کا دریاے اعظم تھا''، اس میں صنعت ہے:

☆ **تشبیہ** ☆ استعارہ ☆ مجازِ مرسل

۲۱. الفاظ ''شان و شوکت، عیش و عشرت، جاہ و جلال'' میں ترکیب ہے:

☆ وصفی ☆ **عطفی** ☆ اضافی

JOIN FOR MORE!!!

خوش طبعی

۱. سبق ''خوش طبعی'' ان کی تحریر ہے:

☆ سید سلیمان ندوی ☆عبدالحلیم شرر ☆ **محمد حسین آزادؔ**

۲. سبق ''خوش طبعی'' ماخوذ ہے:

☆ خطبات مدراس ☆ **نیرنگ خیال** ☆ مراۃ العروس

۱. انھیں ''آقائے اردو'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے:

☆ **محمد حسین آزادؔ** ☆مولوی عبدالحق ☆سر سید احمد خان

۲. انھیں ''اردو کا بے مثال تمثیل نگار'' کہا جاتا ہے:

☆ڈپٹی نذیر احمد ☆ **محمد حسین آزادؔ** ☆سر سید احمد خان

۳. نیرنگ خیال اس طرز کی تصنیف ہے:

☆تنقید نگاری ☆افسانہ نگاری ☆ **تمثیل نگاری**

۴. سبق ''خوش طبعی'' میں اس فلسفی کا ذکر ہے:

☆ **افلاطون** ☆ سقراط ☆ بقراط

۵. انھیں ''آزرِ سخن'' بھی کہا جاتا ہے:

☆ڈپٹی نذیر احمد ☆ **محمد حسین آزادؔ** ☆سر سید احمد خان

۶. اس انشاپرداز کی نثر میں نظم کی چاشنی پائی جاتی ہے:

☆ڈپٹی نذیر احمد ☆ **محمد حسین آزادؔ** ☆سر سید احمد خان

۷. محمد حسین آزاد ان کے شاگرد تھے:

☆سودا ☆ **شیخ ابراہیم ذوقؔ** ☆سر سید احمد خان

۸. حُسن بیان کی دلہن کا نام تھا:

☆ **خندہ جبیں** ☆خندہ لب ☆ خندہ رُو

۹. محاورہ ''خاک اڑانا'' کا مطلب ہے:

☆ بدنام کرنا ☆ **گرد اڑانا** ☆ دولت لٹانا

۱۰. خوش طبعی کے خاندان کا بانی ہے:

☆**سچ** ☆حسنِ ادب ☆حسنِ بیاں

۱۱. محمد حسین آزاد اس سن عیسوی میں پیدا ہوئے:

☆۱۸۰۰ء ☆۱۸۲۰ء ☆**۱۸۳۰ء**

۱۲. محمد حسین آزاد کا انتقال اس سال ہوا:

☆**۱۹۱۰ء** ☆۱۹۰۵ء ☆۱۹۰۰ء

JOIN FOR MORE!!!

قحطُ الرِّجال

۱. سبق ''قحطُ الرِّجال'' ان کی تحریر ہے:

☆ **مختار مسعود** ☆ عبدالحلیم شرر ☆ سید سلیمان ندوی

۲. سبق ''قحطُ الرِّجال'' ماخوذ ہے:

☆ خطبات مدراس ☆ **آوازِ دوست** ☆ تہذیب نسواں

۳. سبق ''قحطُ الرِّجال'' میں اس چینی مسلمان عالم کا ذکر ہے:

☆ **ابراہیم شاکیوچن** ☆ اورلی زن ☆ شہنشاہ تائی چُو

۴. ابن عربی کے مرشد تھے:

☆ ابن تیمیہ ☆ **شیخ یوسف سبریلی** ☆ علامہ تفتازانی

۵. مینارِ پاکستان کا نام انھوں نے تجویز کیا:

☆ **مختار مسعود** ☆ مولوی عبدالحق ☆ سید سلیمان ندوی

۶. قحط میں موت ہوتی ہے:

☆ دشوار ☆ **ارزاں** ☆ وافر

۷. البم کی قیمت تھی:

☆ چار آنے ☆ پانچ آنے ☆ **چھ آنے**

۸. مصنف کے خیال میں ہر اچھی بات ہوتی ہے:

☆ خیالی ☆ **الہامی** ☆ تصوراتی

۹. لفظ ''قحطُ الرِّجال'' کا مطلب ہے:

☆ **دانا لوگوں کی کمی** ☆ افراد میں کمی ☆ آبادی میں کمی

۱۰. مصنف کے نزدیک البم آج بھی بیش قیمت ہے:

☆ مختلف رنگوں کی وجہ سے ☆ **عمدہ تحریروں کی وجہ سے** ☆ کم قیمت کی وجہ سے

JOIN FOR MORE!!!

مشاعَرہ

۱. سبق ''مشاعَرہ'' ان کی تحریر ہے:

☆ مختار مسعود ☆ **فرمان فتح پوری** ☆ سید سلیمان ندوی

۲. سبق ''مشاعَرہ'' ماخوذ ہے:

☆ **اردو زبان وادب کی افادیت** ☆ تاریخ اردو ادب ☆ چند ہم عصر

۳. ڈاکٹر فرمان فتح پوری اس یونیورسٹی کے شعبہ اُردو کے صدر رہے:

☆ سندھ مدرسۃ الاسلام ☆ **جامعہ کراچی** ☆ جامعہ اردو

۴. ڈاکٹر فرمان فتح پوری کو حکومت پاکستان کی طرف سے یہ اعزاز دیا گیا:

☆ ہلال امتیاز ☆ نشان حیدر ☆ **ستارۂ امتیاز**

۵. ڈاکٹر فرمان فتح پوری اس ادبی جریدے کے مدیر رہے:

☆ اردو ☆ **نگار** ☆ ورثہ

۶. کئی افراد کا ایک جا ہو کر شعر پڑھنا کہلاتا ہے:

☆ **مشاعرہ** ☆ مناظرہ ☆ مکالمہ

۷. مشاعرے کا رواج ہمارے ہاں ہے:

☆ آزمودہ ☆ **پرانا** ☆ جاہلانہ

۸. خواجہ میر دردؔ کے مشاعرے میں شریک ہوئے تھے:

☆ **شاہ عالم ثانی آفتابؔ** ☆ بہادر شاہ ظفرؔ ☆ مرزا سلیم بہادر

۹. مشاعرے آج وجہ بن گئے ہیں:

☆ شہرت کی ☆ سیر و تفریح کی ☆ **ثقافتی وسعت کی**

۱۰. جس مشاعرے میں بعض مرحوم شعرا کی نمائندگی مختلف افراد سے کرائی جائے اسے کہا جاتا ہے:

☆ طرحی مشاعرہ ☆ فنی مشاعرہ ☆ **تمثیلی مشاعرہ**

۱۱. پہلا تمثیلی مشاعرہ "دہلی کی آخری شمع" انھوں نے مرتب کیا:

☆ مختار مسعود ☆ فرمان فتح پوری ☆ **مرزا فرحت اللہ بیگ**

JOIN FOR MORE!!!

ادب آموزوں کے نام

۱. سبق "ادب آموزوں کے نام" ان کی تحریر ہے:

☆ مختار مسعود ☆ فرمان فتح پوری ☆ **چراغ حسن حسرتؔ**

۲. سبق "ادب آموزوں کے نام" ماخوذ ہے:

☆ **حرف و حکایت** ☆ آواز دوست ☆ تہذیب نسواں

۳. چراغ حسن حسرتؔ کی وجہ شہرت ہے:

☆ افسانہ نگاری ☆ ڈراما نگاری ☆ **طنز نگاری**

۴. چراغ حسن حسرتؔ اس نام سے فکاہیہ کالم لکھتے رہے:

☆ **سند باز جہازی** ☆ زیرو پوائنٹ ☆ باتیں ان کہی

۵. چراغ حسن حسرتؔ نے یہ رسالہ جاری کیا:

☆ ساقی ☆ معارف ☆ **شیرازہ**

٦. چراغ حسن حسرتؔ نے ابتدا میں یہ قلمی نام اختیار کیا:

☆ عبداللہ فارانی ☆ **کولمبس** ☆ آئن سٹائن

٧. سبق ''ادب آموزوں کے نام'' میں شیخ سعدی کی اس کتاب کا ذکر کیا گیا ہے:

☆ بوستان ☆ کریما ☆ **گلستان**

٨. سبق ''ادب آموزوں کے نام'' میں اس استاد شاعر کا ذکر کیا گیا ہے:

☆ **اکبرؔ الٰہ آبادی** ☆ جگرؔ مراد آبادی ☆ جوش ملیح آبادی

٩. مولوی صاحب نے اخباروں میں چھپوادیا:

☆ کہانی ☆ سپاس نامہ ☆ **اشتہار**

١٠. مولانا سیمابؔ اکبر آبادی تھے:

☆ صحافی ☆ **شاعر** ☆ مصنف

JOIN FOR MORE!!!

لاہور میں ادیبوں کی کالونی

١. سبق ''لاہور میں ادیبوں کی کالونی'' ان کی تحریر ہے:

☆ مستنصر حسین تارڑ ☆ رشید احمد صدیقی ☆ **مُنّو بھائی**

٢. سبق ''لاہور میں ادیبوں کی کالونی'' ماخوذ ہے:

☆ **گریبان** ☆ ابن الوقت ☆ چند ہم عصر

٣. سبق ''لاہور میں ادیبوں کی کالونی'' میں اس جرمن شہر کا ذکر ہے:

☆ فرینکفرٹ ☆ میونخ ☆ **برلن**

٤. سبق ''لاہور میں ادیبوں کی کالونی'' میں ماضی قریب کے اس مشہور شاعر کا ذکر کیا گیا ہے:

☆ **منیرؔ نیازی** ☆ ناصرؔ کاظمی ☆ حبیب جالبؔ

٥. سبق ''لاہور میں ادیبوں کی کالونی'' میں اس افسانہ نگار کا ذکر ہے:

☆ اشفاق احمد ☆ **غلام عباس** ☆ انتظار حسین

٦. مُنّو بھائی کا اصل نام ہے:

☆ **منیر احمد قریشی** ☆ منیر نیازی ☆ مان خان

٧. مُنّو بھائی اس نام سے فکاہیہ کالم لکھتے رہے:

☆ سند باز جہازی ☆ حرفِ آغاز ☆ **گریبان**

٨. مُنّو بھائی کو یہ قلمی نام انھوں نے عطا کیا:

☆ **احمد ندیمؔ قاسمی** ☆ امجد اسلام امجدؔ ☆ جمیل الدین عالیؔ

۹. مُنّوبھائی کا تحریر کردہ سب سے مشہور ٹی وی ڈرامہ ہے:

☆ اَن کہی ☆ الف نون ☆ **سوناچاندی**

۱۰. اپنے آپ کو ادیب ثابت کرنے کے لیے دل چسپی لینی پڑتی ہے:

☆ **ادب میں** ☆ خبروں میں ☆ محفلوں میں

۱۱. کالونی کا ایک حصہ "ادبی" اور دوسرا کہلانے لگے گا:

☆ علمی ☆ فنی ☆ **سیاسی**

۱۲. شعر سنانے والوں کی ہو گی:

☆ **بہتات** ☆ کمی ☆ عدمِ دستیابی

۱۳. "ٹانگ اڑانا" ہے:

☆ روزمرہ ☆ **محاورہ** ☆ کہاوت

JOIN FOR MORE!!!

میرا البم

۱. سبق "میرا البم" ان کی تحریر ہے:

☆ مُنّوبھائی ☆ مختار مسعود ☆ **وزیر آغا**

۲. سبق "میرا البم" ماخوذ ہے:

☆ **دوسرا کنارا** ☆ آواز دوست ☆ گریبان

۳. وزیر آغا شروع میں اس نام سے مضامین لکھتے رہے:

☆ کریم آغا ☆ وزیر آغا ☆ **نصیر آغا**

۴. بعض نقّادوں کی رائے میں انشائیہ کے موجد ہیں:

☆ **وزیر آغا** ☆ علامہ شبلی نعمانی ☆ مُنّوبھائی

۵. تلاش بسیار کے باوجود ہاتھ نہ آسکا:

☆ خط ☆ دعوت نامہ ☆ **البم**

۶. میں کاغذات کے ان ڈھیروں سے ہو گیا:

☆ **نبرد آزما** ☆ دست آزما ☆ تیغ آزما

۷. تصویر میں والدہ کے ساتھ پلنگ پر بیٹھے تھے:

☆ ابوجان ☆ **بھائی جان** ☆ داداجان

۸. اس سبق میں "یہ تصویر اسی جشن آزادی کے موقع پر اتاری تھی" سے مراد ہے:

☆ **داداکے کمرے سے نکلنے کی خوشی** ☆ ۲۳ مارچ کا دن ☆ آزادی کا دن

سحر ہونے تک

۱. سبق ''سحر ہونے تک'' ان کی تحریر ہے:

☆ وزیر آغا ☆ **فضل احمد کریم فضلی** ☆ فرمان فتح پوری

۲. سبق ''سحر ہونے تک'' ماخوذ ہے:

☆ **سحر ہونے تک** ☆ خونِ جگر ہونے تک ☆ چشمِ غزال

۳. سبق ''سحر ہونے تک'' میں اس شخصیت کے استقبال کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

☆ اورنگزیب عالم گیر ☆ عالم شاہ ثانی آفتابؔ ☆ **قائدِ اعظم**

۴. سبق ''سحر ہونے تک'' میں اس فلسفی کا ذکر ہے:

☆ **بقراط** ☆ سقراط ☆ افلاطون

۵. ناول ''سحر ہونے تک'' ان کا تحریر ہے:

☆ وزیر آغا ☆ **فضل احمد کریم فضلی** ☆ فرمان فتح پوری

۶. ناول ''سحر ہونے تک'' کا پلاٹ اس سے متعلق ہے:

☆ **تحریکِ پاکستان** ☆ جنگِ عظیم ☆ دلی کا غدر

۷. ''عالمی بساطِ سیاست پر یہ ایک مہرہ ضرور آئے گا''، یہ جملہ استعارہ ہے:

☆ شطرنج کے کھلاڑی کا ☆ **قیامِ پاکستان کا** ☆ قائدِ اعظم کا

۸. ''من تُو شدم'' سے مراد ہے:

☆ **میں، تو ہو گیا** ☆ تو، میں ہو گیا ☆ میں اور تو، ہم ہو گئے

۹. ''انسان کی صورت میں زندہ شیر کی طرح تھے''، اس جملے میں یہ صنعتی خوبی ہے:

☆ صنعتِ تلمیح ☆ صنعتِ تشبیہ ☆ **صنعتِ استعارہ**

JOIN FOR MORE!!!

زمین

۱. سبق ''زمین'' ان کی تحریر ہے:

☆ ڈپٹی نذیر احمد ☆ مرزا قلیچ بیگ ☆ **خدیجہ مستور**

۲. سبق ''زمین'' ماخوذ ہے:

☆ **زمین** ☆ ابن الوقت ☆ مراۃ العروس

۳. ناول ''زمین'' ان کا تحریر ہے:

☆ ڈپٹی نذیر احمد ☆ مرزا قلیچ بیگ ☆ **خدیجہ مستور**

۴. سبق ''زمین'' کا مرکزی کردار ہے:

☆ **ساجدہ** ☆ عالیہ ☆ خالدہ

۵. ساجدہ کے بیمار والد کا نام تھا:

☆ رجب علی ☆ مولوی معراج ☆ **منشی رمضان**

۶. ابا کے سخت درد اٹھا تھا:

☆ **پیٹ میں** ☆ دل میں ☆ کان میں

۷. ساجدہ ڈسپنسری پہنچی تو ڈاکٹر گیا ہوا تھا:

☆ ناشتے کے لیے ☆ دوسرے شہر ☆ **واک کے لیے**

۸. ابا کی وفات کی اصل وجہ تھی:

☆ **فوری طبّی امداد نہ ملنا** ☆ پیٹ کی تکلیف ☆ ڈاکٹر کی بات نہ ماننا

JOIN FOR MORE!!!

نئے دور کی لڑکی

۱. سبق ''نئے دور کی لڑکی'' ان کی تحریر ہے:

☆ ڈپٹی نذیر احمد ☆ عبد الحلیم شرر ☆ **مرزا قلیچ بیگ**

۲. سبق ''نئے دور کی لڑکی'' ماخوذ ہے:

☆ **زینت** ☆ ابن الوقت ☆ زمین

۳. ناول زینت اس زبان میں لکھا گیا:

☆ پنجابی ☆ **سندھی** ☆ پشتو

۴. ناول زینت کا اردو ترجمہ انھوں نے کیا:

☆ ناہید اختر ☆ شیخ ایاز ☆ **امداد حسینی**

۵. ناول زینت کا مرکزی کردا ہے:

☆ **زینت** ☆ شہر بانو ☆ بختاور

۶. مرزا قلیچ بیگ نے کتابیں لکھیں:

☆ سات زبانوں میں ☆ **آٹھ زبانوں میں** ☆ نو زبانوں میں

۷. برطانوی حکومت نے مرزا قلیچ بیگ کو یہ خطاب دیا:

☆ شاعرِ اعظم ☆ سر ☆ **شمس العلما**

۸. ''میں صدقے میں واری'' یہ فقرہ کہا ہے:

☆ زینت نے ☆ شہر بانو نے ☆ **بختاور نے**

۹. امی رشتہ چاہتی تھیں:

☆ **امیر علی سے** ☆ رمضان وکیل سے ☆ علی رضا سے

۱۰. زینت بانو کے نزدیک غربت اور شرافت بہتر ہے:

☆ زراعت سے ☆ **دولت سے** ☆ تجارت سے

۱۱. زینت کے خیال میں شوہر ہونا چاہیے:

☆ **صلاحیت سے گھر چلانے والا** ☆ بیوی سے عمر میں برابر ☆ اچھی آمدنی والا

چار مال دار

۱. سبق ''چار مال دار'' ان کی تحریر ہے:

☆ ڈپٹی نذیر احمد ☆ عبدالحلیم شرر ☆ **سید حیدر بخش حیدری**

۲. سبق ''چار مال دار'' ماخوذ ہے:

☆ **توتا کہانی** ☆ ابن الوقت ☆ سحر ہونے تک

۳. ''توتا کہانی'' سنسکرت کی اس داستان کا ترجمہ ہے:

☆ گئودان ☆ نرملا ☆ **شک سپ تتی**

۴. ''شک سپ تتی'' کا فارسی ترجمہ انھوں نے کیا:

☆ **ضیاءالدین نخشبی** ☆ سید محمد قادری ☆ سید حیدر بخش حیدری

۵. شک سپ تتی کے فارسی ترجمے کا نام ''توتا کہانی'' انھوں نے رکھا:

☆ ضیاءالدین نخشبی ☆ **سید محمد قادری** ☆ سید حیدر بخش حیدری

۶. ''توتا کہانی'' کا اردو ترجمہ انھوں نے کیا:

☆ ضیاءالدین نخشبی ☆ سید محمد قادری ☆ **سید حیدر بخش حیدری**

۷. توتا کہانی میں کل کہانیاں ہیں:

☆ **۳۵** ☆ ۵۰ ☆ ۵۲

۸. توتا کہانی میں توتے کے علاوہ یہ اہم کردار ہے:

☆ میمون ☆ **خجستہ** ☆ احمد سلطان

۹. خجستہ کو داستان سنائی:

☆ **توتے نے** ☆ کبوتر نے ☆ مینا نے

۱۰. چاروں مفلس گئے:

☆ ڈاکٹر کے پاس ☆ **حکیم کے پاس** ☆ عامل کے پاس

JOIN FOR MORE!!!

۱۱. حکیم نے چاروں کو دیا:

☆ روپا ☆ کشتہ ☆ **مہرہ**

۱۲. ''کس سے کہیے کہ کیا کیا ہم نے۔۔۔جو کیا سو برا کیا ہم نے''، اس شعر میں یہ صنعت ہے:

☆ **تکرار** ☆ تضاد ☆ تلمیح

۱۳. اس سبق میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ:

☆ ہمت نہیں ہارنی چاہیے ☆ **لالچ بری بلا ہے** ☆ دوستوں کی بات ماننی چاہیے

مولانا حسرتؔ موہانی

۱. سبق ''مولانا حسرتؔ موہانی'' ان کی تحریر ہے:

☆ڈپٹی نذیر احمد ☆عبدالحلیم شرر ☆ **مولوی عبدالحق**

JOIN FOR MORE!!!

۲. سبق ''مولانا حسرتؔ موہانی'' ماخوذ ہے:

☆ **چند ہم عصر** ☆ابن الوقت ☆تہذیبِ نسواں

۳. ''بابائے اردو'' انھیں کہا جاتا ہے:

☆ڈپٹی نذیر احمد ☆عبدالحلیم شرر ☆ **مولوی عبدالحق**

۴. مولوی عبدالحق یہاں مدفون ہیں:

☆ **اردو سائنس کالج کراچی** ☆ اسلامیہ کالج ☆ جامعہ کراچی

۵. مولوی عبدالحق نے اس تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی:

☆ **اردو سائنس کالج کراچی** ☆ اسلامیہ کالج ☆ جامعہ کراچی

۶. مولوی عبدالحق نے اردو زبان کے ارتقا کے لیے یہ انجمن قائم کی:

☆ مجلس ترقی ادب ☆ **انجمن ترقی اردو** ☆ بزمِ اردو

۷. مولوی عبدالحق نے یہ رسالہ جاری کیا:

☆ تہذیب الاخلاق ☆ افکار ☆ **اردوئے معلّٰی**

۸. اردوئے معلّٰی سے مضامین نکلتے تھے:

☆ تحقیقی ☆ **ادبی** ☆ سیاسی

۹. مسلم لیگ جماعت تھی:

☆ ہندوؤں کی ☆ **مسلمانوں کی** ☆ عیسائیوں کی

۱۰. سردار پٹیل گھبراتے تھے:

☆ **حسرتؔ موہانی سے** ☆ مولوی عبدالحق سے ☆ قائدِ اعظم سے

۱۱. حسرؔت موہانی کا اصل نام تھا:

☆میر حسرت ☆ **سید فضل الحسن** ☆محمد حسرت

۱۲. ''مسیحائے غزل/غزل کا مسیحا، مجدّدِ غزل'' انہیں کہا جاتا ہے:

☆ **حسرؔت موہانی** ☆میر دردؔ ☆اسد اللہ غالؔب

۱۳. ''رئیس المتغزلین'' ان کا لقب ہے:

☆میر تقی میرؔ ☆میر دردؔ ☆ **حسرؔت موہانی**

۱۴. تحریک آزادی کے دوران اس اردو شاعر نے قید بامشقت کی سزا کاٹی:

☆ **حسرؔت موہانی** ☆میر دردؔ ☆علامہ اقبالؔ

۱۵. ''سید الاحرار'' ان کا لقب ہے:

☆میر تقی میرؔ ☆میر دردؔ ☆ **حسرؔت موہانی**

۱۶. اردو غزل کے احیا کی شاعری ان کے کلام کو کہا جاتا ہے:

☆میر تقی میرؔ ☆ **حسرؔت موہانی** ☆اسد اللہ غالؔب

JOIN FOR MORE!!!

سر اقبالؔ مرحوم

۱. سبق ''سر اقبالؔ مرحوم'' ان کی تحریر ہے:

☆ڈپٹی نذیر احمد ☆عبد الحلیم شرر ☆ **رشید احمد صدیقی**

۲. سبق ''سر اقبالؔ مرحوم'' ماخوذ ہے:

☆ **گنج ہائے گراں مایہ** ☆ چند ہم عصر ☆ بزم ہم خوش نفساں

۳. گنج ہائے گراں مایہ اس نوعیت کی کتاب ہے:

☆ افسانوں کا مجموعہ ☆ خاکوں کا مجموعہ ☆ شعری مجموعہ

۴. مصنف کو علی گڑھ اسٹیشن پر ان کے انتقال کی خبر ملی:

☆ **علامہ محمد اقبالؔ** ☆ مولوی عبد الحق ☆ چراغ حسن حسرؔت

۵. مصنف، ڈاکٹر اقبالؔ سے ملاقات کے لیے گئے تھے:

☆ کراچی ☆ پشاور ☆ **لاہور**

۶. علامہ اقبالؔ سے مصنف کی پہلی ملاقات ہوئی:

☆ ۱۹۲۰ء ☆ **۱۹۲۵ء** ☆ ۱۹۳۰ء

۷. ''استاذ الاساتذہ'' انھیں کہا جاتا ہے:

☆ **رشید احمد صدیقی** ☆ مولوی عبد الحق ☆ علامہ اقبالؔ

۸. رشید احمد صدیقی اس میگزین کے ایڈیٹر رہے:

☆ اردوے معلیٰ ☆ نگار ☆ **علی گڑھ میگزین**

۹. رشید احمد صدیقی اس یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر رہے:

☆ کراچی یونیورسٹی ☆ **علی گڑھ یونیورسٹی** ☆ سندھ یونیورسٹی

۱۰. رشید احمد صدیقی کی آپ بیتی ہے:

☆ یادوں کی بارات ☆ مابدولت ☆ **آشفتہ بیانی میری**

چمنے کہ تا قیامت....

۱. سبق "چمنے کہ تا قیامت...." ان کی تحریر ہے:

☆ڈپٹی نذیر احمد ☆عبدالحلیم شرر ☆ **ڈاکٹر اسلم فرخی**

۲. سبق "چمنے کہ تا قیامت...." ماخوذ ہے:

☆ **گلدستۂ احباب** ☆ابن الوقت ☆تہذیب نسواں

۳. ڈاکٹر اسلم فرخی، ریڈیو پاکستان سے بحیثیت براڈکاسٹر منسلک رہے:

☆ دو سال ☆ **چھ سال** ☆ دس سال

۴. ڈاکٹر اسلم فرخی اس یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر رہے:

☆ **کراچی یونیورسٹی** ☆ علی گڑھ یونیورسٹی ☆ سندھ یونیورسٹی

۵. ڈاکٹر اسلم فرخی کی وجہ شہرت ہے:

☆ مضمون نگاری ☆ **خاکہ نگاری** ☆ مزاح نگاری

۶. ڈاکٹر اسلم فرخی نے اس دینی شخصیت کے حوالے سے ادبی کام کیا:

☆ حضرت شاہ یوسف گردیزیؒ ☆ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ ☆ **حضرت نظام الدین اولیا**

۷. سبق "چمنے کہ تا قیامت...." میں اس شخصیت کا ذکر کیا گیا ہے:

☆ **ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان** ☆ ڈاکٹر اسلم فرخی ☆ ڈاکٹر وزیر آغا

۸. ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان اس تعلیمی ادارے کے شعبۂ اردو کے صدر تھے:

☆ جامعہ کراچی ☆ **اردو کالج** ☆ سندھ مدرستہ الاسلام

۹. اسلامیہ کالج سے اردو کالج میں داخلہ ہوا:

☆ **وجد چغتائی کا** ☆ پطرس بخاری کا ☆ ارم لکھنوی کا

۱۰. "زُہد و ورع" کا مطلب ہے:

☆ علم و عمل ☆ علم و یقین ☆ **تقویٰ و عبادت**

JOIN FOR MORE!!!

۱۱. مصنف کو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی اس بات نے متاثر کیا:

☆ طلبہ پر لطف و کرم ☆ **علم و تدریس** ☆ گھر پر مہمان نوازی

۱۲. ''بھرم کھلنا'' ہے:

☆ **محاورہ** ☆ ضرب المثل ☆ روزمرہ

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

۱. سبق ''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی'' ان کی تحریر ہے:

☆ ڈپٹی نذیر احمد ☆ عبدالحلیم شرر ☆ **سید سلیمان ندوی**

۲. سبق ''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی'' ماخوذ ہے:

☆ **پطرس کے مضامین** ☆ ابن الوقت ☆ تہذیب نسواں

JOIN FOR MORE!!!

۳. اقوام متحدہ میں ملک کی نمائندگی کرنے والے ادیب ہیں:

☆ **پطرس بخاری** ☆ محمد حسین آزاد ☆ سر سید احمد خان

۴. پطرس بخاری کا اصل نام ہے:

☆ محمد علی ☆ **احمد شاہ** ☆ عمر فاروق

۵. پطرس بخاری نے اس ادارے سے تعلیم حاصل کی:

☆ **گورنمنٹ کالج لاہور** ☆ اسلامیہ کالج ☆ اورینٹل کالج

۶. ''لاہور کا جغرافیہ، میں ایک میاں ہوں، مرید پور کا پیر'' ان کے مضامین ہیں:

☆ شوکت تھانوی ☆ محمد حسین آزاد ☆ **پطرس بخاری**

۷. پطرس بخاری کو اردو کے علاوہ اس زبان میں بھی عبور حاصل تھا:

☆ **انگریزی** ☆ عربی ☆ فارسی

۸. مصنف کے پڑوسی کا نام تھا:

☆ اجے کمار ☆ **لالا کرپا شنکر** ☆ ویراندر سنگھ

۹. گیدڑ کی موت آتی ہے تو دوڑتا ہے:

☆ **شہر کی طرف** ☆ گاؤں کی طرف ☆ جنگل کی طرف

۱۰. لالاجی نے مکا بازی شروع کردی:

☆ کھڑکی پر ☆ دیوار پر ☆ **دروازے پر**

۱۱. لالاجی آدمی ہیں بہت:

☆ محنتی ☆ **شریف** ☆ مخلص

کرکٹ

۱. سبق ''کرکٹ'' ان کی تحریر ہے:

☆ڈپٹی نذیر احمد ☆ پطرس بخاری ☆ **مشتاق احمد یوسفی**

۲. سبق ''کرکٹ'' ماخوذ ہے:

☆ **چراغ تلے** ☆ پرانے چراغ ☆ تہذیب الاخلاق

۳. مشتاق احمد یوسفی اس بینک کے صدر رہے:

☆ حبیب بینک لمیٹڈ ☆ نیشنل بینک آف پاکستان ☆ **یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ**

۴. اس سبق میں مشتاق احمد یوسفی کا تخلیق کردہ کرداروں میں سے اس کا ذکر ہے:

☆ چچا چھکن ☆ **مرزا عبدالودود بیگ** ☆ چاچا حیرت

۵. ''چراغ تلے، خاکم بدہن، آبِ گم'' ان کی تصانیف ہیں:

☆ڈپٹی نذیر احمد ☆ پطرس بخاری ☆ **مشتاق احمد یوسفی**

۶. کرکٹ بہت تیزی سے ہمارا کھیل بنتا جا رہا ہے:

☆ **قومی** ☆ بین الاقوامی ☆ صوبائی

۷. کرکٹ انگریزوں کے لیے ہے:

☆ مشغلہ ☆ **مشن** ☆ تفریح

۸. کرکٹ میں جان پڑتی ہے:

☆ **تماشائیوں کی تالیوں سے** ☆ عمدہ میدان سے ☆ عمدہ کھلاڑیوں سے

۹. ٹیسٹ میچ کے دوران آبادی بٹ گئی:

☆ **دو حصوں میں** ☆ تین حصوں میں ☆ چار حصوں میں

۱۰. مشتاق احمد یوسفی کی وجہ شہرت ہے:

☆ افسانہ نگاری ☆ ڈراما نگاری ☆ **مزاح نگاری**

JOIN FOR MORE!!!

حصہ نظم

حمد باری تعالیٰ

۱. جس نظم میں اللہ کی تعریف کی جائے اسے کہا جاتا ہے:

☆**حمد** ☆نعت ☆غزل

۲. نصاب میں شامل حمد کے شاعر ہیں:

☆ظفر علی خان ☆حفیظ جالندھری ☆**مظفر وارثی**

۳. ریڈیو پاکستان نے مظفر وارثی کو بہترین نعت گو کا ایوارڈ اس سال دیا:

☆**۱۹۸۰ء** ☆۱۹۸۲ء ☆۱۹۸۸ء

۴. حمد میں ''سفر'' سے مراد ہے:

☆مشرق کی طرف سفر ☆**رب کی طرف سفر** ☆عام سفر

۵. غالب اکیڈمی دہلی نے مظفر وارثی کو اس اعزاز سے نوازا:

☆فخرِ غالب ☆غالب ایوارڈ ☆**افتخارِ غالب**

نعت رسول مقبول ﷺ

۱. جس نظم میں محمد رسول اللہ ﷺ کی تعریف کی جائے اسے کہا جاتا ہے:

☆حمد ☆**نعت** ☆غزل

۲. نصاب میں شامل نعت کے شاعر ہیں:

☆**محسن کاکوروی** ☆حفیظ جالندھری ☆نظیر اکبر آبادی

۳. نصاب میں شامل نعت ماخوذ ہے:

☆گلدستۂ محسن ☆**مدیحِ خیر المرسلین** ☆صبحِ تجلی

۶. اس نعت میں لفظ ''الکن'' کا مطلب ہے:

☆**ہکلانے والی** ☆الجھن ☆لیکن

۷. نعت میں ''نقاشِ ازل'' سے مراد ہے:

☆روزِ ازل ☆**خالقِ کائنات** ☆نقشِ ازل

۴. یہ محسن کاکوروی کا سب سے مشہور نعتیہ قصیدہ ہے:

☆گلدستۂ محسن ☆صبحِ تجلی ☆**مدیحِ خیر المرسلین**

JOIN FOR MORE!!!

منقبت (خلفاے راشدینؓ)

۱. نظم ''منقبت'' ان کی تحریر ہے:

☆ڈپٹی نذیر احمد ☆عبدالحلیم شرر ☆ **اعجاز رحمانی**

۲. نظم ''منقبت'' ماخوذ ہے:

☆ **عظمتوں کے مینار** ☆ابن الوقت ☆تہذیب نسواں

۵. جس نظم میں صحابہ کرام اور بزرگانِ دین کی تعریف کی جائے اسے کہا جاتا ہے:

☆حمد ☆**منقبت** ☆غزل

۶. ''یارِ غار''اس صحابی کو کہا جاتا ہے:

☆**حضرت ابو بکر صدیقؓ** ☆حضرت عمر فاروقؓ ☆حضرت عثمان غنیؓ

۷. ''فاروقِ اعظم''اس صحابی کو کہا جاتا ہے:

☆حضرت ابو بکر صدیقؓ ☆**حضرت عمر فاروقؓ** ☆حضرت عثمان غنیؓ

۸. ''ذوالنورین اور جامع القرآن''اس صحابی کو کہا جاتا ہے:

☆حضرت ابو بکر صدیقؓ ☆حضرت عمر فاروقؓ ☆**حضرت عثمان غنیؓ**

۸. رسول کریم ﷺ نے اس صحابی کی محبت کو ایمان کا معیار قرار دیا:

☆حضرت معاذ بن جبلؓ ☆**حضرت علی کرم اللہ وجہہ** ☆حضرت امیر معاویہؓ

۹. منقبت کے مطابق یارانِ مصطفیٰ لائق ہیں:

☆تعظیم کے ☆تکریم کے ☆**توقیر کے**

JOIN FOR MORE!!!

حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی

۱. نظم ''حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی'' کے شاعر ہیں:

☆ **حفیظ جالندھری** ☆میر دردؔ ☆اسد اللہ غالبؔ

۲. نظم ''حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی'' ماخوذ ہے:

☆ **شاہنامہ اسلام** ☆مدو جزر اسلام ☆بانگ درا

۳. پاکستان کے قومی ترانہ کے خالق ہیں:

☆ علامہ اقبالؔ ☆حسرتؔ موہانی ☆ **حفیظ جالندھری**

۴. حفیظ جالندھری کی طویل نظم کا نام ہے:

☆ **شاہنامہ اسلام** ☆مدو جزر اسلام ☆بانگ درا

۵. تسنیم و کوثر سے مراد ہے:

☆نعمتیں ☆حوریں ☆ **نہریں**

۶. نظم ''حضرت فاطمہ زہراؓ کی رخصتی'' میں قرآن مجید کی اس سورت کا حوالہ دیا گیا ہے:

☆ سورۃ النساء ☆ **سورۃ الدھر** ☆ سورۃ البقرۃ

۷. حضرت فاطمہ کی رخصتی کے وقت حضور ﷺ نے انہیں اصل جہیز یہ دیا:

☆ **فقر و فاقہ** ☆مشک و گھڑے ☆چمڑے کا گدا

چانداور تارے

۱. نظم ''چانداور تارے'' کے شاعر ہیں:

☆**علامہ اقبالؔ** ☆میر دردؔ ☆اسداللہ غالبؔ

۲. نظم ''چانداور تارے'' اقبالؔ کے اس مجموعے سے ماخوذ ہے:

☆بالِ جبریل ☆ضربِ کلیم ☆**بانگِ درا**

۳. نظم ''چانداور تارے'' کی ہیئت ہے:

☆مخمس ☆مسدس ☆**مثنوی**

۴. شاعرِ مشرق انھیں کہا جاتا ہے:

☆میر تقی میرؔ ☆میر دردؔ ☆**علامہ اقبالؔ**

۵. حکیم الامت ان کا لقب ہے:

☆میر تقی میرؔ ☆**علامہ اقبالؔ** ☆اسداللہ غالبؔ

۶. اقبالؔ نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری اس مضمون میں حاصل کی:

☆اردو ادب ☆**فلسفہ** ☆انگریزی ادب

۷. اقبالؔ نے اردو کے علاوہ اس زبان میں بھی شاعری کی:

☆**فارسی** ☆انگریزی ☆عربی

۸. علامہ اقبالؔ کا پہلا مجموعہ کلام ہے:

☆ارمغانِ حجاز ☆ضربِ کلیم ☆**بانگِ درا**

۹. ''اشہبِ زمانہ'' میں یہ صنعت پائی جاتی ہے:

☆**تشبیہ** ☆استعارہ ☆مبالغہ

۱۰. علامہ اقبالؔ یہاں پیدا ہوئے:

☆فیصل آباد ☆**سیالکوٹ** ☆لاہور

JOIN FOR MORE!!!

بدلی کا چاند

۱. نظم ''بدلی کا چاند'' کے شاعر ہیں:

☆ جگرؔ مرادآبادی ☆ **جوشؔ ملیح آبادی** ☆ حسرتؔ موہانی

۲. نظم ''بدلی کا چاند'' ماخوذ ہے:

☆ **دیوانِ جوشؔ** ☆یادوں کی بارات ☆ شعلہ و شبنم

۳. جوشؔ ملیح آبادی کا اصل نام ہے:

☆**شبیر حسن خان** ☆شیر محمد خان ☆داؤد محمد خان

۴. ''شاعرِ انقلاب و شاعرِ شباب'' انہیں کہا جاتا ہے:

☆**جوشؔ ملیح آبادی** ☆میر دردؔ ☆اسد اللہ غالبؔ

۵. ''شاعرِ اعظم'' ان کا لقب ہے:

☆میر تقی میرؔ ☆میر دردؔ ☆**جوشؔ ملیح آبادی**

۶. ''شعلہ و شبنم، حرف و حکایت، عرش و فرش'' اس شاعر کے مجموعہ ہائے کلام ہیں:

☆میر تقی میرؔ ☆**جوشؔ ملیح آبادی** ☆اسد اللہ غالبؔ

۷. ''یادوں کی بارات'' ان کی آپ بیتی ہے:

☆**جوشؔ ملیح آبادی** ☆میر دردؔ ☆اسد اللہ غالبؔ

۸. ''اُبھرا تو تجلی دوڑ گئی'' سے جوشؔ کی مراد ہے:

☆سورج طلوع ہو گیا ☆**چاندنی پھیل گئی** ☆بجلی چمک گئی

JOIN FOR MORE!!!

کتبہ کون لکھے گا؟ (آزاد نظم)

۱. نظم ''کتبہ کون لکھے گا؟'' ان کا شاہکار ہے:

☆ ادا جعفری ☆ ڈاکٹر فاطمہ حسن ☆ **یاسمین حمید**

۲. نظم ''کتبہ کون لکھے گا؟'' ماخوذ ہے:

☆ **فنا بھی ایک سراب** ☆ پسِ آئینہ ☆ آدھا دن آدھی رات

۳. ''زمیں زادوں'' سے شاعرہ کی مراد ہے:

☆زمینی مخلوق ☆بے بس لوگ ☆**غموں کی وجہ سے مردہ انسان**

۴. ''پُرسا دینا'' سے مراد ہے:

☆تہنیت کرنا ☆مسرت کرنا ☆**عیادت کرنا**

۵. شاعرہ کے نزدیک پہلا ستارہ ملے گا:

☆**جب سیکڑوں نوری برس تسخیر ہو جائیں گے** ☆جب انسان دوسری دنیا میں پہنچ جائے گا

☆جب قیامت آچکی ہو گی

مرہم (آزاد نظم)

۱. نظم ''مرہم'' کے شاعر ہیں:

☆ نظیر اکبر آبادی ☆ حسرت موہانی ☆ **مختار کریمی**

۲. نظم ''مرہم'' ماخوذ ہے:

☆ **رمزِ سخن** ☆نہالِ درد ☆ دم خوردہ غزل

۳. مختار کریمی کی آپ بیتی ہے:

☆ رمزِ سخن ☆نہالِ درد ☆ **دم خوردہ غزل**

۴. مختار کریمی اس تعلیمی ادارے سے منسلک رہے:

☆ جامعہ کراچی ☆**کیڈٹ کالج پٹارو، سندھ** ☆ سندھ یونیورسٹی

۵. مختار کریمی کے خیال میں ہوا بے تاب ہے:

☆**مرہم کی تلاش میں** ☆گلشن کی تلاش میں ☆صحرا کی تلاش میں

JOIN FOR MORE!!!

دو بہرے شناساؤں کی ملاقات (طنز و مزاح)

۱. نظم ''دو بہرے شناساؤں کی ملاقات'' کے شاعر ہیں:

☆ نظیر اکبر آبادی ☆ حسرت موہانی ☆**سید ضمیر جعفری**

۲. نظم ''دو بہرے شناساؤں کی ملاقات'' ماخوذ ہے:

☆ **مافی الضمیر** ☆ کتابی چہرے ☆ لہو ترنگ

۳. نظم ''دو بہرے شناساؤں کی ملاقات'' اس نوعیت کی نظم ہے:

☆ صوفیانہ ☆ **مزاحیہ** ☆ اصلاحی

۴. سید ضمیر جعفری کی وجہِ شہرت ہے:

☆ قومی شاعری ☆ صوفیانہ شاعری ☆ **مزاحیہ شاعری**

۵. نظم ''دو بہرے شناساؤں کی ملاقات'' میں اس ملک کا ذکر ہے:

☆ **انگلینڈ** ☆ امریکہ ☆ ایران

۶. شاعر کو درد رہتا ہے:

☆آنکھ میں ☆**کان میں** ☆ناک میں

۷. نظم ''دو بہرے شناساؤں کی ملاقات'' اس صنف میں لکھی گئی ہے:

☆ **غزل** ☆ رباعی ☆ قصیدہ

گیت

۱. نصاب میں موجود گیت کے شاعر ہیں ہے:

☆ جوشؔ ملیح آبادی ☆ مختار کریمی ☆ **نگارؔ صہبائی**

۲. نصاب میں شامل گیت ماخوذ ہے:

☆ **انت سے آگے** ☆ برگِ نے ☆ پس آئینہ

۳. نگارؔ صہبائی کا اصل نام ہے:

☆ نگار خان ☆ محمد نگار ☆ **محمد سعید**

۴. نصاب میں شامل گیت ماخوذ ہے:

☆ **انت سے آگے** ☆ برگِ نے ☆ پس آئینہ

JOIN FOR MORE!!!

اُسلوب (ثلاثی)

۱. نظم ''اُسلوب'' کے شاعر ہیں:

☆ محسنؔ کاکوروی ☆ اعجازؔ رحمانی ☆ **حمایت علی شاعؔر**

۲. نظم ''اسلوب'' ماخوذ ہے:

☆ **کلیات حمایت علی شاعؔر** ☆ ابن الوقت ☆ دیوانِ جوشؔ

۳. نظم ''اُسلوب'' کی ہیئت ہے:

☆ رباعی ☆ قطعہ ☆ **ثلاثی**

۴. حمایت علی شاعؔر اس یونیورسٹی کے شعبہ اُردو کے صدر رہے:

☆ **سندھ یونیورسٹی** ☆ کراچی یونیورسٹی ☆ اردو یونیورسٹی

۵. اردو شاعری میں حمایت علی شاعؔر نے اس نئی صنف کا آغاز کیا:

☆ مثنوی ☆ قطعہ ☆ **ثلاثی**

۶. حمایت علی شاعؔر کی خود نوشت ہے:

☆ **آئینہ در آئینہ** ☆ پسِ آئینہ ☆ آگ اور مٹی

آب زمزم (ہائیکو)

۱. نظم ''آبِ زم زم'' کے شاعر ہیں:

☆ حمایت علی شاعؔر ☆ جوشؔ ملیح آبادی ☆ **رساؔ چغتائی**

۲. نظم ''آبِ زم زم'' ماخوذ ہے:

☆ **چشمہ ٹھنڈے پانی کا** ☆ اندھی گلی میں سورج ☆ فنا بھی ایک سراب

۳. رساؔ چغتائی کا اصل نام ہے:

☆ محمد رسا ☆ سید احمد ☆ **مرزا محتشم علی بیگ**

۴. نظم ''آبِ زم زم'' کی ہیئت ہے:

☆ **ہائیکو** ☆ ثلاثی ☆ قطعہ

۵. ہائیکو دراصل اس ادب کی صنف ہے:

☆ انگریزی ☆ روسی ☆ **جاپانی**

کام (ہائیکو)

JOIN FOR MORE!!!

۱. نظم ''کام'' ان کا شاہکار ہے:

☆ یاسمین حمید ☆ فاطمہ حسن ☆ **وضاحت نسیم**

۲. نظم ''کام'' ماخوذ ہے:

☆ **اندھی گلی میں سورج** ☆ چشمہ ٹھنڈے پانی کا ☆ فنا بھی ایک سراب

۳. وضاحت نسیم اردو کے علاوہ اس زبان میں بھی مہارت رکھتی ہیں:

☆ عربی ☆ **جاپانی** ☆ فرانسیسی

۴. مکمل مصرع ہے: ''ذات میں اپنی ______''

☆ غرق ☆ بے خود ☆ **گم**

خواجہ میر دردؔ

۱. تصوف کو سب سے پہلے اردو شاعری میں لانے والے شاعر ہیں:

☆ میر تقی میرؔ ☆ **میر دردؔ** ☆ اسد اللہ غالبؔ

۲. اردو غزل کا پہلا ''صوفی شاعر'' انھیں کہا جاتا ہے:

☆ علامہ اقبالؔ ☆ میر تقی میرؔ ☆ **میر دردؔ**

۳. خواجہ میر دردؔ کا تعلق ہندوستان کے اس شہر سے تھا:

☆ **دہلی** ☆ لکھنؤ ☆ حیدر آباد

۴. اردو شاعری میں ''تصوف کا امام'' انھیں کہا جاتا ہے:

☆ میر تقی میرؔ ☆ **میر دردؔ** ☆ اسد اللہ غالبؔ

۵. میر دردؔ کے والد کا نام تھا:

☆رفیع سوداؔ ☆حسرتؔ موہانی ☆**ناصر عندلیبؔ**

میر تقی میرؔ

۱. اردو شعرا میں سے انھیں "خدائے سخن" کہا جاتا ہے:

☆**میر تقی میر** ☆میر دردؔ ☆اسد اللہ غالبؔ

۲. "سرتاج الشعرا" ان کا لقب ہے:

☆میر دردؔ ☆**میر تقی میرؔ** ☆اسد اللہ غالبؔ

۳. اس شاعر کے بہتر اشعار کو بہتر نشتر سے تعبیر کیا جاتا ہے:

☆فیض احمد فیضؔ ☆میر دردؔ ☆**میر تقی میرؔ**

۴. "شہنشاہ غزل" انھیں کہا جاتا ہے:

☆**میر تقی میرؔ** ☆میر دردؔ ☆اسد اللہ غالبؔ

۵. شاعرِ غم کے لقب سے انھیں یاد کیا جاتا ہے:

☆میر دردؔ ☆**میر تقی میرؔ** ☆اسد اللہ غالبؔ

۶. میر تقی میرؔ کا اصل نام تھا:

☆میر محمد مہدی ☆میر محمد علی ☆**میر محمد تقی**

JOIN FOR MORE!!!

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

۱. شاعری میں جدت طرازی اور فلسفہ کو انھوں نے اجاگر کیا:

☆میر تقی میرؔ ☆میر دردؔ ☆**اسد اللہ غالبؔ**

۲. "حیوان ظریف" انھیں کہا جاتا ہے:

☆**اسد اللہ غالبؔ** ☆میر دردؔ ☆الطاف حسین حالیؔ

۳. غالبؔ کو حیوان ظریف کا لقب انھوں نے دیا:

☆میر تقی میرؔ ☆میر دردؔ ☆**الطاف حسین حالیؔ**

۴. غالبؔ پہلے اس نام سے شاعری کیا کرتے تھے:

☆میرؔ ☆**اسدؔ** ☆ظریفؔ

۵. "نجم الدولہ، نظام جنگ اور دبیر الملک" ان کے خطابات ہیں:

☆**اسد اللہ غالبؔ** ☆میر دردؔ ☆علامہ اقبالؔ

۶. ان کے دیوان کو "ہندوستان کی الہامی کتاب" کہا جاتا ہے:
☆میر تقی میرؔ　☆میر دردؔ　☆**اسد اللہ غالبؔ**

۷. اردو کا پہلا فلسفی شاعر انھیں کہا جاتا ہے:
☆میر تقی میرؔ　☆**اسد اللہ غالبؔ**　☆علامہ اقبالؔ

۸. بذلہ سنج شاعر انھیں کہا جاتا ہے:
☆میر تقی میرؔ　☆میر دردؔ　☆**اسد اللہ غالبؔ**

۹. شاعری کے علاوہ غالب کی شہرت کی دوسری وجہ یہ ہے:
☆**خطوط نگاری**　☆خود پسندی　☆شراب نوشی

۱۰. غالبؔ کے شاگردوں میں سب سے مشہور نام ان کا ہے:
☆شیخ ابراہیم ذوقؔ　☆**الطاف حسین حالیؔ**　☆علامہ اقبالؔ

۱۱. الطاف حسین حالیؔ نے غالبؔ کی زندگی پر یہ کتاب لکھی:
☆شاہکارِ غالبؔ　☆یادِ غالبؔ　☆**یادگارِ غالبؔ**

JOIN FOR MORE!!!

مومن خان مومنؔ

۱. اردو کے کلاسیکی شاعر مومن خان مومنؔ کی وجہ شہرت ہے:
☆ **غزل گوئی**　☆نعت گوئی　☆قصیدہ گوئی

۲. مومنؔ کی شاعری اس رنگ میں ڈھلی ہوئی ہے:
☆رنگ شباب　☆ **رنگ تغزل**　☆غم پرستی

۳. مومنؔ خان مومن کا آبائی پیشہ تھا:
☆زراعت　☆صنعت کاری　☆ **طب و حکمت**

۴. مومن خان مومنؔ اس شہر میں پیدا ہوئے:
☆لکھنؤ　☆ **دہلی**　☆ملیح آباد

۵. "تغزّل کا شاعر" انھیں کہا جاتا ہے:
☆**مومن خان مومنؔ**　☆فیض احمد فیضؔ　☆اخترؔ شیرانی

فراقؔ گورکھپوری

۱. فراقؔ گورکھپوری کا اصل نام ہے:
☆ فراق خان　☆ دھن پت رائے　☆ **رگھوپتی سہائے**

۲. نصاب میں موجود غزل فراقؔ کی اس کتاب سے ماخوذ ہے:

☆ **گلِ نغمہ** ☆ غزلستان ☆ روحِ کائنات

۳. فراقؔ گورکھپوری کی کلیات کے حصے ہیں:

☆ چار ☆ تین ☆ **دو**

۴. فراقؔ گورکھپوری کی کلیات کا پہلا حصہ ہے:

☆ **گلِ نغمہ** ☆ غزلستان ☆ روحِ کائنات

۵. فراقؔ گورکھپوری کی کلیات کا دوسرا حصہ ہے:

☆ گلِ نغمہ ☆ **شبنمستان** ☆ روحِ کائنات

۶. ''ترکِ محبت'' ہے:

☆ **مرکب اضافی** ☆ مرکب توصیفی ☆ مرکب عطفی

۷. ''سر میں سودا بھی نہیں، دل میں تمنا بھی نہیں'' اس مصرع میں کیفیت پائی جاتی ہے:

☆ مثبت ☆ منفی ☆ **اضطراری**

JOIN FOR MORE!!!

جگرؔ مراد آبادی

۱. جگرؔ مراد آبادی کا اصل نام ہے:

☆ علی رضا ☆ علی محمد ☆ **علی سکندر**

۲. نصاب میں موجود جگرؔ کی غزل ماخوذ ہے:

☆ **کلیاتِ جگرؔ** ☆ شعلۂ طور ☆ داغِ جگر

۳. ''داغِ جگر، شعلۂ طور، آتشِ گل''، ان کتابوں کے خالق ہیں:

☆ جونؔ ایلیا ☆ داغؔ دہلوی ☆ **جگرؔ مراد آبادی**

۴. مکمل مصرع ہے: ''دنیا کے ستم یاد، نہ اپنی ہی ______'':

☆ ادا یاد ☆ **وفا یاد** ☆ جفا یاد

۵. ''مرنے کی ادا یاد نہ جینے کی ادا یاد'' اس مصرع میں صنعتِ تکرار کے علاوہ یہ صنعت بھی ہے:

☆ **صنعتِ تضاد** ☆ صنعتِ تلمیح ☆ صنعتِ مبالغہ

ناصرؔ کاظمی

۱. ناصرؔ کاظمی کا اصل نام ہے:

☆ ناصر علی ☆ ناصر خان ☆ **سید محمد ناصر رضا**

۲. نئے تجربات کا شاعر انھیں کہا جاتا ہے:

☆ **ناصر کاظمی** ☆میر دردؔ ☆اسداللہ غالبؔ

۳. ''میرِ جدید'' اور ''ثانیٔ میر'' انھیں کہا جاتا ہے:

☆ اخترؔ شیرانی ☆ **ناصر کاظمی** ☆جوشؔ ملیح آبادی

۴. ''شہرِ طرب'' سے مراد ہے:

☆ **خوشیوں بھرا شہر** ☆ رقص و نغمے والا شہر ☆ خوشیوں بھرا مہینا

۵. ناصر کاظمی کی غزل میں ''دل دھڑکنے'' سے مراد ہے:

☆ دل کا حرکت کرنا ☆ خوف زدہ ہونا ☆ **بے قراری**

۶. ''برگِ نے، پہلی بارش، نشاطِ خواب'' ان کی تصانیف ہیں:

☆ جگرؔ مرادآبادی ☆ فراقؔ گورکھ پوری ☆ **ناصر کاظمی**

۷. ''نظر سے گزرے'' کا مطلب ہے:

☆ نظر کے سامنے سے گزرے ☆ **یاد آئے** ☆ نظر سے گر گئے

۸. یادیں بھی اب خواب ہوئیں، کتابِ دوستاں، کلامِ ضامن'' ان کی تصانیف ہیں:

☆ یاسمین حمید ☆ وضاحت نسیم ☆ **فاطمہ حسن**

JOIN FOR MORE!!!

جونؔ ایلیا

۱. جونؔ ایلیا کا اصلی نام تھا:

☆ صغیر احمد ☆ احمد شاہ ☆ **سید حسین جونؔ اصغر**

۲. جونؔ ایلیا اس مشہور صحافی اور شاعر کے بھائی تھے:

☆ **رئیس امروہوی** ☆احمد فرازؔ ☆ امجد اسلام امجدؔ

۳. ''شاید، لیکن، گویا، یعنی''ان کے شعری مجموعے ہیں:

☆ رئیس امروہوی ☆ **جونؔ ایلیا** ☆ امجد اسلام امجدؔ

فاطمہ حسن

۱. فاطمہ حسن کا پورا نام ہے:

☆ کنیز فاطمہ ☆ فاطمہ زہرا ☆ **سیدہ انیس فاطمہ**

۲. نصاب میں موجود فاطمہ حسن کی غزل اس کتاب سے ماخوذ ہے:

☆ **یادیں بھی اب خواب ہوئیں** ☆ کتابِ دوستاں ☆ کلامِ ضامن

۳. ڈاکٹر فاطمہ حسن حکومتِ سندھ کے اس محکمے سے متعلق رہیں:

☆ محکمۂ صحت ☆ محکمۂ تعلیم ☆ **محکمۂ اطلاعات**

۴. ڈاکٹر فاطمہ حسن "سوشل سیکیورٹی انسٹی ٹیوشن" میں اس عہدے پر فائز رہیں:

☆ کلکٹر ☆ **ڈایریکٹر** ☆ پریزیڈنٹ

۵. فاطمہ حسن اس ماہنامے سے منسلک رہیں:

☆ **اظہار** ☆ نگار ☆ خمار

۶. "یادیں بھی اب خواب ہوئیں، کتابِ دوستاں، کلامِ ضامن" ان کی تصانیف ہیں:

☆ یاسمین حمید ☆ وضاحت نسیم ☆ **فاطمہ حسن**

۷. مرکب "درودیوار" ہے:

☆ **مرکب عطفی** ☆ مرکب توصیفی ☆ مرکب اضافی

۸. زمیں سے رشتہ بھی رکھنا ہے:

☆ خیال وخواب کا ☆ **درودیوار کا** ☆ جسم وجاں کا

JOIN FOR MORE!!!

خوش حال خان خٹک

۱. خوش حال خان خٹک اس زبان کے شاعر ہیں:

☆ سندھی ☆ پنجابی ☆ **پشتو**

۲. نصاب میں موجود نظم خوش حال خان خٹک کی اس کتاب سے ماخوذ ہے:

☆ **کلامِ خوش حال خان** ☆ بازنامہ ☆ دستار نامہ

۳. "بازنامہ، دستار نامہ" ان کی تصانیف ہیں:

☆ **خوش حال خان خٹک** ☆ پری خان خٹک ☆ بابا رحمان

۴. نصاب میں موجود خوش حال خان خٹک کی نظم کا اردو ترجمہ انھوں نے کیا:

☆ خوش حال خان خٹک ☆ **پری خان خٹک** ☆ بابا رحمان

متفرقات

۱. اردو اس زبان کا لفظ ہے:

☆ فارسی ☆ ہندی ☆ **ترکی**

۲. اردو کے لفظی معنی ہیں:

☆ **لشکر** ☆ ہتھیار ☆ سپاہی

۳. اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں:

☆اسد اللہ غالب ☆میر تقی میر ☆**قلی قطب شاہ**

۴. اردو کے پہلے غزل گو شاعر ہیں:

☆میر تقی میر ☆**امیر خسرو** ☆رفیع سودا

۵. اردو کے پہلے قومی شاعر ہیں:

☆میر تقی میر ☆امیر خسرو ☆**الطاف حسین حالی**

۶. اردو کے پہلے فلسفی شاعر ہیں:

☆**اسد اللہ غالب** ☆امیر خسرو ☆رفیع سودا

۷. بابائے اردو انھیں کہا جاتا ہے:

☆علامہ اقبال ☆سر سید احمد خان ☆**مولوی عبد الحق**

JOIN FOR MORE!!!

۸. اردو زبان کا سب سے پہلا قصہ ہے:

☆**سب رس** ☆الف لیلیٰ ☆نیا قانون

۹. اردو زبان کا پہلا ڈرامہ ہے:

☆سب رس ☆**اندر سبھا** ☆انار کلی

۱۰. ''مقالہ'' اس طرح کے مضمون کو کہا جاتا ہے:

☆مزاحیہ ☆تاریخی ☆**تحقیقی**

۱۱. اکبر الہٰ آبادی کو خطاب دیا گیا:

☆ابوالکلام ☆**لسان العصر** ☆غزل کا مسیحا

۱۲. ''شاعر رومان'' انھیں کہا جاتا ہے:

☆میر تقی میر ☆امیر خسرو ☆**اختر شیرانی**

۱۳. شاہنامۂ اسلام ان کا شاہکار ہے:

☆میر تقی میر ☆**حفیظ جالندھری** ☆رفیع سودا

۱۴. پاکستان کا قومی ترانہ انھوں نے لکھا:

☆**حفیظ جالندھری** ☆علامہ اقبال ☆فیض

۱۵. اس ڈرامہ نگار کو اردو ڈرامے کا شکسپیر کہا جاتا ہے:

☆سعادت حسن منٹو ☆**آغا حشر کشمیری** ☆امتیاز علی تاج

۱۶. اردو نثر کی ابتدا اس شہر سے ہوئی:

☆دہلی ☆لکھنؤ ☆**دکن**

۱۷. جس نظم کا ایک بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہو، اسے کہا جاتا ہے:

☆مسدس ☆**مخمس** ☆رباعی

۱۸. مسدس کے ایک بند میں مصرعے ہوتے ہیں:

☆چار ☆پانچ ☆**چھ**

۱۹. شعر میں کسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا جائے تو اسے کہا جاتا ہے:

☆**تلمیح** ☆استعارہ ☆تشبیہ

۲۰. غزل کے پہلے شعر کو کہا جاتا ہے:

☆مقطع ☆**مطلع** ☆حسن مطلع

۲۱. غزل کے آخری شعر کو کہا جاتا ہے:

☆**مقطع** ☆مطلع ☆حسن مطلع

JOIN FOR MORE!!!

۲۲. غزل میں کس چیز کا ہونا ضروری ہے؟

☆ردیف ☆تخلص ☆**قافیہ**

۲۳. غزل میں ایک مطلع کے بعد دوسرا مطلع آئے تو اسے کہا جاتا ہے:

☆مقطع ☆مطلع ☆**حسن مطلع**

۲۴. ایک چیز کو دوسری چیز کے جیسا قرار دینے کا عمل کہلاتا ہے:

☆**تشبیہ** ☆مطلع ☆حسن مطلع

۲۵. وہ نظم جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں، اسے کہا جاتا ہے:

☆مسلسل نظم ☆**مثنوی** ☆قصیدہ

۲۶. استعارہ کے لفظی معنی ہیں:

☆کاٹنا ☆**ادھار لینا** ☆اشارہ کرنا

۲۷. شعر میں کسی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا کہلاتا ہے:

☆تشبیہ ☆استعارہ ☆**مبالغہ**

۲۸. کسی چیز کی اصل وجہ کو چھوڑ کر، کوئی شاعرانہ وجہ بیان کرنا کہلاتا ہے:

☆تضاد ☆**حسن تعلیل** ☆تلمیح

۲۹. ''زبان پکڑنا'' ہے:

☆روزمرہ ☆**محاورہ** ☆تشبیہ

۳۰. ''آپے سے باہر ہونا'' ہے:

☆ضرب المثل ☆روزمرہ ☆**محاورہ**

۳۱. ''خون کے گھونٹ پینا'' ہے:

☆ضرب المثل ☆روزمرہ ☆**محاورہ**

۳۲. ''وہم وگمان'' ہے:

☆مرکب توصیفی ☆**مرکب عطفی** ☆مرکب اضافی

۳۳. فعل کے معانی واضح کرنے والے الفاظ کہلاتے ہیں:

☆**متعلقِ فعل** ☆لازمِ فعل ☆صلہء فعل

۳۴. "اے ماؤ! بہنو! بیٹیو!" میں یہ رمزِ وقف استعمال ہوئی ہے:

☆سکتہ ☆ختمہ ☆**ندائیہ**

۳۵. ایسی نظم جس کے تمام مصرعے برابر ہوں مگر اس میں قافیے کی پابندی نہ ہو، کہلاتی ہے:

☆نثری نظم ☆**نظم معرّا** ☆آزاد نظم

۳۶. الفاظ ''عیش، خوشی'' میں صنعت ہے:

☆تضاد ☆تلمیح ☆**رعایت لفظی**

۳۷. الفاظ ''بے کسی، تباہ'' میں صنعت ہے:

☆تضاد ☆مبالغہ ☆**رعایت لفظی**

۳۸. ''سر اٹھانا'' ہے:

☆ضرب المثل ☆**محاورہ** ☆روزمرہ

۳۹. ''رات کٹ جانا، سکوت، شورِ زنجیر، دیوار، در، زندان'' ان الفاظ وتراکیب میں صنعت ہے:

☆تضاد ☆مبالغہ ☆**مراعاۃ النظیر**

☆......☆......☆

JOIN FOR MORE!!!

JOIN FOR MORE!!!

طریقۂ جواب سوال نمبر ۲: اشعار کی تشریح

سوال نمبر ۲:

سالِ اوّل اور سال دوم میں دو اشعار کی تشریح کے ۱۰ نمبر ہیں۔ اس لحاظ سے ایک شعر کی تشریح کے ۵ نمبر ہیں۔

- ☼ حوالہ شاعر ۱ نمبر
- ☼ تشریح ۴ نمبر

حوالہ ءشاعر میں شاعر کا درست نام تحریر کر دینا ہی کافی ہے۔ البتّہ تشریح کے ذیل میں شعر کا بنیادی خیال اور فنی محاسن کی نشان دہی کے ساتھ ممکنہ تاریخی معاشرتی پس منظر موزوں الفاظ میں سلیقے سے تحریر کیا گیا ہو۔ تشریح کے ذیل میں اگر ہو سکے تو مناسب مماثل شعر لکھا جائے۔ ہر شعر کی تشریح میں لازمی طور پر بھرتی کے مماثل شعر شامل کرنے سے گریز کیا جائے۔

JOIN FOR MORE!!!

جوابی خاکہ

حوالہ ءشاعر:

مرکزی خیال:

فنی محاسن:

مشکل الفاظ:

تشریح:

مماثل شعر:

حمد باری تعالیٰ

مظفرؔ وارثی

پیدائش ۱۹۳۳ء۔ وفات ۲۰۱۱ء

تعارفِ شاعر:

مظفر وارثی کا پورا نام محمد مظفر الدین احمد صدیقی اور تخلص مظفرؔ ہے۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۳ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان آ گئے اور لاہور میں رہائش اختیار کی۔ پاکستان ٹیلی وژن سے ۱۹۸۰ء میں بہترین نعت گو کا ایوارڈ حاصل کیا۔ غالب اکیڈمی دہلی کی جانب سے بہترین شاعر کا "افتخارِ غالب" ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ متعدد فلموں کے گانے بھی لکھے، مگر جب سے نعت کہنا شروع کی، فلمی گانوں کو خیر آباد کہہ دیا۔

اہم تصانیف:

ان کی اہم تصانیف یہ ہیں:

برف کی ناؤ (مجموعۂ غزل)	باب حرم (مجموعۂ نعت)	لہجہ (مجموعۂ غزل)
نورِ ازل (مجموعۂ نعت)	الحمد (مجموعۂ حمد و ثنا)	حصار (مجموعۂ نظم)
لہو کی ہریالی (مجموعۂ گیت)	کعبۂ عشق (مجموعۂ نعت)	ستاروں کی آبجو (قطعات)
کھلے دریچے بند ہوا (مجموعۂ غزل)		

JOIN FOR MORE!!!
تشریحات

شعر نمبر ۱:

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے ، وہی خدا ہے
دکھائی بھی جو نہ دے ، نظر بھی جو آ رہا ہے ، وہی خدا ہے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کے شاعر مظفر وارثی ہیں۔

مشکل الفاظ:

نظامِ ہستی: زندگی کا نظام

فنی خوبی:

مطلع، [پہلا شعر]

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اس دنیا کے نظام پر غور کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی تو ہے جو اس

نظام کو چلا رہا ہے۔ اتنا بڑا نظام بغیر چلانے والے کے نہیں چل سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ انسانی آنکھ کو بظاہر نظر نہیں آتا لیکن حقیقت میں اس کا جلوہ ہر شے میں موجود ہے۔ دنیا کے نظام کی درستگی خود اس بات کی شاہد ہے کہ یہ نظام بغیر کسی چلانے والے کے اتنی زبردست درستی کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ سورۃ آل عمران میں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَاوَاتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَافِ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي ٱلْأَلْبَابِ (سورۃ آل عمران: ۱۹۰)

ترجمہ: ''بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں ان عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔''

شعر نمبر۲:

وہی ہے مشرق، وہی ہے مغرب سفر کریں سب اسی کی جانب
ہر آئینے میں جو عکس اپنا دکھا رہا ہے، وہی خدا ہے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کے شاعر مظفر وارثی ہیں۔

مشکل الفاظ:

JOIN FOR MORE!!!

عکس: سایہ، جھلک

فنی خوبی:

صفت تضاد، [مشرق، مغرب]

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اس دنیا کی ہر شے میں، ہر سمت میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک موجود ہے۔ سب نے اسی کی جانب لوٹ کر جانا ہے۔ مشرق میں بھی وہی ہے اور مغرب میں بھی وہی ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ ہر آئینے میں اس کا عکس موجود ہے۔ یعنی دنیا کی ہر شے میں؛ پہاڑ، سمندر، چاند، سورج، تارے، آسمان، زمین، پھول، پودے، میں اس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ سورۃ یٰس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَسُبْحَانَ ٱلَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (سورۃ یٰس: ۸۳)

ترجمہ: ''غرض پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے، اور اسی کی طرف تم سب کو آخر کار لے جایا جائے گا۔''

شعر نمبر۳:

تلاش اس کو نہ کر بتوں میں، وہ ہے بدلتی ہوئی رُتوں میں
جو دن کو رات اور رات کو دن بنا رہا ہے، وہی خدا ہے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کے شاعر مظفر وارثی ہیں۔

مشکل الفاظ:

رُت: موسم

فنی خوبی:

صفت تضاد، [دن، رات]

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ خدا کو تلاش کرنے کے لیے مسجد، مندر جانے کی ضرورت نہیں۔ انسان چاہے اور ذرا غور کرے تو خدائے پاک کو اپنے سامنے پائے گا۔ وہ تو اس کائنات کی ہر شے میں موجود ہے۔ دنیا کے حسین نظاروں میں وہ ہے، بدلتے ہوئے موسموں میں وہ ہے۔ وہی تو ہے جو دن کو رات میں اور رات کو دن میں بدلتا ہے۔

يُولِجُ ٱللَّيْلَ فِي ٱلنَّهَارِ وَيُولِجُ ٱلنَّهَارَ فِي ٱللَّيْلِ وَهُوَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ (سورۃ الحدید: ٦)

ترجمہ: ''وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے۔''

خدا کو تلاش کرنے کے لیے پتھر کے خداؤں کا سہارا لینے کے ضرورت نہیں۔ انسان اپنی ذات ہی میں غور و فکر کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کا پتہ مل جائے گا۔

ڈھونڈتا پھرتا ہے تو دَیر و حرم میں جس کو
موند لے آنکھ تو دیدار بھی کرسکتا ہے

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۴:

کسی کو سوچوں نے کب سراہا ، وہی ہوا جو خدا نے چاہا
جو اختیارِ بشر پہ پہرے بٹھا رہا ہے ، وہی خدا ہے

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کے شاعر مظفر وارثی ہیں۔

مشکل الفاظ:

اختیارِ بشر: انسان کی مرضی
پہرا: نگہبانی، چوکیداری

فنی خوبی:

صفت تضاد، [دن، رات]

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ انسان اپنے طور پر بہت کچھ سوچتا ہے لیکن حقیقتاً زندگی میں ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہو۔ انسان سمجھتا ہے کہ میں جو چاہوں گا کرلوں گا لیکن قدرتِ خداوندی اسے عین وقت پر ورطہ ءِ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کی مرضی کے مطابق چلے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی چاہت کے مطابق اس کی زندگی کے فیصلے کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اگر وہ خدا کی مرضی پسِ پشت ڈال کر اپنی من مانی کی کوشش کرے تو ہوتا تو ہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے، البتہ انسان اپنی مرضی کو حاصل کرنے میں تھک کر چُور ہو جاتا ہے۔

شعر نمبر۵:

نظر بھی رکھے ، سماعتیں بھی ، وہ جان لیتا ہے نیتیں بھی
جو خانہء لاشعور میں جگمگا رہا ہے ، وہی خدا ہے

حوالہ ٔشاعر:

پیشِ نظر شعر حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کے شاعر مظفر وارثی ہیں۔

مشکل الفاظ:

سماعت: سننا   خانہ: گھر

لاشعور: ذہن کا وہ حصہ جس میں موجود محرکات تک رسائی ممکن نہ ہو۔

فنی خوبی:

مراعاۃ النظیر، [نیت، لاشعور، نظر، سماعت]

تشریح:

''لاشعور'' کو شعور کی ضد کہا جاسکتا ہے۔ عام تصور میں لاشعور ذہن کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جس میں ایسی یادداشتیں (memories) موجود ہوتی ہیں جو عموماً انسان کی خواہش یا حسرت کی سی حیثیت رکھتی ہیں مگر حقیقی زندگی میں اس وقت تک سامنے نہیں آتیں جب تک ان کو کسی تحریک (یاد دلانے والی بات) کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اللہ تعالی انسان کے ظاہری اعمال کو تو جانتے ہی ہیں، اس کے باطنی خیالات کو اور اس کی نیتوں سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ وہ ''علیمٌ بِذاتِ الصُّدور'' ہیں۔ وہ سب کچھ دیکھتے اور سب کچھ سنتے ہیں۔ وہ انسان کے لاشعور میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔

وَيَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ

ترجمہ: ''اور جانتا ہے جو تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو اور اللہ دلوں کی جانتا ہے۔'' (سورۃ التغابن: ۴)

شعر نمبر۶:

کسی کو تاجِ وقار بخشے، کسی کو ذلت کے غار بخشے
جو سب کے ماتھے پہ مہرِ قدرت لگا رہا ہے ، وہی خدا ہے

حوالہ ٔشاعر:

پیشِ نظر شعر حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کے شاعر مظفر وارثی ہیں۔

مشکل الفاظ:

وقار: عزت

فنی خوبی:

صفت تضاد، [وقار، ذلت]

JOIN FOR MORE!!!

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کی قدرت بہت عجیب ہے۔اللہ پاک جسے چاہتے ہیں عزت دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں ذلت دیتے ہیں۔ جسے چاہتے ہیں بادشاہی عطافرماتے ہیں اور جسے چاہے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیتے ہیں۔

گدا کو بادشاہ یا بادشاہوں کو گدا کردے
میرے مالک تُو جب چاہے کسی کو کیا سے کیا کردے

یہ زندگی اصل میں ایک امتحان ہے۔اللہ تعالی تو سب جانتے ہیں لیکن پھر بھی انسان کو جانچتے ہیں۔ بادشاہوں کو غلام کرکے اور غلاموں کو بادشاہ بناکر آزماتے ہیں تاکہ اچھے انسان کے اندر کی اچھائی اور برے انسان کے اندر کی برائی کو دنیا کے سامنے ظاہر کیا جاسکے۔

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَآءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَآءُ

ترجمہ:''(اے اللہ!)تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے،اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رسوا کردیتا ہے۔'' (سورۃ آل عمران:۲۶)

شعر نمبر۷:

JOIN FOR MORE!!!

سفید اس کا ، سیاہ اس کا ، نفس نفس ہے گواہ اس کا
جو شعلہء جاں جلا رہا ہے ، بجھا رہا ہے ، وہی خدا ہے

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر حمد سے لیا گیا ہے۔حمد کے شاعر مظفر وارثی ہیں۔

مشکل الفاظ:

شعلہءجاں: زندگی کی حرارت

فنی خوبی:

صفتِ تضاد، [سفید، سیاہ۔ جلانا، بجھانا]
صنعتِ تکرار، [نفس نفس]

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اس دنیا کا سیاہ وسفید اللہ تعالی کا ہے۔سیاہ سفید سے مراد دن اور رات بھی ہو سکتے ہیں اور کائنات میں موجود اچھائی اور برائی بھی مراد ہو سکتی ہے۔شاعر کہتے ہیں کہ اس کائنات کی ہر شے خدا کی گواہ ہے اور اسی کی تسبیح و تحمید کرتی ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ

ترجمہ:''اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو۔'' (سورۃ بنی اسرائیل:۴۴)

شاعر کہتے ہیں کہ یہ اللہ سبحانہٗ ہی کی ذات اقدس ہے جو انسان کی زندگی کو یا تو بامقصد بنا دیتی ہے اور اس کی زندگی میں کچھ کرنے کی تڑپ اور حرارت پیدا کرتی ہے یا پھر بے مقصد بنا کر بس نام کی اور بے جان زندگی بنا دیتی ہے۔اگرچہ کہ یہ فیصلے انسان کے اعمال و افکار کو دیکھ کر ہی کیے جاتے ہیں لیکن اس کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی کے قبضہءقدرت میں ہے۔

نعت رسول مقبول ﷺ

محسن کاکوروی

پیدائش ۱۸۲۷ء۔ وفات ۱۹۰۵ء

تعارفِ شاعر:

محسن کاکوروی کا پورا نام سید محمد محسن تھا۔ محسنؔ ہی تخلص کیا کرتے ہیں۔ ۱۸۳۷ء میں قصبہ کاکوری مضافات لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ایک ذی علم گھرانے سے تھا۔ سید محسن کی ابتدائی تعلیم اپنے جدامجد مولوی حسین بخش شہید کی نگرانی میں کاکوری میں ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد اپنے والد اور مولوی عبدالرحیم سے علم حاصل کیا۔ مولوی ہادی علی اشک جنھیں شاعری پر عبور حاصل تھا، انھی سے محسنؔ کاکوروی نے مشق سخن کی۔ محسنؔ کاکوروی نے چند روز عہدۂ نظامت پر کام کیا اور وہیں سے وکالت ہائی کورٹ کا امتحان پاس کیا۔

شعر و سخن کا شوق انھیں لڑک پن سے تھا۔ ابتدا میں کچھ غزلیں کہیں۔ اس کے بعد محض نعت میں طبع آزمائی کرتے رہے۔ ان کی کلیات میں ان کی مشہور مثنوی "چراغ کعبہ" "شب معراج کے ذکر میں ہے۔ کچھ رباعیاں اور غزلیں بھی ہیں۔ محسنؔ کاکوروی ۲۴ اپریل ۱۹۰۵ء بمطابق ۱۸ صفر ۱۳۲۳ء کو مین پوری میں اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

JOIN FOR MORE!!!

اہم تصانیف:

ان کی اہم تصانیف یہ ہیں:

سنبلستان رحمت (کلیات نعت) نظم دل افروز فغانِ محسن

مدیح خیر المرسلین گلدستۂ محسن صبح تجلی

تشریحات

شعر نمبر ۱:

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر نعتِ رسول ﷺ سے لیا گیا ہے۔ نعت کے شاعر مشہور مدّاحِ رسول مولوی سید محسنؔ کاکورویؒ ہیں۔

مشکل الفاظ:

مُفَصَّل: تفصیلی مجمل: مختصر افضل: سب سے بہتر

اعلیٰ: سب سے بلند

فنی خوبی:

مطلع، [پہلا شعر]

صفتِ تضاد، [مفصل، مجمل]

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کی حکومت و بادشاہت سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ ہے۔ آپ شہنشاہِ دوعالم اور فخرِ انسانیت ہیں آپ جیسی بادشاہی انسانیت میں نہ کسی کو ملی ہے نہ کسی کو ملے گی۔ مومن کے ایمان کا خلاصہ اور نچوڑ صرف اور صرف حب رسول اللہ ﷺ ہے۔

ے
اگرچہ فقر فخری رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرِّ کسرائی و خاقانی

شعر نمبر۲:

JOIN FOR MORE!!!

ہے تمنا، نہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نعتِ رسول ﷺ سے لیا گیا ہے۔ نعت کے شاعر مشہور مدّاحِ رسول مولوی سید محسنؔ کاکوروی ہیں۔

فنی خوبی:

مراعاۃ النظیر، [شعر، قصیدہ، قطعہ، غزل]

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میری دلی تمنا اور خواہش یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالی نے جتنی بھی شعر و سخن کی صلاحیتوں سے نوازا ہے، میں ان تمام صلاحیتوں کو بس آپ کی مدح میں صرف کر دوں۔ میری تمام تر شاعری کا ایک ایک لفظ آپ کی مدح و ثنا سے معمور رہے۔ شعر کہوں یا قطعہ، قصیدہ کہوں یا غزل، اس میں موضوع سخن اور ممدوح بس آپ کی ذاتِ عالی ہو۔

شعر نمبر۳:

رخ انور کا ترے، دھیان رہے بعدِ قضا
میرے ہم راہ چلے راہِ عدم میں مشعل

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نعتِ رسول ﷺ سے لیا گیا ہے۔ نعت کے شاعر مشہور مدّاحِ رسول مولوی سید محسنؔ کاکوروی ہیں۔

مشکل الفاظ:

رخ: چہرہ قضا: موت ہم راہ: ساتھ مشعل: شمع، فانوس

راہِ عدم: موت کا راستہ (مراد قبر و حشر کی منازل)

فنی خوبی:

صفتِ تشبیہ، [رخِ نبی ﷺ کو مشعل سے تشبیہ دی گئی ہے۔]

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میری خواہش ہے کہ مرنے کے بعد قبر و حشر کی مشکل منازل میں پل پل مجھے آپ کے رخِ انور کا دھیان رہے۔ اور ان اندھیرے راستوں میں، جہاں ہر انسان نے اکیلے ہی جانا ہے، آپ کا روشن اور منور چہرہ میرے لیے مشعل کا کام کرے اور ان تمام مشکل مراحل کو سر کرنے میں میری مدد کرے۔

میں قبر اندھیری میں گھبراؤں گا جب تنہا امداد مری کرنے آ جانا رسول اللہ!

شعر نمبر ۴:

صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مدّاح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ ، یہ غزل

JOIN FOR MORE!!!

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نعتِ رسول ﷺ سے لیا گیا ہے۔ نعت کے شاعر مشہور مدّاحِ رسول مولوی سید محسن کاکوروی ہیں۔

مشکل الفاظ:

محشر: قیامت مدّاح: مدح کرنے والا، تعریف کرنے والا

تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنی ایک اور حسرت بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میری خواہش ہے کہ کل میدانِ محشر میں مجھے آپ کا قرب نصیب ہو۔ آپ کے ساتھ کھڑا ہونا نصیب ہو۔ کاش میں حشر کے میدان میں یہی نعتیہ قصیدہ لیے حاضر ہو سکوں اور وہیں میدانِ حشر میں آپ کے حضور میں اور آپ کے دوبدو یہ نعت پیش کروں۔

وہ ادیبؔ جس نے محشر میں بپا کیا ہے محشر
وہ کہیں کہ آؤ دیکھو یہ غلام آگیا ہے

شعر نمبر ۵:

اے محمد! ہے بلاشک وہ تری ذاتِ حسن
جس کی توصیف میں عالم کی زباں ہے الکن

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نعتِ رسول ﷺ سے لیا گیا ہے۔ نعت کے شاعر مشہور مدّاحِ رسول مولوی سید محسن کاکوروی ہیں۔

مشکل الفاظ:

حسن: خوبصورت توصیف: تعریف الکن: جس کی زبان میں لکنت ہو

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کی ذات عالی اس قدر پاک اور اس درجہ حسیں ہے کہ کوئی اس کی

کماحقہٗ تعریف و توصیف کر ہی نہیں سکتا۔ ظاہر ہے جو ذات اقدس ممدوحِ یزداں ہو اس کی مدح و ثنا انسان کے بس کی بات کیسے ہو سکتی ہے؟ جس جس نے آپ کی تعریف کی کوشش کی وہ آپ کی کماحقہٗ توصیف میں ایسے عاجز ہو گیا جیسے ایک لکنت زدہ انسان بات کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ
بعد از بزرگ توئی قصہ مختصر

شعر نمبر ۶:

کیسی تصویر جسے کھینچ کے نقاشِ ازل
خود لگا کہنے کہ ہر وصف میں ہے تو افضل

حوالہ ٔشاعر:

پیشِ نظر شعر نعتِ رسول ﷺ سے لیا گیا ہے۔ نعت کے شاعر مشہور مدّاحِ رسول مولوی سید محسن کاکوروی ؒ ہیں۔

مشکل الفاظ:

نقاشِ ازل: کائنات کو پیدا کرنے والا، خالق کائنات
وصف: صفت، خوبی

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کی تصویر اتنی حسین ہے کہ خود اللہ تبارک وتعالی نے جب آپ کو بنایا ہوگا تو وہ خود آپ کے فریبِ حسن میں آکر کہہ اٹھا ہو گا کہ اے محبوب! تو ہر طرح سے مکمل ہے۔ تجھ میں کوئی خامی اور کمی نہیں۔ نہ ظاہری عیب ہے نہ کوئی باطنی عیب ہے۔ گویا کہ آپ ﷺ کو ویسا ہی بنایا گیا جیسا آپ خود چاہتے تھے۔ بقول شاعرِ رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ:

وَأَحْسَنَ مِنْک لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنٌ وَأَجْمَلَ مِنْک لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّءًا مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ کَأَنَّک قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

تجھ سے حسین تر کوئی دیکھا نہیں گیا تجھ سا جمیل بھی کسی ماں نے نہیں جنا
ہر عیب سے بری تجھے پیدا کیا گیا گویا جو تُو نے چاہا تھا آخر وہی ہوا

JOIN FOR MORE!!!

خواجہ میر دردؔ

پیدائش ۱۷۲۰ء۔ وفات ۱۷۸۵ء

تعارفِ شاعر:

خواجہ میر درد کو اردو غزل گوئی کا سب سے بڑا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔ آپ نے شاعری کے دامن میں تصوف کے پھول کھلائے اور غزل کی بنیاد عشقِ حقیقی پر رکھی۔ آپ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے چنانچہ ایک دیوان فارسی کا ہے اور ایک دیوان اردو کا۔ فارسی نثر میں آپ نے تصوف کے موضوع پر کئی کتابیں لکھیں جن میں ''اسرار الصلوۃ، نالہ درد، آہ سرد اور درد دل'' قابل ذکر ہیں۔

مرزا علی لطف آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اگرچہ دیوانِ درد بہت مختصر ہے لیکن سراپا درد و اثر رکھتا ہے۔"

غزل۔۱

شعر نمبر۱:

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا بس ہجومِ یاس ، جی گھبرا گیا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر دردؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

دل ناامیدی سے بھر گیا ہے۔

فنی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

مشکل الفاظ:

حسرت: آرزو، ارمان یاس: ناامیدی، مایوسی ہجوم: مجمع، حملہ

تشریح:

اس شعر میں شاعر انسانی فطرت کو بیان کر رہے ہیں۔ انسان کی خواہشات کبھی ختم نہیں ہو سکتیں۔ جتنی بھی نعمتیں مل جائیں انسان مزید کی آرزو اور حسرت دل میں پیدا کر لیتا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ میرے دل میں اتنی حسرتیں جمع ہو گئی ہیں گویا مجھ پہ حسرتوں نے اچانک حملہ کر دیا ہو۔ ظاہر ہے کہ تمام آرزوئیں پوری نہیں ہو سکتیں، لہٰذا حسرتوں کو پورا نہ ہونا دل میں ناامیدی کی کیفیت پیدا کر رہا ہے۔ شاعر ناامیدی کے ہجوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے ہجومِ یاس! اب بس بھی کر۔ حسرتوں کے اس ہجوم سے اب میرا دل گھبرانے لگا ہے۔ مجھے دلی سکون کی تلاش ہے۔

ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی نے مجھے دل اس لیے عطا کیا کہ میں اسے اللہ کا گھر بناؤں، اس میں اللہ کو بساؤں لیکن چونکہ میں نے اللہ تعالی سے دل ہٹا کر دنیا میں لگا لیا تو میرا دل حسرتوں کی ایک آماجگاہ بن کے رہ گیا ہے۔ اور اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میری دلی بے سکونی کی وجہ کیا ہے۔ اس لیے اب میں اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں اور میں ان حسرتوں سے کہہ رہا ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑ دیں، میں اللہ سے لَو لگانا چاہتا ہوں۔

آہ! موہوم کثرتِ سرائے مہماں ہو گیا ؎
وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

شعر نمبر۲:

تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جُز جفا پر وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

JOIN FOR MORE!!!

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب کی بے وفائی کے باوجود اس پہ پیار آتا ہے۔

مشکل الفاظ:

جُز: سوائے   جفا: بے وفائی   بھانا: پسند آنا

تشریح:

اس شعر میں شاعر نے رنگِ تغزل اختیار کیا ہے۔ شاعر محبوب کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ تم نے مجھ سے کبھی اچھا سلوک روا نہیں رکھا۔ جب معاملہ کیا بے وفائی اور ظلم و ستم کا ہی معاملہ کیا۔ لیکن نجانے کیا بات ہے تمھاری جو اس تمام تر بے وفائیوں اور ناروا سلوک کے باوجود ہمیں تمھاری طرف مائل کرتی ہے اور دل سے تمھارا خیال جانے نہیں دیتی۔

ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاعر دنیا سے مخاطب ہو کر کہے ہیں کہ جب ہم نے تیرے اعمال دیکھے تو سوائے بے وفائی کے کہیں وفا کا پتہ نہ پایا۔ یعنی تو نے کسی کا ساتھ نہ دیا۔ تو اپنی جگہ پر قائم رہی اور تیرے پرستار یکے بعد دیگرے جاتے رہے۔ یہ دیکھ کر ہم بھی تیرے دلدادہ ہیں کہ آخر وہ کون سی بات جو ہم کو تجھ سے بد ظن نہیں ہونے دیتی۔ ضمناً شاعر اللہ کے حسن کی طرف بھی اشارہ کر رہے ہیں کہ دراصل دنیا میں اللہ کا جلوہ نظر آتا ہے اس لیے طبیعت اس سے متنفر نہیں ہوتی۔

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۳:

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری   جی میں یہ کس کا تصور آگیا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب کے تصور کو قائم رکھنے کے لیے آنکھیں بند رکھنی پڑتی ہیں۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ ہر غنودگی کے بعد آنکھ کھل جاتی ہے۔ ہر نیند کے بعد آدمی جاگتا ہے۔ صرف موت کے بعد ہی آنکھ نہیں کھل سکتی۔ شاعر کہتے ہیں کہ میری آنکھیں ایسی بند ہوئی ہیں کہ کھل نہیں سکتیں۔ یعنی میں مر رہا ہوں۔ لیکن درحقیقت یہ آنکھیں موت کی وجہ سے بند نہیں ہو رہیں بلکہ تصورِ جاناں آنکھوں میں ہے اور میں اس میں اس درجہ محو ہوں کہ ہستی محو ہوئی جا رہی ہے۔

دوسرا ایک ظاہری مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ میں محبوب کے تصور میں محو ہوں اور اس تصور کو قائم رکھنے کے لیے آنکھیں بند رکھنا لازمی ہے۔ اس لیے میں اپنی بند رکھنا چاہتا ہوں تاکہ میں تصورِ جاناں میں محو رہوں۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت، کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

شعر نمبر۴:

میں نے تو ظاہر نہ کی تھی دل کی بات   پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

حوالہ ٔشاعر:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

زبان کو ہم نے قابو میں رکھا، لیکن آنکھوں سے محبت ظاہر ہو گئی۔

مشکل الفاظ:

ڈھب: ڈھنگ، طریقہ

تشریح:

اس شعر میں شاعر رنگِ تغزل اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں کبھی زبان سے محبت کا اقرار نہیں کیا۔ نہ ہی کبھی محبوب کے سامنے اپنی کسی حرکت سے یہ ظاہر ہونے دیا کہ مجھے اس سے محبت ہے۔ لیکن جو کام میری زبان اور ظاہری ادائیں نہ کر سکیں وہ کام میری آنکھوں نے کر دکھایا۔ میری آنکھوں نے میرے دل کا حال اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ جس بات کے اظہار سے میں نے اپنی زبان کو روکے رکھا وہ آنکھوں نے کہہ دی۔ اور آنکھوں پہ تو کسی کو زور نہیں چلتا۔

ہوتا ہے انھیں سے رازِ محبت فاش
آنکھیں زباں نہیں، مگر بے زباں نہیں

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر۵:

مٹ گئی تھی اس کے جی سے تو جھجک   دردؔ کچھ کچھ بک کے تُو چونکا گیا

حوالہ ٔشاعر:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب کے سامنے کی گئی زبان درازی نے معاملات محبت بگاڑ دیے۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ محبوب کے حضور ہر لحظہ احتیاط برتنی پڑتی ہے۔ محبوب کے مزاج کے نزاکت کا لحاظ، عشق و محبت کے مراحل میں اولین مرحلہ ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی محبت کے بنے بنائے معاملات بگاڑ دیتی ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ سارے معاملات ٹھیک ٹھاک چل رہے تھے لیکن میری زبان درازی محبوب کو ناگوار گزری اور سارے معاملات محبت ایک جھٹکے میں بگاڑ کا شکار ہو گئے۔

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

غزل۔۲

شعر نمبر۱:

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا   برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

دنیا میں خدا کے سوا کچھ نہیں۔

فنی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

مشکل الفاظ:

جلوہ فرما: نمودار، نمایاں

JOIN FOR MORE!!!

تشریح:

پیشِ نظر شعر میں شاعر اپنی کیفیت کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کون و مکان کی وسعتوں میں صرف ایک ہی ہستی جلوہ گر ہے اور صرف ایک ہی معبود کا نور پھیلا ہوا ہے۔ اگر ہم گناہ گار انسانوں کے اذہان میں یہ خیال آتا ہے کہ اس کائنات میں خدائے بزرگ و برتر کے علاوہ بھی کوئی اور ہستی موجود ہے تو یہ سراسر غلط ہے۔ ارض و سما کا ہر ذرۂ جمال نورِ خداوندی کا مظہر ہے۔ اس کرۂ ارض میں موجود چمکتی نہریں، حسین و دلکش وادیاں، آفتاب و مہتاب، فلک و زمین ہر شے اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کا وجود نہیں ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ اس دنیا میں آکر اگر خدا کو نہ دیکھا تو کیا دیکھا؟ خدا کے جلووں کا دیدار نہ کیا تو اس دنیا کو دیکھنے کا فائدہ ہی کیا؟

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے؟

شعر نمبر۲:

مرا غنچۂ دل ہے وہ دلِ گرفتہ   کہ جس کو کسو نے کبھو، وا نہ دیکھا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر دردؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

شدت غم کا بیان۔

فنی خوبی:

صفت تشبیہ، [دل کو پھول سے تشبیہ دی گئی]

مشکل الفاظ:

غنچہ : پھول　　دل گرفتہ : اداس، رنجیدہ　　واہونا: کھلنا، رہاہونا، غم سے نجات پانا

غنچہ َدل واہونا(محاورہ): بہت خوش ہونا

تشریح:

پیشِ نظر شعر میں شاعر اپنی غم کی کیفیت کو بیان کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مرے دل کی مثال اس پھول کی سی ہے جس کی قسمت میں کھِلنا نہیں لکھا۔ میرا دل غموں اور تکالیف سے نجات نہیں ملتی۔ یہ ہمیشہ رنجیدہ اور ملول رہتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میری قسمت میں شاد ہونا لکھا ہی نہ ہو۔ ہزارہا کوششوں کے باوجود اسے سکھ نصیب نہیں ہوتا۔

ے　　میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

شعر نمبر۳:

یگانہ ہے تو آہ بے گانگی میں　　کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

JOIN
FOR
MORE!!!

حوالہ ٔشاعر:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب کی بے نیازی کا بیان۔

مشکل الفاظ:

یگانہ : یکتا، بے نظیر، لاثانی　　بے گانگی: اجنبیت، غیریت

فنی خوبی:

صفتِ تضاد، [یگانہ، بے گانگی]

تشریح:

پیشِ نظر شعر میں شاعر محبوب کی کمالِ بے نیازی کو بیان کر رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ اس دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو دوسروں سے بے گانے بن کر رہ رہتے ہیں۔ اپنی ذات کو سب سے بے نیاز سمجھتے ہیں۔ لیکن ہمارے محبوب جیسی بے نیازی کہیں نظر نہیں آتی۔ وہ اپنی بے نیازی اور بے گانگی میں اپنی مثال آپ اور یکتا ہے۔

شعر کو عشق حقیقی اور مجازی دونوں پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اگر عشق حقیقی کی طرف لے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ سبحانہٗ اس دنیا کی ہر شے سے بے نیاز اور غنی ہے، اور اس جیسا استغنا کسی اور ذات کو حاصل نہیں۔ وہ کسی بھی طور ادنی درجے میں بھی کسی کا محتاج نہیں۔ اور اگر عشق مجازی کی بات کی جائے تو مطلب ہوگا کہ ہمارا محبوب کسی سے مانوس ہونا پسند نہیں کرتا۔ وہ دنیا و مافیہا سے اجنبی اور بے گانہ رہنا پسند کرتا ہے اسے عشق کے دام میں پھانسنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

ے　　ظلم یہ ہے کہ ہے یکتا تیری بے گانہ روی
لطف یہ ہے کہ میں اب تک تجھے اپنا سمجھوں

شعر نمبر۴:

کیا مجھ کو داغوں نے سروِ چراغاں کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبت میں ملنے والے مصائب کا بیان۔

مشکل الفاظ:

داغ: گھاو یا زخم سروِ چراغاں: چراغوں سے سجایا ہوا جھاڑ یا درخت

فنی خوبی:

صفتِ تشبیہ، [اپنی ذات کو سروِ چراغاں سے تشبیہ دی ہے]

JOIN FOR MORE!!!

تشریح:

پیشِ نظر شعر میں شاعر محبت میں ملنے والے زخموں کا ذکر کر رہے ہیں۔ شاعر نے خود سروِ چراغاں سے تشبیہ دی ہے۔ سروِ چراغاں اس درخت کو کہتے ہیں جسے بہت سے چراغوں سے سجایا جاتا ہے یا کانچ کا درخت بنایا جاتا ہے اور اس میں بہت سی موم بتیاں روشن کی جاتی ہیں۔ شاعر کہتے ہیں جس طرح سروِ چراغاں میں بہت سے چراغ روشن کیے جاتے ہیں اسی طرح میرا جسم محبت میں زخموں سے چور چور ہے۔ سروِ چراغاں میں اتنے چراغ یا شمعیں نہیں ہوتیں جتنے مرے جسم میں زخم اور گھاو بھر گئے ہیں۔

اور پھر سروِ چراغاں کا جلنا رائیگاں نہیں جاتا کیونکہ اسے جس تماشے کے لیے محفل میں روشن کیا جاتا ہے اسے دیکھنے کے لے دور دور سے تماش بین آتے ہیں، یوں اس کا جلنا وصول ہو جاتا ہے۔ مجھے تو یہ افسوس بھی ہے کہ مرے اس قدر جلنے پر بھی تُو ایک بار بھی تماشا دیکھنے نہ آیا۔ کم سے کم تُو تماشا دیکھنے آتا تو میرا جلنا وصول ہو جاتا۔

اذیت ، مصیبت ، ملامت ، بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

شعر نمبر۵:

شب و روز اے درد درپے ہوں اس کے کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

میں خدا کی محبت کی تلاش میں ہوں۔

مشکل الفاظ:

شب و روز: رات دن درپے ہونا: تلاش یا جستجو میں ہونا

فنی خوبی:

صفتِ تضاد، [شب، روز]

تشریح:

پیشِ نظر شعر میں شاعر اپنا اور اللہ تعالیٰ کا تعلق بیان کر رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ مجھے کسی کی محبت کی ضرورت نہیں۔ میں معشوقِ حقیقی کی محبت کی تلاش میں ہوں۔ اس کائنات میں کسی نے اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھا نہ سمجھا لیکن پھر بھی سب سے حسین عشق اللہ کا ہی ہے۔ اللہ کی محبت انسان کو اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ کے عشق کی دولت نصیب ہو جائے اس کی نظر میں دنیا کی تمام دولتیں ہیچ ہیں۔ شرط یہ ہے کہ خدا کی حقیقی معرفت حاصل کی جائے۔ اللہ کی محبت اور معرفت انسان کی معراج ہے۔

ے بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

JOIN FOR MORE!!!

میر تقی میرؔ

پیدائش ۱۷۲۳ء۔ وفات ۱۸۱۰ء

تعارفِ شاعر:

اصل نام میر محمد تقی تھا۔ میرؔ ان کا تخلص تھا۔ اردو شاعری میں میر کا مقام بہت بلند ہے۔ میر تقی میرؔ آسمانِ سخن کے درخشاں آفتاب ہیں۔ آپ کو اردو غزل گوئی میں "خدائے سخن، سرتاج الشعرا اور شہنشاہِ غزل" کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ انسانی احساسات وجذبات کی مکمل ترجمانی کرتے ہیں۔ بقول غالبؔ ے

ریختہ کہ تم ہی استاد نہیں ہو غالبؔ!　　کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

غزل۔۱

شعر نمبر ۱:

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا　　لوہو آتا ہے جب نہیں آتا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر میر تقی میرؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدائے سخن اور شہنشاہِ غزل کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

ہجرِ یار میں ہر دم روتا ہوں۔

فنی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

صفتِ مبالغہ

مشکل الفاظ:

اشک: آنسو لوہو: لہو، خون

تشریح:

اس شعر میں میر تقی میرؔ نے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ میرؔ کہتے ہیں کہ محبوب کا ہجر محبت کی سب سے بڑی تکلیف ہے۔ محبوب کی جدائی میں ہم ہر وقت روتے رہتے ہیں۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا جب محبوب کی یاد نہ آئے۔ یادوں کا ہجوم جب حد سے بڑھتا ہے تو اس کے رد عمل میں آنکھ بے تحاشا روتی ہے۔ اور جب رو رو کے آنسو خشک ہو جاتے ہیں تو آنکھوں سے اشکوں کی جگہ خون بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ آنکھوں سے آنسو ہر وقت بہتے ہیں سوائے اس وقت کے کہ جب آنکھوں سے خون جاری ہو۔ آنکھوں سے خون جاری ہونا مبالغہ ہے اور شدت غم اور کثرت تکلیف کی طرف اشارہ ہے، گویا محبوب کی یاد میں دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔

شعر نمبر ۲:

ہوش جاتا نہیں رہا لیکن جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

JOIN FOR MORE!!!

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر میر تقی میرؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدائے سخن اور شہنشاہِ غزل کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب کے آتے ہی ہوش و خرد سب گم ہو جاتے ہیں۔

فنی خوبی:

صفت تضاد، [جانا، آنا]

تشریح:

اس شعر میں میرؔ کہتے ہیں کہ ویسے تو میں اپنے ہوش و حواس میں رہتا ہوں، بس محبوب کے سامنے آتے ہی میں حیرت کا نقش بن جاتا ہوں اور ہوش و خرد سب جاتا رہتا ہے۔ معاملاتِ عشق میں ہر عاشق کی یہ کمزوری ہوتی ہے کہ جب محبوب سامنے نہ ہو تو وہ محبوب سے طرح طرح کی باتیں کرنے کی منصوبہ بندیاں کرتا ہے۔ محبوب کی بے اعتنائیوں کے شکوے شکایتیں تیار کرتا ہے۔ نت نئے طریقوں سے اظہارِ محبت کے طریقے سوچتا ہے۔ لیکن محبوب کے سامنے آتے ہیں گویا اس کی قوتِ گویائی سلب ہو جاتی ہے۔ وہ محبوب کے جلووں میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ جو باتیں سوچی تھیں، جتنے دعوے اور شکوے سوچ رکھے تھے وہ سب بھول جاتا ہے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر محبوب کے دیدار میں کھو سا جاتا ہے۔

ے
حیرت کا نقش بن گئے ہم ان کو دیکھ کر
شکوہ کہاں کا؟ کیسی شکایت؟ کہاں کی بات

شعر نمبر ۳:

صبر تھا ایک مونسِ ہجراں سو وہ مدت سے اب نہیں آتا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر میر تقی میرؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدائے سخن اور شہنشاہِ غزل کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

ہجرِ یار میں صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔

تشریح:

اس شعر میں میر کہتے ہیں کہ محبوب کی جدائی میں برا حال ہو گیا ہے۔ جب جب ہمیں محبوب کی یاد آتی تھی ہم صبر کا سہارا لیتے تھے اور دل کو سمجھا لیا کرتے تھے، مگر کب تک؟ اب تو صبر نے بھی ہمارا دامن چھوڑ دیا ہے۔ محبوب کی جدائی میں ایک صبر ہی تھا جو ہمارے ساتھ تھا۔ گویا ہم میں صبر کا مادہ تھا اور اس صبر کا سہارا لے کر ہم محبوب کی جدائی کو برداشت کر پاتے تھے۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ اب ہماری حالت یہ ہو گئی ہے کہ صبر بھی ساتھ چھوڑ گیا ہے۔ اب تو ہمیں کسی طرح قرار نہیں آتا۔

؎ آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

شعر نمبر ۴:

دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا

JOIN FOR MORE!!!

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدائے سخن اور شہنشاہِ غزل کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

دل میں کچھ خلش ہے، رونا بے سبب نہیں۔

مشکل الفاظ:

گریہ: رونا، آنسو بہانا

تشریح:

اس شعر میں میر کہتے ہیں کہ محبت میں جب تک محبوب کے وصال کی خواہش قائم رہے، امید بندھی رہتی ہے۔ معاملات عشق میں سب سے زیادہ تکلیف دہ مرحلہ وہ ہے جب وصالِ یار کی امید ہی ٹوٹ جائے۔ میر کہتے ہیں کہ دل سے ابھی ابھی کوئی خواہش رخصت ہوئی ہے۔ دل پر جو غم کے بادل چھائے ہیں وہ بلاوجہ نہیں ہیں۔ میرا رونا بے سبب نہیں ہے۔ ہمارے دل سے ضرور کوئی خواہش رخصت ہوئی ہے اسی لیے تو رونا آرہا ہے۔ یہ خواہش وصالِ یار کی بھی ہو سکتی ہے۔

؎ دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی

شعر نمبر ۵:

جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہم دم! پر سخن تا بہ لب نہیں آتا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدائے سخن اور شہنشاہِ غزل کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

ہم دل کی بات زبان پر نہیں لا پاتے۔

فنی خوبی:

صفت تکرار، [کیا، کیا]

تشریح:

اس شعر میں میرؔ کہتے ہیں کہ بہت سی باتیں دل میں آتی ہیں زبان تک نہیں آپاتیں۔ محبوب کے سامنے کون سی بات، کب، کس طرح کہنی ہے یہ بہت اہم ہے۔ محبوب کی نازک مزاجی کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ہم لبوں کو سی لیتے ہیں۔ غالبؔ نے بھی اس طرح کہا ہے

ے میں بھی منہ میں زباں رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بہت سی باتیں ہمارے جی میں آتی ہیں لیکن ہم زبان پر نہیں لا پاتے۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انھیں زبان پر لانے کا بہت نقصان ہوتا ہے۔ اسی لیے بیشتر مقامات پر مصلحتاً خاموشی اختیار کر لینا بہتر ہوتا ہے۔

ے دل کی تکلیف کم نہیں کرتے
اب کوئی شکوہ ہم نہیں کرتے

JOIN FOR MORE!!!

ایک تیسرا مطلب محبوب سے شکوے شکایت کا بھی ہو سکتا ہے کہ اے میرے ہم دم! تیری بے رخی اور کج ادائی نے ہمارا جو حال کیا ہے اس بارے بہت سی شکایتی باتیں ہمارے دل میں آتی ہیں لیکن ہم تیری ناراضگی کے ڈر سے سہہ جاتے ہیں اپنے لبوں کو مقفّل کر لیتے ہیں۔

ے گلہ بھی تجھ سے بہت ہے مگر محبت بھی
وہ بات اپنی جگہ ہے یہ بات اپنی جگہ

غزل۔۲

شعر نمبر ۱:

تجاہل، تغافل، تسائل کیا
ہوا کام مشکل، توکل کیا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر میر تقی میرؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدائے سخن اور شہنشاہِ غزل کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

رجوع الی اللہ، ہر مشکل کا حل ہے۔

فنی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

مشکل الفاظ:

تجاہل: ان جان پن، بے پروائی — تغافل: لاپرواہی، دانستہ غفلت

تساہل: سستی، غفلت برتنا — توکل: کوشش و عمل کے ساتھ اللہ پر بھروسا

تشریح:

اس شعر میں میر ؔزندگی کی ایک بہت بڑی حقیقت بیان کر رہے ہیں۔ فطرتاً انسان ناشکرا ہے، اسے مشکل میں خدا کی یاد آتی ہے۔ آسانی اور خوشی میں خدا کی یاد شاذ و نادر ہی انسان کے قریب پھٹکتی ہے۔ میر ؔکہتے ہیں کہ انسان اپنے کاموں کو خود مشکل بناتا ہے اپنی نادانی سے اللہ کے بنائے ہوئے احکامات سے غفلت برت کر سستی و کاہلی کو اپنا کر وہ منزل سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور جب اپنی تمام کوششیں کر کے تھک جاتا ہے اور پھر بھی اسے خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہوتے تو سب سے آخر میں وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اگر یہی کام وہ پہلے کر لے تو ہر کام میں آسانی اس کا مقدر بنے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنۡ یَتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا

ترجمہ: ''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔'' (سورۃ الطلاق: ۲)

اسی کی اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:

وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسۡبُہٗ

ترجمہ: '' اور جو کوئی اللہ پر بھروسا کرے، تو اللہ اس (کا کام بنانے کے لیے) کے لیے کافی ہے۔'' (سورۃ الطلاق: ۳)

اگر انسان توکل قائم کرتے ہوئے محنت سے منزل پانے کے لیے آگے بڑھے تو کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

کون کہتا ہے خدا نظر نہیں آتا
وہی نظر آتا ہے جب کچھ نظر نہیں آتا

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۲:

نہیں تاب لاتا دلِ زار اب — بہت ہم نے صبر و تحمل کیا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر میر تقی میر ؔکی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدائے سخن اور شہنشاہِ غزل کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

دل آلامِ محبت سہہ سہہ کے تھک چکا ہے۔

مشکل الفاظ:

تاب لانا: برداشت کرنا — دلِ زار: کمزور دل

تشریح:

اس شعر میں میر تقی میر ؔکہتے ہیں کہ محبت میں اتنی مشکلات ہیں، اتنے مصائب و آلام ہیں کہ ہم برداشت کیے جاتے ہیں اور تکلیفیں ہیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔ ان شدائد پر ہم نے بہت صبر و تحمل سے کام لیا۔ لیکن اب بس! اب ہمارا دل یہ سب برداشت کرنے سے عاجز آ چکا ہے۔ کچھ سوجھتا ہی نہیں کہ اس درد و الم کا کیا علاج کریں۔ دل ہے کوئی پتھر تو ہے نہیں کہ اس کو کسی بات کا احساس نہ

ہو۔دل درد سے بھر چکا ہے۔

صبر کرنا سخت مشکل ہے تڑپنا سہل ہے
اپنے بس کا کام کرلیتا ہوں آساں دیکھ کر

شعر نمبر ۳:

زمینِ غزل ملک ہی ہوگئی یہ قطعہ تصرف میں بالکل کیا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ کو خداے سخن اور شہنشاہِ غزل کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

میر شہنشاہِ غزل ہے۔

مشکل الفاظ:

ملک: ملکیت قطعہ: ٹکڑا تصرُّف: قبضہ، اختیار

تشریح:

میر کی شاعری کا ایک مخصوص رنگ ہے اور انداز شعر گوئی کی کیفیات ہیں جس نے تمام شاعروں کو بے حد متاثر کیا اور سارے شاعروں نے اس رنگ میں شعر کہنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔اس لیے میر احساس برتری کو سامنے لاتے ہوئے کہتے ہیں:

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

اس شعر میں میر تقی میر نے خود ستائی سے کام لیا ہے۔کہتے ہیں کہ ہم غزل کی دنیا کے بادشاہ ہیں۔یہاں ہماری حکمرانی ہے۔ غزل کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کی کوئی ذاتی ملکیت ہوتی ہے وہ جیسا چاہے اس میں تصرف کرتا ہے۔ہم نے بھی غزل میں مالک اور حکمران کی طرح تصرف کیا۔بقول سید عبداللہ:

"بعض صاحب کمال ایسے ہوتے ہیں جن کے فن کی نمایاں خصوصیت نہ صرف اپنے دور کو متاثر کرتی ہے بلکہ مستقبل میں بھی لوگ ان کی طرزِ خاص کو مانتے ہیں میر بھی ایسے ہی صاحب کمال ہیں۔"

شعر نمبر ۴:

جنوں تھا نہ مجھ کو نہ چپ رہ سکا کہ زنجیر ٹوٹی تو میں غُل کیا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ کو خداے سخن اور شہنشاہِ غزل کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

قید میں اتنا مزا آیا کہ پھر آزادی پسند نہ آئی۔

مشکل الفاظ:

جنوں: پاگل پن غُل: شور

JOIN FOR MORE!!!

تشریح:

اس شعر میں میر تقی میر کہتے ہیں کہ لوگوں نے مجھے دیوانہ و پاگل سمجھ کر زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا، مگر میں کوئی سچ مچ دیوانہ تھا کیا؟ نہیں، سو قید میں مگن رہا، پھر یوں ہوا کہ زنجیر ٹوٹ گئی، آزادی کا سامان ہو گیا، مگر آزادی خوش نہ آئی، چپ نہ رہ سکا، شور و غل اور نالہ و فریاد میں مبتلا ہو گیا کہ مجھے پھر قید کیا جائے۔

شعر نمبر ۵:

نہ سوزِ دُروں فصلِ گل میں چھپا   سر و سینہ سے داغ نے گل کیا

حوالہ ٔشاعر:

پیشِ نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدائے سخن اور شہنشاہِ غزل کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

موسمِ بہار میں بھی چین نہ مل سکا۔

JOIN FOR MORE!!!

مشکل الفاظ:

سوز: دکھ، رنج والم   دُروں: سینہ، دل، جگر   داغ: زخم، رنج وصدمہ

گل کرنا: ختم کرنا، مارنا

تشریح:

اس شعر میں میر تقی میر کہتے ہیں کہ بہار کے موسم میں ہر جان دار موسم کی خوش گواری سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے دل کے داغوں نے بہار کے موسم میں بھی چین سے جینے نہ دیا۔ کہتے ہیں کہ بہار کے آنے سے ہر ذی روح خوش ہوتا ہے اور ہماری تڑپ اور بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے کہ موسم جتنا شاندار ہو گا محبوب کی کمی کا احساس اتنا ہی شدید ہو گا۔ یادیں بہار کے موسم کی خوش گواری کا سہارا لے کر اور بڑھ بڑھ کر حملہ کرتی ہیں۔ اتنی تکلیف تو باقی ایام میں بھی نہیں ہوتی جتنی یہ فصلِ گل تکلیف دیتی ہے۔

شعر نمبر ۶:

ہمیں شوق نے صاحبو، کھو دیا   غلاموں سے اس کے توسّل کیا

حوالہ ٔشاعر:

پیشِ نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدائے سخن اور شہنشاہِ غزل کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

عشق نے کہیں کا نہ چھوڑا۔

مشکل الفاظ:

تَوَسُّل: وسیلہ، رابطہ، سہارا

تشریح:

اس شعر میں میر تقی میر عشق کی تباہ کاریاں بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمیں عشق ایک ایسے مقام پر لے آیا جہاں ہم نے اپنی

ذات کو مٹا کر رکھ دیا۔ محبوب تک رسائی ممکن نظر نہ آئی تو ہم نے اس کے غلاموں اور نوکروں کے وسیلے سے محبوب تک پہنچنے کی کوششیں کیں۔ ہم، جو کہ اپنے رتبے سے ذرا بھی نیچے آنے کو تیار نہ ہوتے تھے، عشق نے ہمیں نوکروں کے برابر لا کر کھڑا کر دیا۔ بلکہ اس سے بھی پست کر دیا یہاں تک کہ ہم نوکروں اور غلاموں کی منت سماجت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ آدمی ہم بھی تھے کام کے

ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرؔ ان انسانوں پر طنز کر رہے ہیں جو خود خدا سے رابطہ قائم کرنے کے بجائے مختلف وسیلوں کا سہارا لیتے ہیں۔ میرؔ کی نظر میں انسان کا مقام اتنا بلند ہے کہ وہ اشرف المخلوقات اور اللہ کا نائب ہے۔ وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کر سکتا ہے اور اپنی غلطیوں پر معافی تلافی کر سکتا ہے۔ جب انسان خدا سے بلا واسطہ تعلق قائم کرنے کے بجائے دوسروں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو اپنے منصب نیابت کی توہین کرتا ہے اور پستی کا شکار ہو جاتا ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۷:

حقیقت نہ میرؔ اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تامل کیا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر میر تقی میرؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدائے سخن اور شہنشاہِ غزل کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

اپنی ذات کی پہچان مشکل ہے۔

مشکل الفاظ:

تامل: غور و فکر

تشریح:

اس شعر میں میر تقی میرؔ ان کی حقیقت بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں انسان کو اللہ تعالیٰ نے اتنا علم دیا ہے کہ وہ کائنات کی بیش تر چیزوں کے بارے میں بہت کچھ جان لیتا ہے لیکن خود اپنی معرفت اسے حاصل نہیں ہوتی۔ انسان کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ انسان کی ذات ایک معمہ جو کبھی حل نہیں ہوتا۔ انسان کو سمجھنا اگر آسان ہوتا تو زندگی بھی آسان ہو جاتی۔ زندگی کی تمام تر پیچیدگیاں انسان کی فطرت کے تضاد کا نتیجہ ہیں۔ قدیم فلسفی کہتے ہیں کہ فطرت میں جو بھنور پایا جاتا ہے۔ وہی بھنور انسان کے مزاج میں موجود ہے۔

انسان بہت ہی عجیب ہے جب خدا اسے علم سے سرفراز کرتا ہے تو یہ اس کے وجود کا انکار کر دیتا ہے۔ اور جب یہ جہالت اختیار کرتا ہے تو قوم کی بیٹیوں کا سودا بھی کر دیتا ہے۔ کبھی یہ اس قدر ایمان سے بھرپور ہوتا ہے کہ دُنیا کی کوئی طاقت اسے خرید نہیں سکتی اور کبھی اتنا سستا ہو جاتا ہے کہ چند روپوں کے عوض اپنا ضمیر بیچ دیتا ہے۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

مرزا اسد اللہ خاں غاؔلب

پیدائش ۱۷۹۷ء۔ وفات ۱۸۶۹ء

تعارفِ شاعر:

پوچھتے ہیں وہ کہ غاؔلب کون ہے — کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

نجم الدولہ، دبیر الملک، مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب ؔبہادر نظام جنگ (۱۷۹۷ء۔ ۱۸۶۹ء) اردو زبان کے سب سے بڑے شاعروں میں ایک سمجھے جاتے ہیں۔ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ انیسویں صدی غاؔلب کی صدی ہے۔ جب کہ اٹھارویں میر تقی میرؔ کی تھی اور بیسویں علامہ اقباؔل کی۔ غالبؔ کی عظمت کا راز صرف ان کی شاعری کے حسن اور بیان کی خوبی ہی میں نہیں ہے۔ ان کا اصل کمال یہ ہے کہ وہ زندگی کے حقائق اور انسانی نفسیات کو گہرائی میں جا کر سمجھتے تھے اور بڑی سادگی سے عام لوگوں کے لیے بیان کر دیتے تھے۔ غاؔلب نے اردو شاعری کو نیا موڑ دیا اور موضوعاتِ شاعری کو وسعت اور تنوع بخشا۔ آپ کے دیوان کو **ہندوستان کی الہامی کتاب** کہا گیا۔ بقول رشید احمد صدیقی:

"دورِ مغلیہ نے ہندوستان کو تین چیزیں عطا کیں - اردو زبان، تاج محل اور مرزا غاؔلب۔"

JOIN FOR MORE!!!

غزل۔ ۱

شعر نمبر ۱:

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا؟
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا؟

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مرزا غالبؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

شاعر اپنی ایذا دوستی کا اظہار کر رہے ہیں۔

مشکل الفاظ:

غم خواری: علاج، معالجہ — سعی: کوشش

فنی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]
استفہام انکاری

تشریح:

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ کا یہ شعر سادہ اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر معنویت کے لیے ہوئے ہے۔ استفہامیہ اندازِ بیان اپنا کر شعر میں اپنی تکلیف پسندی کا اظہار کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرے دکھ کے علاج معالجہ میں میرے احباب کی کوشش کامیاب

نہیں ہو سکتی۔ فرض کیا کہ انھوں نے یہ سوچتے ہوئے کہ میں اپنے زخم کو نوچ کر خراب کر دوں گا، میرے ناخن کاٹ دیے اور زخمِ دل پر مرہم لگا دیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب تک زخم بھرے گا تب تک کیا میرے ناخن دوبارہ نہ بڑھ آئیں گے اور کیا میں دوبارہ زخم کو نہیں نوچ سکوں گا؟

مطلب یہ ہے کہ ناخن بڑھ آنے پر میں اپنا زخم پھر خراب کر دوں گا اور میرے زخم کو ٹھیک کرنے کی ان کی کوششیں رائیگاں چلی جائیں گی۔ پہلے مصرع میں ''کیا'' تحقیر کے لیے ہے جبکہ دوسرے مصرعے میں استفہام انکاری ہے۔

ے
چارہ سازوں کی چارہ سازی سے درد بدنام تو نہیں ہوگا
ہاں! دوا دو مگر یہ بتلادو مجھ کو آرام تو نہیں ہوگا

شعر نمبر ۲:

بے نیازی حد سے گزری ، بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے ''کیا''؟

JOIN FOR MORE!!!

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب کی بے نیازی کا بیان۔

مشکل الفاظ:

بے نیازی: لاپرواہی — بندہ پرور: غلام پر مہربانی کرنے والا

فنی خوبی:

تجاہل عارفانہ

تشریح:

مرزا اسد اللہ خان غالب اس شعر میں بھی سوالیہ انداز اپنا کر نہایت سادہ لیکن پر اثر انداز میں محبوب کی بے رخی بیان کر رہے ہیں۔ محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ بندہ پرور! آپ کی بے نیازی بہت ہی زیادہ ہو گئی ہے۔ آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا کہ ہم اپنا حال دل سنائے جائیں گے اور آپ بار بار کہے جائیں گے کہ کیا کہا؟ کیا کہا؟ گویا کچھ سنا ہی نہیں، یعنی آپ کب تک تجاہل عارفانہ کریں گے۔

''کیا'' سے دو معانی پیدا ہوتے ہیں:

(۱) تجاہل عارفانہ یعنی جان بوجھ کر انجان بننا — (۲) طنز یعنی جو کچھ تم کہہ رہے ہو جھوٹ کہہ رہے ہو۔

شعر نمبر ۳:

حضرت ناصح گر آئیں ، دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا؟

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

مجھے نصیحت سے کوئی فائدہ نہیں۔

مشکل الفاظ:

ناصح: نصیحت کرنے والا دیدہ و دل: آنکھ اور دل

تشریح:

مرزا اسد اللہ خان غالب اس شعر میں کہتے ہیں کہ حضرت ناصح اگر مجھے نصیحت کرنے کے لیے آنا چاہتے ہیں تو بصد شوق تشریف لائیں۔ لیکن خدارا کوئی مجھے یہ تو بتادے کہ حضرت ناصح مجھے نصیحت کریں گے کیا؟ یعنی ان کی نصیحت کا مجھے کوئی فائدہ نہیں ہونے والا۔ اس لیے میرا تو مشورہ ہے کہ ان کو نصیحت کے لیے بلایا ہی نہ جائے۔

ایک دوسرا مطلب طنز اور شوخی کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ناصح صاحب آتے ہیں تو آنے دو میں آنکھیں بچھا کر ان کا استقبال کروں گا لیکن مجھے نصیحت کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ان کی ہستی ہی کیا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ انھیں آنے سے کوئی روک دے خواہ مخواہ وہ دقت کا شکار ہو جائیں گے۔ اس صورت میں "کیا"، تحقیر کے لیے ہو گا یعنی کیا خاک سمجھائیں گے۔

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۴:

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عُذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا؟

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

قاتل کے تمام عُذر ختم کر دیے ہیں۔

مشکل الفاظ:

عُذر: معذوری، مجبوری تیغ: تلوار

تشریح:

مرزا اسد اللہ خان غالب اس شعر میں کہتے ہیں کہ ہمیشہ وہ مرے قتل سے عذر کر لیتے ہیں کہ تلوار نہیں ہے۔ آج قاتل (محبوب) کے پاس جاتے ہوئے میں سر پر کفن باندھ کر اور اپنی تلوار ساتھ لے کر جا رہا ہوں تا کہ وہ کسی طور قتل سے معذرت نہ کر سکیں کہ قتل کرنے کو تلوار نہیں ہے، کفن نہیں ہے۔ کفن باندھنے سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ مجھ سے بڑھ کر اور کون سر فروش ہو سکتا ہے۔ الغرض کہ قتل کرنے میں عذر دو ہی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ وہ مجھ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ تُو موت کا طالب نہیں ہے یا مرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے، اس لیے تجھے کیا قتل کروں؟ اس کے جواب میں سر پر کفن باندھ لیا ہے۔ دوسرے کہ وہ کہے کہ میرے پاس تلوار نہیں ہے، سو آج میں تلوار بھی اپنے ساتھ لیے جاتا ہوں کہ کوئی عذر نہ کر سکیں۔

شعر نمبر ۵:

ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت اسدؔ
ہم نے مانا کہ دلی میں رہیں ، کھائیں گے کیا؟

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مرزا غالبؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

دلی اجڑ گئی ہے۔

مشکل الفاظ:

معمورہ: بستی، آبادی (مراد دلّی) غمِ الفت: غمِ عشق

JOIN FOR MORE!!!

فنی خوبی:

صفتِ تضاد، [قحط، کھانا]

تشریح:

غالبؔ اس شعر میں دلی کے اجڑنے کا ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دلی اجڑ گئی ہے، اب دلی میں رہیں تو کیسے ؟ کھائیں گے کیا؟ اور دلی کو چھوڑنا بھی اتنا آسان نہیں۔ کہتے ہیں کہ دلی میں غمِ الفت کا کال پڑ گیا ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ ہماری تو غذا ہی غمِ الفت ہے اس کے بغیر ہمیں چارہ نہیں۔ تو اب ہم دلی میں رہیں تو کھائیں گے کیا؟ ہم تو بھوکے مر جائیں گے۔ اس لیے اب ایسی جگہ چلنا چاہیے جہاں غمِ الفت کی بہتات ہو یعنی معشوق وافر مقدار میں میسر ہوں تا کہ عمر کے اس آخری حصے میں زندگی اچھی کٹ جائے۔

مطلب یہ ہے کہ جو آبادی عشق و محبت سے بے گانہ ہو چکی ہے، ہم جیسا دل دادۂ الفت شخص اس میں رہ کر کیسے گزارا کر سکتا ہے اور زندہ کیسے رہ سکے گا۔

غزل۔۲

شعر نمبر ۱:

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مرزا غالبؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

ہم سے بہتر زندگی اس پتھر کی ہے جو تیری دہلیز پر پڑا ہے۔

مشکل الفاظ:

دائم: ہمیشہ　　خاک: مٹی　　در: دروازہ

فنی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

تشریح:

مرزا اسداللہ خان غالب کا یہ شعر اپنے اندر بہت سے مفاہیم و معانی لیے ہوئے ہے۔ پرانے زمانے میں گھر کے دروازے کے آگے پتھر رکھ دیا کرتے تھے کہ اترنے چڑھنے میں تکلیف نہ ہو۔ غالؔب کہتے ہیں کہ یہ پتھر کتنا خوش نصیب ہے کہ ہمیشہ ترے دروازے پر پڑا رہتا ہے۔ ایک ہم ہیں کہ ہمیں ترے دروازے تک آنا نصیب نہیں، یعنی میرا نصیب پتھر جیسا بھی نہیں کہ ترے دروازے پر پڑا رہتا۔ ایسی زندگی پر افسوس ہے۔ کاش میں سنگِ در بن کر تیرے دروازے پر پڑا رہتا اور اور قدم بوس ہونے کی عزت ہر وقت حاصل کرتا رہتا اور اس طرح مقصدِ حیات حاصل ہو جاتا، یعنی تیرے در پر پڑے رہنا اور تیرا قرب حاصل کرنا ہی میری زندگی کا مقصد ہے۔

ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں بھی اس پتھر کی طرح ترے دروازے پر پڑا رہتا ہوں لیکن میرا مطلب پورا نہیں ہوتا۔ مطلب کے پورا نہ ہونے پر اکتا کر کہتے ہیں کہ وہ پتھر ہے اگر یوں ہی پڑا رہے تو پڑا رہے، میں کوئی پتھر نہیں ہوں کہ اس طرح ہمیشہ ترے در پر پڑا رہوں۔ یعنی تری بے رخی سے پتھر کو فرق نہیں پڑتا ہوگا، ہمیں تو فرق پڑتا ہے۔

شعر نمبر ۲:

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

زندگی کی آوارگی سے دل گھبراتا ہے۔

مشکل الفاظ:

گردش: حرکت، پھیر، دَور　　مدام: ہمیشہ، مسلسل　　ساغر: پیالہ، جام (کنایۃً شراب کا پیالہ)

فنی خوبی:

مراعاۃ النظیر: [گردش مدام، ساغر، پیالہ]

تشریح:

گردشِ مدام سے مراد "ساغر گردی" ہے یعنی شراب کے پیالے کا مختلف ہاتھوں میں گردش کرنا یا چکر لگانا۔ ساغر بزم میں ہمیشہ گردش کرتا رہتا ہے۔ غالؔب کہتے ہیں کہ میری زندگی میں بہت پریشانیاں ہیں۔ میں رات دن تیری تلاش میں آوارگی کر رہا ہوں۔ اس ہمیشہ کے سفر سے دل کیوں نہ گھبرائے؟ آخر کو انسان ہوں، پیالہ نہیں ہوں میں۔ مسلسل گردش کو پیالہ و ساغر تو برداشت کر سکتے ہیں، انسان کے لیے اسے برداشت کرنا بہت مشکل کام ہے۔ انسان حساس ہے وہ ساغر کی طرح مسلسل گردش میں نہیں رہ سکتا۔ اس پریشان زندگی سے

JOIN FOR MORE!!!

دل گھبرا گیا ہے۔

ہم کو مے خانے میں اس کی جستجو بے کار ہے
ڈھونڈ لے گا آپ ہی چل پھر کے پیمانہ ہمیں

شعر نمبر۳:

یا رب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے؟
لوحِ جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

میں کوئی اضافی شے تو نہیں، پھر زمانہ مجھے مٹانے کی کوشش میں کیوں ہے؟

JOIN FOR MORE!!!

مشکل الفاظ:

لوح: تختی حرف مکرر: دہرایا جانے والا لفظ

فنی خوبی:

صفت تشبیہ، [دنیا کو ایک تختی سے، اور اپنی ذات کو لکھے جانے والے لفظ سے تشبیہ دی گئی ہے]

تشریح:

لوح بمعنی تختی کے ہے جو لکھنے کے کام آتی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس لفظ یا حرف کو غلطی سے دو بار لکھ دیا جائے تو جو حرف دوبارہ لکھا ہوا ہو اُسے کاٹ دیا جاتا ہے یا مٹا دیا جاتا ہے۔ غالب اس شعر میں متعجب ہو کر کہتے ہیں کہ اے خدا! میں لوحِ جہاں پر حرف مکرر تو نہیں ہوں، یعنی تو نے مجھے اس دنیا میں بے کار تو پیدا نہیں کیا کہ زمانہ مجھے زائد اور اضافی شے سمجھ کر مٹا رہا ہے۔ سارا زمانہ کیوں میری جان کے درپے ہے۔

ایک نکتہ یہاں یہ سمجھنا چاہیے کہ غالب نے حرف مکرر کہا حرف غلط نہیں کہا۔ اس لیے کہ حرفِ غلط بارگاہِ الٰہی میں گستاخی کے معنی پیدا کرتا ہے۔ حرف مکرر کہنے سے یہ اعتراض کچھ دب سا گیا ہے۔

شعر نمبر۴:

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے؟
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

میں ہیرے جواہرات نہیں ہوں، پھر آپ کو مجھ سے نفرت کیوں ہے؟

مشکل الفاظ:

لعل: یاقوت، سرخ قیمتی پتھر زمرد: سبز رنگ کا قیمتی پتھر زر: سونا

گوہر: موتی، قیمتی پتھر

فنی خوبی:

رعایت لفظی، [لعل، زمرد، زر، گوہر]

تشریح:

یہ نعتیہ شعر ہے۔ غالبؔ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ مال و دولت کو عزیز نہ رکھتے تھے۔ میں بھی تو مالِ دنیا، لعل و گوہر نہیں ہوں۔ جو بھی ہوں جیسا بھی ہوں، آپ ﷺ کا امتی ہوں۔ پھر آپ مجھے کیوں عزیز نہیں رکھتے۔ کیوں مجھ پر مہربان نہیں ہوتے۔ اگر میں دنیاوی مال و متاع ہوتا تو مجھ سے آپ کی بیزاری سمجھ میں آتی، لیکن میں تو دنیا کا سامان نہیں بلکہ آپ کا امتی ہوں۔ خدارا مجھ پہ بھی نظر کرم فرمائیے۔ اسی مضمون کو زکی کیفیؔ صاحب نے یوں بیان کیا:

کیفیؔ خستہ حال پہ بھی اے شہِ بحر و بر کرم
آپ کے در کا ہے گدا ، گرچہ ہے وہ گناہ گار

ایک دوسرا مطلب بادشاہ کی مدح کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں غالبؔ بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ آپ مجھے کیوں عزیز نہیں رکھتے؟ میں لعل و زمرد تو نہیں ہوں (جن کی قدر آپ کی نگاہ میں اس لیے نہیں کہ وہ آپ کے خزانے میں بکثرت موجود ہیں) میں تو غالبؔ ہوں اور سب جانتے ہیں کہ آج زمانے میں میرا ثانی نہیں ہے۔ چنانچہ خود کہتے ہیں:

آج مجھ سا نہیں زمانے میں
شاعرِ نغز گوے خوش گفتار

شعر نمبر ۵:

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ؟
رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

شعر نمبر ۶:

کرتے ہو مجھ کو منعِ قدم بوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مرزا غالبؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

میں سورج چاند سے کمتر تو نہیں ہوں۔ ان کی طرح مجھے بھی قدم بوسی کا شرف عطا فرمائیے۔

مشکل الفاظ:

مہر: سورج ماہ: چاند دریغ: افسوس، کنجوسی

قدم بوس: پیروں کو چومنے والا

فنی خوبی:

صفتِ تلمیح، [واقعۂ معراج کی طرف اشارہ ہے]

تشریح:

یہ دونوں اشعار بھی نعتیہ ہیں۔ان میں شبِ معراج کی تلمیح ہے۔غالؔب کہتے ہیں کہ حضور! آپ میری آنکھوں پر قدم رکھنے سے کیوں دریغ کرتے ہیں اور مجھے اس عزت سے کیوں محروم رکھتے ہیں۔چاند اور سورج کی آنکھوں پر بھی تو آپ نے قدم رکھے تھے۔میرا رتبہ بہ لحاظِ روشن کلامی ان سے کم تو نہیں۔

آپ مجھے اپنے قدم چومنے سے کیوں منع فرماتے ہیں۔آسمان نے بھی تو آپ کے قدم چومے تھے۔کیا بلند خیالی اور پروازِ فکر کی رفعت کے لحاظ سے میں اس کے برابر بھی نہیں ہوں؟ غالؔب لاڈ میں آکر حضور اکرم ﷺ سے شکوہ کررہے ہیں۔حضرت رسول اللہ ﷺ کی مدح میں اپنی فضیلت اور اعزازِ نفس کو اس خوبی سے بیان کرجانا غالؔب کا خاصہ ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۷:

غالؔب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے، ”نوکر نہیں ہوں میں“

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

اپنے آپ پر طنز کررہے ہیں۔

مشکل الفاظ:

شاہ: بادشاہ　　وظیفہ خوار: وظیفہ لینے والا، مالی مدد لینے والا

فنی خوبی:

صفتِ تضاد، [شاہ، نوکر]

تشریح:

وظیفہ اس تنخواہ کو کہتے ہیں جو معاوضہ خدمت کے بغیر ملا کرتا ہے۔غالؔب خود کو مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا جب تم بڑے ناز سے کہتے تھے میں کسی کا نوکر نہیں ہوں۔دیکھو حوادثاتِ زمانہ نے تمھیں کہاں پہنچادیا کہ اب تم بھی نانِ شبینہ کے حصول کے لیے نوکری کرنے پر مجبور ہو۔بادشاہ کا وظیفہ کھارہے ہو، اب تو بادشاہ کو دعا دینا بنتا ہی ہے۔اب تم بادشاہ کے وظیفہ خوار بن گئے ہو۔اس لیے دعا گوئی تمھارا فرضِ منصبی ہے۔

دعا میں بھی شوخی اور طنز کا پہلو مضمر ہے۔دوسرے مصرعے کے الفاظ پر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ شکر کے پردے میں خدا سے شکایت کی ہے کہ کہاں میں اور کہاں یہ چند روپوں کی نوکری! اگر آبائی پنشن حسب مرضی مل جاتی تو پچاس روپے ماہوار کی نوکری کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

مومن خان مومنؔ

پیدائش ۱۸۰۰ء۔ وفات ۱۸۵۲ء

تعارفِ شاعر:

غالبؔ کے ہم عصروں میں سب سے معتبر نام حکیم مومن خان مومنؔ کا ہے جن کے کلام کا شہرہ غالبؔ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور غالب جیسے محتاط اور کسی حد تک انا پرست نے بھی انھیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ جب ان کا یہ شعر منظرِ عام پر آیا کہ

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تو غالبؔ نے کہا کہ میں اس شعر کے بدلے اپنا پورا دیوان دینے کو تیار ہوں۔ غالبؔ اور ذوقؔ کے مقابلے میں مومنؔ اس اعتبار سے پیچھے رہے کہ انھیں دونوں شعرا کی طرح کوئی نقاد میسر نہیں آیا جو تاریخی طور پر ان کی ادبی حیثیت کا ڈنکا بجاتا جو کہ غالبؔ کے لیے حالیؔ نے ''یادگارِ غالبؔ''، لکھ کر کیا اور محمد حسین آزادؔ نے ذوقؔ کی تعریف و تحسین کا ذمہ اٹھایا۔ یہ دونوں حضرات بالترتیب غالبؔ اور ذوقؔ کے شاگرد تھے۔

JOIN FOR MORE!!!

غزل۔۱

شعر نمبر ۱:

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا　　رنج، راحت فزا نہیں ہوتا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر حکیم مومن خان مومنؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو تغزّل کا شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب کی بے رخی کا بیان۔

مشکل الفاظ:

رنج: غم　　راحت فزا: سکون دینے والا

فنی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

صفتِ تضاد، [رنج، راحت]

تشریح:

مومن خان مومنؔ کہتے ہیں کہ محبوب ہم سے برا سلوک روا رکھے ہوئے ہے۔ اور اسے اپنے کیے پر ندامت بھی نہیں۔ اس کے اس برے سلوک کے سبب ہم رنج و غم میں مبتلا ہیں۔ لیکن اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا کہ اپنا رویہ ہمارے ساتھ درست کرے۔ مجھے اتنی تکلیف میں دیکھ کر بھی اسے رحم نہیں آتا۔ اگر محبوب میرے رنج سے متاثر ہو کر مجھ سے اپنا ناروا برتاؤ ختم کر دے تو میں اپنے اس رنج کا شکر گزار رہوں گا۔ کیوں کہ میرے اسی رنج نے محبوب کو اپنا رویہ بدلنے پر مجبور کیا اور مجھے راحت بخشی۔ لیکن ایسا ہوتا نہیں۔ محبوب پر تو ہماری بری حالت کارتی برابر بھی اثر نہیں ہوتا۔

شعر نمبر ۲:

ذکرِ اغیار سے ہوا معلوم حرفِ ناصح برا نہیں ہوتا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر حکیم مومن خان مومؔن کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو تغزّل کا شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب کی زبان سے کسی دوسرے کا تذکرہ عاشق کے لیے تکلیف دہ ہے۔

مشکل الفاظ:

اغیار: غیر کی جمع، پرایا ناصح: نصیحت کرنے والا

تشریح:

ناصح اس شخص کو کہتے ہیں جو ہر وقت بس نصیحت کرتا رہتا ہے۔ خود چاہے نیکی کرے نہ کرے دوسروں کو نصیحت کرنے سے نہیں چوکتا۔ مومن خان مومؔن کہتے ہیں کہ ناصح جب جب مجھے نصیحت کرتا تھا اور روک ٹوک کرتا تھا کہ یہ کام کرو، یہ کام نہ کرو، تو مجھے اس کی یہ دخل اندازی بہت بری معلوم ہوتی تھی۔ اور آج تک مجھے ایسا لگتا تھا کہ دنیا میں یہی ایک شے ہے جو مجھے سب سے زیادہ ناگوار گزرتی ہے۔ مگر آج جب ہمارے محبوب نے ہمارے سامنے رقیب کا ذکر محبت بھرے لہجے میں کیا تو ہمیں اندازہ ہوا کہ ناصح کی باتیں اتنی تکلیف نہیں دیتیں جتنا کہ محبوب کی زبان سے غیر کا تذکرہ دل کو تکلیف دیتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۳:

اس نے کیا جانے کیا کیا لے کر دل کسی کام کا نہیں ہوتا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر حکیم مومن خان مومؔن کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو تغزّل کا شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب سے دل کیا لگا، دل کسی کام کا ہی نہیں رہا۔

فنی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

تشریح:

اس شعر میں مومن خان مومؔن کہتے ہیں کہ ویسے تو ہمارا دل بڑے کام کا تھا۔ لیکن جب سے محبوب سے دل لگایا ہے دل کسی اور کام کا ہی نہیں رہا، نکما ہو گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب نے میرے دل کو اپنا بنا کر جانے کیا جادو کر دیا ہے کہ اب دل کو سوائے محبوب کے کچھ اور سوجھتا ہی نہیں۔ جب تک محبت نہیں کی تھی، محبوب سے نہ لگایا تھا، تب تک یہ دل بڑے بڑے کام کیا کرتا تھا لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا صرف محبوب سے محبت کرنے اور اس کے خیالوں میں کھوئے رہنے کے سوا دل کا اور کوئی کام ہی نہیں۔

عشق نے غالؔب نکما کر دیا
ورنہ آدمی ہم بھی تھے کام کے

شعر نمبر۴:

امتحاں کیجیے مرا جب تک
شوق زور آزما نہیں ہوتا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر حکیم مومن خان مومؔن کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو تغزّل کا شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

میری محبت ضرور رنگ لائے گی۔

مشکل الفاظ:

شوق: محبت زور آزما: طاقتور

تشریح:

محبت کی ریت ہے کہ محبوب اپنے عاشق کو طرح طرح سے آزمایش میں ڈالتا ہے۔ بہت سے تو ان آزمایشوں میں ہی ناکام ہو کر محبت کی ابتدا میں ہی محبوب کی نظر میں اپنا مقام کھو دیتے ہیں۔ اور بہت سوں کے لیے وہ آزمایشیں شوق اور امنگ کا باعث بنتی ہیں۔ وہ ہر طرح سے محبوب کے مزاج پر پورا اترتے ہیں اور محبت کا ہر امتحان پاس کر لیتے ہیں۔

اس شعر میں مومن خان مومؔن محبوب کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ ابھی معاملاتِ محبت بالکل ابتدائی مراحل میں ہے۔ ابھی ہم آپ کے دل میں گھر کرنے میں بوجہ اتم کامیاب نہیں ہوئے۔ آپ لیجیے ہمارے دل کا امتحان لیجیے۔ لیکن یہ بات ضرور یاد رکھیے کہ ایک وقت آئے گا جب آپ ہماری محبت کے جادو میں خود کو بری طرح پھنسا ہوا پائیں گے۔ میرے شوق کی کشش ایسی ہوگی کہ آپ خود کھنچے چلے آئیں گے۔ پھر کسی امتحان کی ضرورت نہ رہے گی۔

اب اسے لوگ سمجھتے ہیں گرفتار مرا
سخت نادم ہے مجھے دام میں لانے والا

شعر نمبر۵:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر حکیم مومن خان مومؔن کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو تغزّل کا شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

میری تنہائی تمھارے تصورات میں کھو کر گزرتی ہے۔

فنی خوبی:

سہل ممتنع

تشریح:

یہ شعر مومؔن کی غزل گوئی میں سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ بات جو بہت جتن کر کے بھی کماحقہٗ نہیں کہی جاتی، مومؔن نہایت آسانی کے ساتھ کہہ گئے۔ کہتے ہیں کہ جب میں دنیا کے مشاغل میں محو ہوتا ہوں تب تو مرا دل و دماغ غمِ روزگار میں کھویا ہوتا ہے۔ لیکن

جب میں اکیلا ہوتا ہوں اور مرے پاس کوئی دوسرا نہیں ہوتا تو میں تمھیں اپنے آس پاس تصور کر لیتا ہوں۔ میری کوئی تنہائی تمھاری غیر موجودگی میں نہیں گزری۔ جب جب میں تنہا ہوتا ہوں تو میرا تصور تم کو لا کر میرے پیش نظر کر دیتا ہے۔

یہ شعر اس قدر سادہ، بلیغ اور فطرت کے مطابق ہے کہ بقول مولانا حالیؔ، مرزا غالبؔ کہا کرتے تھے کہ "کاش مومنؔ خاں میرا سارا دیوان لے لیتا اور صرف یہ شعر مجھ کو دے دیتا۔"

شعر نمبر ۶:

چارۂ دل سوائے صبر نہیں سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر حکیم مومن خان مومنؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو تغزّل کا شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

تمھارے بنا صبر نہیں ملتا۔

مشکل الفاظ:

چارہ: علاج

تشریح:

شاعر کہتے ہیں کہ ہمارا ایسا نصیب کہاں کہ ہم تم کو پا سکیں۔ ہماری قسمت میں سوائے صبر کے اور کچھ بھی نہیں۔ رونا یہ ہے کہ تم نے ہمارا دامن کیا چھوڑا، صبر بھی ہمیں تنہا چھوڑ گیا۔ ہمارے دل کے مرض کا صرف ایک علاج ہے، صبر۔ ہم دل کو بہلاتے پھسلاتے ہیں کہ امید قائم رکھے۔ مگر کب تک؟ تمھاری جدائی کا غم اتنا زیادہ ہے کہ اب صبر بھی ہمیں تنہا چھوڑ گیا۔ صبر کرنا چاہتے ہیں لیکن تمھارے بنا صبر بھی آتا نہیں۔

صبر تھا ایک مونسِ ہجراں
سو وہ مدت سے اب نہیں آتا

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۷:

کیوں سنے عرضِ مضطرب مومنؔ صنم آخر خدا نہیں ہوتا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر حکیم مومن خان مومنؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو تغزّل کا شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

خدا اور صنم میں فرق، رحم کرنا ہے۔

مشکل الفاظ:

مضطرب: بے چین صنم: بت، جھوٹا خدا (کنایۃً محبوب)

تشریح:

اکثر شعرا اپنے کلام میں محبوب کو صنم یا بت سے تعبیر کرتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جس طرح پتھر کا بت جذبات اور

احساسات سے عاری ہوتا ہے اسی طرح عموماً محبوب بھی احساسِ وفا سے عاری ہوتا ہے۔ یا ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس طرح بت کو خدا نا ہونے کے باوجود پوجا جاتا ہے اسی طرح محبت میں عاشق اپنے محبوب کی پرستش کرتا ہے۔

اس مقطع میں مومن خان مومؔن بھی محبوب کو صنم سے تعبیر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مصیبت زدہ پر رحم کرنا خدا کی صفت ہے۔ محبوب کوئی خدا تھوڑی ہے کہ تمھاری حالتِ غیر کو دیکھ کر اسے تم پر رحم آجائے۔ وہ تو خدا ہی ہے جو کسی انسان کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ انسان اور خاص طور پر محبوب تو سنگ دل ہوتا ہے۔ خود خدا نے قرآن میں یہ اعلان فرمایا ہے:

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ

ترجمہ: (خدا کے سوا) بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے۔ (سورۃ النمل: ٦٢)

فراق گورکھپوری (رگھوپتی سہائے)

پیدائش ۱۸۹۶ء۔ وفات ۱۹۸۲ء

تعارفِ شاعر:

ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

JOIN FOR MORE!!!

فراؔق گورکھپوری کا اصل نام رگھوپتی سہائے تھا۔ فراؔق تخلص کرتے تھے۔ وہ ۲۸ اگست ۱۸۹۶ء میں گورکھپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گورکھ پرشاد زمیندار تھے اور گورکھپور میں وکالت کرتے تھے۔ فراؔق گورکھپوری ایک عہد ساز شاعر اور نقّاد تھے۔ ان کو اپنی انفرادیت کی بدولت اپنے زمانہ میں جو شہرت اور مقبولیت ملی وہ کم ہی شعرا کو نصیب ہوتی ہے۔ شاعری کے لحاظ سے فراؔق بیسویں صدی کی منفرد آواز تھے۔ جنسیت کو احساس و ادراک کا حصہ بنا کر محبوب کے جسمانی روابط کو غزل کا حصہ بنانا فراؔق کا خاصہ ہے۔

فراؔق کی شاعری کی ایک بڑی خوبی اور خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے عالمی تجربات کے ساتھ ساتھ تہذیبی قدروں کی عظمت اور اہمیت کو سمجھا اور انھیں شعری پیکر عطا کیا۔ فراؔق کے شعر دل پر اثر انداز ہونے کے ساتھ ساتھ دعوت فکر بھی دیتے ہیں اور ان کی یہی صفت فراؔق کو دوسرے تمام شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔

اہم تصانیف:

- گلِ نغمہ (حصہ اول کلیات)
- شبنمستاں (حصہ دوم کلیات)
- روپ (رباعیاں)
- اندازے (تحقیق و تنقید)
- حاشیے (تنقید و مضامین)

غزل۔۱

شعر نمبر ۱:

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترک محبت کا بھروسا بھی نہیں

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مشہور شاعر اور نقّاد فراقؔ گورکھپوری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

محبت کبھی جان نہیں چھوڑتی۔

فنی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

تشریح:

غزل کے مطلع میں فراقؔ کہتے ہیں محبت میں اتنے زخم کھائے ہیں اور اتنی ناکامیاں دیکھی ہیں کہ اب سر سے عشق کا بھوت اتر گیا ہے۔ دل میں عزمِ جزم کر لیا ہے کہ دامن کو محبت سے اور نظروں کو نازنینوں سے بچا کر رکھیں گے۔ دل میں اب عشق کی چاہ بھی نہیں۔ عشق کرنے کی آرزو ہی دم توڑ گئی ہے۔ محبوب کی کج ادائی نے اتنا مایوس کر دیا ہے اب عشق سے کنارہ کش ہونا ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن عشق کے معاملات ایسے ہیں ان پر زور نہیں چلتا۔ ابھی تو میری یہ کیفیت ہے، لیکن یہ کیفیت کب تک قائم رہے گی کچھ نہیں معلوم۔

JOIN FOR MORE!!!

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

شعر نمبر ۲:

مہربانی کو محبت نہیں کہتے ، اے دوست! آہ! اب مجھ سے تری رنجش بے وجہ بھی نہیں

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مشہور شاعر اور نقّاد فراقؔ گورکھپوری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

مہربانی اور محبت دو الگ الگ جذبے ہیں۔

تشریح:

کسی کی حالت زار پر رحم کر کے اس پہ کچھ مہربانی کر دینا الگ بات اور محبت دوسری بات۔ شاعر اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے محبوب! میری قابلِ رحم حالت پر تم نے جو مہربانی کر رکھی ہے، میں جانتا ہوں کہ وہ محبت نہیں صرف مروت ہے۔ مجھے تو تمھارا وہ مجھ سے بے وجہ ناراض رہنا گوارا تھا مگر افسوس کہ اب وہ تمھارا بے جا غصہ بھی ہم پہ باقی نہیں رہا ہے۔ گو یا رحم محبت کی علامت نہیں بلکہ غصہ، شکاتیں وغیرہ محبت میں جائز ہیں۔

مدتوں بعد اس نے آج مجھ سے کوئی گلہ کیا
منصب دلبری پہ کیا مجھ کو بحال کر دیا

شعر نمبر ۳:

ایک مدت سے تیری یاد بھی آئی نہ ہمیں اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ، ایسا بھی نہیں

حوالہ ٔشاعر:

پیشِ نظر شعر مشہور شاعر اور نقّاد فراؔق گور کھ پوری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب دور رہ کر بھی پاس ہے۔

تشریح:

یہ شعر ان اشعار میں سے ہے جو فراؔق گور کھ پوری کی شناخت بنے۔ شاعر محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ ایک زمانے سے تمھاری چاہ ہمارے دل میں پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ تمہاری یاد تک ہمارے دل میں نہیں آئی مگر اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ ہم تمہیں بھول گئے ہوں۔ ہم اب بھی بالکل اسی طرح تمھیں چاہتے ہیں۔

ے نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

شعر نمبر ۴:

JOIN
FOR
MORE!!!

بات یہ ہے کہ سکونِ دلِ وحشی کا مقام کنجِ زنداں بھی نہیں وسعتِ صحرا بھی نہیں

حوالہ ٔشاعر:

پیشِ نظر شعر مشہور شاعر اور نقّاد فراؔق گور کھ پوری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب کے چلے جانے سے دل کو کہیں بھی سکون نہیں ملتا۔

مشکل الفاظ:

وحشی: اجنبی، غیر مانوس، تنہا — کنج: گوشہ، کونا

زنداں: جیل، قید خانہ — صحرا: ریگستان

تشریح:

وَحشی کے لفظی معنی ہیں غیر مانوس۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وحشی کسی درندہ صفت کو کہتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دراصل وحشی اسے کہتے ہیں جو تنہائی پسند ہو، جو کسی سے مانوس نہ ہو۔ جنگلی جانور کو بھی اسی لیے وحشی کہا جاتا ہے کہ وہ مانوس نہیں ہوتا۔ قریب جانے پر یا تو وہ خود دور بھاگتا ہے یا قریب جانے والے کو بھگاتا ہے۔

اس شعر میں فراؔق کہتے ہیں کہ محبت میں محبوب کی جدائی عاشق کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ کائنات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہتا جہاں اس دلِ وحشی کو سکون میسر آئے۔ کہتے ہیں کہ محبوب کے چلے جانے سے دنیا ہی ویران ہو جاتی ہے۔ پھر کہیں دل نہیں لگتا، چاہے قید خانے جیسا کوئی تنگ و مختصر مقام ہو یا صحرا جیسی وسیع و فراخ جگہ۔

ے کون و مکاں سے ہے دلِ وحشی کنارہ گیر
اس خانماں خراب نے ڈھونڈا ہے گھر کہاں؟

شعر نمبر ۵:

آہ! یہ مجمعِ احباب، یہ بزمِ خاموش   آج محفل میں فراؔق سخن آرا بھی نہیں

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مشہور شاعر اور نقّاد فراؔق گورکھپوری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

محفل میں رونق میرے دم سے تھی۔

فنی خوبی:

صنعتِ تعلّی

تشریح:

غزل کے مقطع میں شاعر نے خود ستائی سے کام لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ افسوس! یہ دوستوں کا مجمع اور محفل میں چھائی یہ خاموشی اس لیے ہے کہ محفل کو گل و گلزار بنانے والا اور سخن کو سنوارنے والا فراؔق آج محفل میں موجود نہیں ہے۔ گویا بزم شعر و سخن اسی کے دم سے تھی۔ وہ نہیں رہا تو اس بزم پر خاموشی طاری ہو گئی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

ؔ تھی گرمیِ بازارِ محبت مرے دم تک

زمانے نے مجھے کھو کے بہت ہاتھ ملے ہیں

جگرؔ مرادآبادی (علی سکندر)

پیدائش ۱۸۹۰ء۔ وفات ۱۹۶۰ء

تعارفِ شاعر:

ؔ یہ عشق نہیں آساں اتنا ہی سمجھ لیجیے

اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

جگرؔ مرادآبادی کا اصلی نام شیخ محمد علی سکندر تھا اور وہ ۱۸۹۰ء میں مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ جگرؔ کو شاعری ورثہ میں ملی تھی، ان کے والد مولوی علی نظر اور چچا مولوی علی ظفر دونوں شاعر تھے اور شہر کے باعزت لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ جگرؔ مرادآبادی کو اپنے عہد میں جو شہرت اور مقبولیت ملی اس کی کوئی مثال ملنی مشکل ہے۔ ان کی یہ مقبولیت ان کی رنگا رنگ شخصیت، رنگ تغزّل اور نغمہ و ترنم کی بدولت تھی جب ان کی شاعری ارتقائی منازل طے کر کے منظر عام پر آئی تو سارے ملک کی شاعری کا رنگ ہی بدل گیا۔ ان کے ہم عصروں میں یا بعد میں بھی کوئی ان کے رنگ کو نہیں پا سکا۔

جگرؔ ایسے شاعر ہیں جن کی غزل قدیم تغزّل اور بیسویں صدی کے وسط و اواخر کی رنگین نگاری کا خوبصورت امتزاج ہے۔ جگرؔ شاعری میں اخلاقیات کا درس نہیں دیتے لیکن ان کی شاعری کا اخلاقی معیار بہت بلند ہے۔ انھوں نے تغزل کو معراج کمال تک پہنچا دیا اور یہی ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

اہم تصانیف:

داغِ جگر (شعری مجموعہ) شعلۂ طور (شعری مجموعہ) آتشِ گل (شعری مجموعہ)
یادگارِ جگر (شعری مجموعہ) کلیات جگر

غزل۔۱

شعر نمبر ۱:

دنیا کے ستم یاد ، نہ اپنی ہی وفا یاد اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبت کے سوا یاد

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مشہور شاعر جگرؔ مراد آبادی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو رئیس المتغزلین کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبت میں کچھ بھی یاد نہیں۔

فنی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

تشریح:

محبت کرنے والے بھی عجیب ہوتے ہیں کہ وہ محبت کے سفر میں آنے والی مشکلات کی فکر تک نہیں کرتے۔ نتائج سے بے پرواہ ہو کر بس اپنے حصے کی کا کام کیے جاتے ہیں۔ یہی بات اس مطلع میں جگرؔ مراد آبادی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ محبت کرنے والوں کو دنیا آڑے ہاتھوں لیتی ہے۔ ظالم سماج طرح طرح کے ظلم و ستم کرتا ہے۔ لیکن ہم محبت میں اتنے محو اور مگن ہیں کہ تمام مظالم کو سہتے جاتے ہیں اور بھول کر آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ ہمیں یہ غم بھی نہیں ہے کہ دنیا اس محبت کی وجہ سے ہم پر ظلم کر رہی ہے۔ محبوب ہماری وفا کا بدلہ کمالِ بے وفائی سے دے رہا ہے۔ ہمیں اگر کچھ یاد ہے تو صرف اپنی محبت۔

میں بھی بہت عجیب ہوں اتنا عجیب ہوں کہ بس
خود کو تباہ کرلیا اور ملال بھی نہیں

وفا کو یاد نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں یہ بات بالکل بھی تکلیف نہیں دیتی کہ ہماری وفا کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ انتہائی وفا کے بدلے حد درجہ بے اعتنائی مل رہی ہے۔ پھر بھی ہم پہ بس یہ دھن سوار ہے کہ ہم محبت کیے جائیں۔ دنیا کا ردِ عمل کیا ہے، اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ محبوب کا کیا ردِ عمل ہے، اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔ ہم تو بس محبت کیے جا رہے ہیں۔

اک طرزِ تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

شعر نمبر ۲:

میں شکوہ بہ لب تھا، مجھے یہ بھی نہ رہا یاد شاید کہ مرے بھولنے والے نے کیا یاد

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مشہور شاعر جگرؔ مراد آبادی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو رئیس المتغزلین کہا جاتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

مرکزی خیال:

محبوب کی یاد اسی کو ستاتی ہے جسے محبوب یاد کرتا ہے۔

تشریح:

محبت کا دستور ہے کہ کسی کو بار بار یاد کیا جائے تو وہ بھی یاد کرنے لگتا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ مجھے یہ شکوہ تھا کہ محبوب کی یادیں میری جان کیوں نہیں چھوڑتیں۔ مجھے یہ بھی احساس نہ رہا کہ یہ یادیں اس بات کا عندیہ ہیں کہ محبوب کو بھی ہماری یاد ستا رہی ہے۔

شعر کو عشقِ حقیقی اور مجازی دونوں پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ عشقِ مجازی محمول کیا جائے تو مطلب ہوگا کہ جب انسان محبوب کی طرف سے احساسات مجروح ہونے پر زبان سے اظہارِ شکایت ہوتا ہے تو اس شکایت میں بھی محبوب ہی شامل ہوتا ہے اور یہی خیال ستاتا ہے کہ بار بار اس کا یاد آنا اس بات کی علامت تو نہیں کہ اس نے بھی ہمیں یاد کیا ہو۔

عشق حقیقی کی رو سے دیکھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ انسان احساسِ محرومی میں رب سے شکوہ کرتا ہے لیکن وہ رب تعالیٰ اپنی مخلوق کو ہر وقت یاد رکھتا ہے۔ انسان زندگی کی رنگینیوں میں کھو کر اسے بھول جاتا ہے لیکن اللہ اسے ہر لحظہ یاد رکھتا ہے۔

محبت دونوں عالم میں یہی جاکر پکار آئی
جسے خود یار نے چاہا اسی کو یادِ یار آئی

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۳:

کیا جانیے ، کیا ہوگیا اربابِ جنوں کو　　　مرنے کی ادا یاد نہ جینے کی ادا یاد

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر مشہور شاعر جگرؔ مرادآبادی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو رئیس المتغزلین کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

اربابِ عشق زندگی و موت کی پرواہ نہیں کرتے۔

مشکل الفاظ:

اربابِ جنوں: عشق کرنے والے

فنی خوبی:

⇦ صفتِ تضاد، [جینا، مرنا]　　　⇦ صنعتِ تکرار، [یاد، یاد]

تشریح:

اس شعر میں جگرؔ کہتے ہیں کہ محبت انسان کو دلیر اور بہادر بنا دیتی ہے۔ عشق کرنے والے نتائج کی فکر ہرگز نہیں کرتے۔ نہ انھیں جینے کی فکر ہوتی ہے نہ مرنے کی۔ محبت میں انسان کو نہ صبح کی خبر ہوتی ہے نہ شام کی۔ اپنی فکر ہوتی ہے نہ کسی اور کی۔ کب دن نکلا کب رات ہوئی کچھ یاد نہیں رہتا۔ کھانا کھایا، نہیں کھایا، آرام کیا، نہیں کیا، اسے کچھ خبر نہیں ہوتی۔ عاشق تو بس عشق کرتا ہے۔

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

شعر نمبر۴:

میں ترک رہ و رسمِ جنوں کر ہی چکا تھا — کیوں آگئی ایسے میں تری لغزشِ پا یاد؟

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر مشہور شاعر جگرؔ مراد آبادی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو رئیس المتغزلین کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

میں نے محبت ترک کر دی تھی مگر تیری آہٹ کے خیال نے پھر مبتلا کر دیا۔

مشکل الفاظ:

جنوں: پاگل پن، (کنایۃً عشق) — لغزشِ پا: پاوں کی آہٹ

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ محبت ایک بار ہو گئی تو وہ تاحیات جان نہیں چھوڑتی۔ کسی نہ کسی بہانے، بات بے بات قصہ ماضی کو یاد کر کے انسان خود کو اذیت دیتا ہے۔ دورانِ سفر اگر کوئی مسافر ساتھ چھوڑ جائے تو انسان بڑی مشکل سے ان خیالات کے ہجوم سے خود کو بچا پاتا ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ عشق کے معاملات سے جان چھڑا کر کسی طرح راہِ فرار اختیار کرے اور سکون و اطمینان سے زندگی گزارے۔ لیکن ایسا ہوتا کہاں ہے!!

JOIN FOR MORE!!!

شاعر کہتے ہیں کہ میں عشق میں ملنے والی تکالیف اور مسائل کے سبب میں عشق سے تنگ آ چکا تھا۔ اور اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح عشق سے کنارہ کشی اختیار کی جائے کہ اچانک تیرے قدموں کی آہٹ کا خیال آیا۔ یہ خیال اتنا حسین تھا کہ مجھے اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔ بقول جونؔ ایلیا:

ترکِ عشق کر لیا تھا میں نے عہدِ
تم نے پھر باہیں گلے میں ڈال دیں

شعر نمبر۵:

کیا لطف میں اپنا پتا آپ بتاؤں — کیجیے کوئی بھولی ہوئی خاص اپنی ادا یاد

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر مشہور شاعر جگرؔ مراد آبادی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو رئیس المتغزلین کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

میرے در و دیوار تو آپ کو یاد ہی ہوں گے۔

تشریح:

اس انجمن میں آپ کو آنا ہے بار بار — دیوار و در کو غور سے پہچان لیجیے

اس شعر میں جگرؔ کہتے ہیں کہ اس بات کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں کہ میں خود اپنا پتا آپ کو بتاؤں۔ اگرچہ کہ ہم کو بچھڑے زمانہ ہوا لیکن وہ مقام جہاں ہم ملا کرتے تھے وہ تو آپ کو یاد ہی ہو گا۔ وہ در و دیوار جنھوں نے آپ کی اداؤں کو آج بھی محفوظ کر رکھا ہے۔ اگر یاد نہیں ہے تو ذرا ماضی کے جھروکوں میں جھانکیے۔ اپنے ذہن پر زور ڈالیے۔ اپنی کوئی بھولی ہوئی ادا یاد کیجیے، اپنے ناز و انداز کو یاد کیجیے، مقام خود بخود آپ کو یاد آجائے گا۔ بس وہی میرا مقام ہے۔

چوری چوری ہم سے تم آکر ملے تھے جس جگہ
مدتیں گزریں پر اب تک وہ ٹھکانا یاد ہے

ناؔصر کاظمی

پیدائش ۱۹۲۵ء۔وفات ۱۹۷۲ء

تعارفِ شاعر:

ناؔصر کاظمی ۸ دسمبر ۱۹۲۵ء کو انبالہ میں پیدا ہوئے۔ان کا اصلی نام سید ناصر رضا کاظمی تھا۔ان کے والد سید محمد سلطان کاظمی فوج میں صوبیدار اور والدہ اسکول ٹیچر تھیں۔ناؔصر نے کم عمری میں ہی شاعری شروع کر دی تھی۔شاعری میں ان کے ابتدائی ماڈل میر تقی میرؔ اور اخترؔ شیرانی تھے۔

ناؔصر کاظمی کی شخصیت اور شاعری دونوں میں ایک عجیب طرح کی سحر انگیزی پائی جاتی ہے۔اپنی روایتی لفظیات کے باوجود انھوں نے غزل کی اپنی طرزِ ادا کی برجستگی اور ندرت سے سنوارا۔ان کی تمام شاعری ایک حیرت کدہ ہے جس میں داخل ہونے والا دیر تک اس کے سحر میں کھویا رہتا ہے۔وہ ایک اچھے شاعر ہونے کے ساتھ صاحبِ طرز نثر نگار بھی تھے۔

اہم تصانیف:

برگِ نے (شعری مجموعہ) دیوان (شعری مجموعہ) پہلی بارش (شعری مجموعہ)
خوابِ نشاط (نظموں کا مجموعہ) سُر کی چھایا (منظوم ڈراما)

JOIN FOR MORE!!!

غزل۔۱

شعر نمبر ۱:

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تری یاد تھی ، اب یاد آیا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر ناؔصر کاظمی کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ کو ''میرِ جدید'' اور ''ثانیٔ میر'' کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب کی یاد وجہِ زندگی ہے۔

فنی خوبی:

مطلع،[غزل کا پہلا شعر]

تشریح:

اس شعر کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ایک تو یہ کہ ایک زمانہ تھا جب ہم میں تم قرار تھا۔ہمارے سب سے قریب تم تھے۔تم ہی

ہمارے جینے کی وجہ تھے۔ ہم نے تمھیں رشتۂ جان بنایا ہوا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ ہم دونوں کے درمیان فاصلے پیدا ہو گئے۔ ہمیں آج بھی یاد ہے کہ ہمارا دل تمھارے ہی نام سے دھڑکتا تھا۔

رشتۂ جاں تھا کبھی جن کا خیال ان کی صورت بھی تو اب یاد نہیں

دوسرا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے ہمیں تم سے بچھڑے زمانہ بیت چکا ہے لیکن آج بھی اگر تمھارا خیال آ جائے، تمھاری یاد آ جائے یا کہیں تمھارا ذکر چھڑ جائے تو ہمارا دل زور زور سے دھڑکنا شروع کر دیتا ہے۔ اور اس کیفیت سے باہر نکلنے میں کافی وقت لگتا ہے۔

شعر نمبر۲:

آج مشکل تھا سنبھلنا اے دوست! تُو مصیبت میں عجب یاد آیا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر ناصر کاظمی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو "میرِ جدید" اور "ثانیِ میر" کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

یادِ ماضی عذاب ہے یارب!

JOIN FOR MORE!!!

تشریح:

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ جب دو محبت کرنے والے بچھڑتے ہیں کہ وہ لمحہ نہایت دردانگیز ہوتا ہے۔ لیکن وقت بڑا مرہم ہے، وقت کے ساتھ ساتھ وہ اپنی زندگی میں مگن ہو جاتے ہیں اور بظاہر سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ دل سمجھوتا کر لیتا ہے، سنبھل جاتا ہے۔ لیکن اگر محبوب کی کوئی ادا یا کوئی بات برسوں بعد بھی یاد آ جائے تو وہ سارا سمجھوتا اور سکون غارت ہو جاتا ہے۔

شاعر کہتے ہیں کہ ہم تم سے بچھڑ کر ساری تکلیفوں کے مراحل طے کر کے اپنی زندگی میں سنبھل چکے تھے کہ اچانک آج پھر بڑی مدت کے بعد تمھاری یاد نے آ کر وہ سارے جتن غارت کر دیے جو ہم نے تمھیں بھلانے کے لیے کیے تھے۔

شعر نمبر۳:

پھر کئی لوگ نظر سے گزرے پھر کوئی شہرِ طرب یاد آیا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر ناصر کاظمی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو "میرِ جدید" اور "ثانیِ میر" کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

دل ماضی کے جھروکوں میں جھانکتا ہے۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ دل ماضی کے جھروکوں میں جھانکتا ہے۔ ایک وقت تھا جب ہمارے ارد گرد بھی لوگوں کا ہجوم تھا۔ چہل پہل تھی۔ رونقِ محفل تھی۔ اب سب ختم ہو چکا اور ہم تنہا رہ گئے۔ ہمارے سب دوست ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ ہمارا دل چشمِ تصور سے ماضی کے مناظر کو دیکھتا ہے۔ کئی لوگ نظر سے گزرتے ہیں جو ماضی میں ہمارے ساتھ تھے مگر آج ساتھ نہیں۔ ہماری بزم کسی شہرِ طرب کی طرح چہکتی مہکتی تھی، پر وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔ کل سب کچھ تھا، آج کچھ بھی نہیں۔ زندگی اسی کا نام ہے۔

شعر نمبر ۴:

حالِ دل ہم بھی سناتے لیکن
جب وہ رخصت ہوا تب یاد آیا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر ناؔصر کاظمی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو ''میرِ جدید'' اور ''ثانیٔ میر'' کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب کے آتے ہی ہوش و خرد سب گم ہو جاتے ہیں۔ اس کے جانے کے بعد ہوش آتا ہے۔

تشریح:

معاملات عشق میں ہر عاشق کی یہ کمزوری ہوتی ہے کہ جب محبوب سامنے نہ ہو تو وہ محبوب سے طرح طرح کی باتیں کرنے کی منصوبہ بندیاں کرتا ہے۔ محبوب کی بے اعتنائیوں کے شکوے شکایتیں تیار کرتا ہے۔ نت نئے طریقوں سے اظہارِ محبت کے طریقے سوچتا ہے۔ لیکن محبوب کے سامنے آتے ہیں گویا اس کی قوتِ گویائی سلب ہو جاتی ہے۔ وہ محبوب کے جلووں میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ جو باتیں سوچی تھیں، جتنے دعوے اور شکوے سوچ رکھے تھے وہ سب بھول جاتا ہے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر محبوب کے دیدار میں کھو سا جاتا ہے۔

شاعر کہتے ہیں کہ اس کو اپنے دل کا حال میں نے بھی سنانا تھا۔ لیکن اس کی موجودگی میں سوائے اس کو تکنے کے کوئی خیال دل میں نہ آیا۔ جو جو باتیں اس سے کرنی تھی وہ اس کے سامنے تو یاد نہ آئیں، ہاں! اس کے جانے کے بعد جب ہم ہوش میں آئے تو یاد آیا کہ اس سے کیا کیا باتیں کرنی تھیں۔

حیرت کا نقش بن گئے ہم ان کو دیکھ کر
شکوہ کہاں کا؟ کیسی شکایت؟ کہاں کی بات

شعر نمبر ۵:

بیٹھ کر سایۂ گل میں ناؔصر
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر ناؔصر کاظمی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو ''میرِ جدید'' اور ''ثانیٔ میر'' کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب کی یاد رلاتی ہے۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ محبوب کی جدائی، محبت کے سفر کے تکلیف دہ مراحل میں سے ایک ہے۔ فراقِ یار کی تکلیف ناقابل برداشت ہے۔ جب محبوب پاس نہ ہو تو اس کی ایک ایک ادا، ہر ہر بات بہت یاد آتی ہے۔ انسان کو اپنی بے بسی کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہی درخت جس کے سائے میں ہم اس سے ملاقات کیا کرتے، آج جب وہاں سے گزر ہوا تو اس کی شدت سے یاد آئی۔ اتنی شدت سے یاد آئی کہ ہم اسی درخت کے سائے میں بیٹھ کر بہت دیر روتے رہے۔

ہم تو سمجھے تھے کہ ہم بھول گئے ہیں ان کو
کیا ہوا آج، یہ کس بات پہ رونا آیا

JOIN FOR MORE!!!

جونؔ ایلیا (سید حسین جون اصغر)

پیدائش ۱۹۳۱ء۔ وفات ۲۰۰۲ء

تعارفِ شاعر:

جون ایلیا کا پورا نام سید حسین جون اصغر تھا۔ اتر پردیش کے شہر امروہہ میں ایک علمی گھرانے میں ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید شفیق حسن ایلیا ایک تنگ دست شاعر اور عالم تھے۔ پاکستان کے نامور صحافی اور شاعر رئیس امروہوی اور ماہر نفسیات محمد تقی آپ کے بھائی تھے۔

جونؔ سادہ، لیکن تیکھی تراشی اور چمکائی ہوئی زبان میں نہایت گہری اور شور انگیز باتیں کہنے والے شاعر، ادیب، صحافی اور مفکر تھے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں عشق کی نئی جہات کا سراغ لگایا۔ وہ باغی، انقلابی اور روایت شکن تھے لیکن ان کی شاعری کا لہجہ اس قدر نرم، مہذب اور غنائی ہے کہ ان کے اشعار میر تقی میرؔ کے نشتروں کی طرح سیدھے دل میں اتر جاتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی کے بقول:

"جونؔ ایلیا اپنے معاصرین سے نہایت درجہ مختلف اور منفرد شاعر ہیں۔"

JOIN FOR MORE!!!

اہم تصانیف:

جونؔ ایلیا کے پانچ شعری مجموعے ہیں:

۱۔ شاید ۲۔ لیکن ۳۔ گمان ۴۔ یعنی ۵۔ گویا

غزل۔۱

شعر نمبر ۱:

کس سے اظہارِ مدعا کیجے
آپ ملتے نہیں ہیں ، کیا کیجے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر جونؔ ایلیا کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب سے دور رہنے کا شکوہ۔

فنی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

تشریح:

اس شعر میں شاعر محبوب سے شکوہ کر رہے ہیں کہ ہم بھی چاہتے ہیں کہ کوئی ہمارے دل کی بات سنے۔ ہمارے جذبات اور احساسات کو سمجھے، لیکن ہمارے پاس ایسا کوئی ہے ہی نہیں جس سے ہم دل کی بات کر سکیں۔ ایک آپ ہمارے ہیں تو آپ ہم سے اتنا دور دور رہتے ہیں کہ آپ سے بات کرنا تو محال، آپ سے ملنا تک نصیب نہیں ہوتا۔

شعر نمبر۲:

ہو نہ پایا یہ فیصلہ اب تک آپ کیا کیجے تو کیا کیجے

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر جونؔ ایلیا کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

ذہنی کشمکش کا بیان۔

فنی خوبی:

صفتِ تکرار

تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنے ذہن کی کشمکش بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آج تک میں فیصلہ نہیں کر پایا کہ آخر میں کروں تو کیا کروں۔ دل و دماغ عجیب الجھن کا شکار ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جب انسان صرف سوچتا ہی رہے تو پھر وہ فیصلہ نہیں کر پاتا۔ سستی کے مارے بس ہاتھ پہ ہاتھ دھرے انتظار کرتا ہے۔ شاعر اس شخص پر طنز کر رہے ہیں کہ صرف سوچنے سے منزل نہیں ملے گی اس کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا، کوئی فیصلہ کر کے عملی اقدامات کرنے ہوں گے، ورنہ تو یہ فیصلہ ہی نہ ہو پائے گا اور تم ایسے ہی بیٹھے رہو گے۔

سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر۳:

آپ تھے جس کے چارہ گر وہ جواں سخت بیمار ہے دعا کیجے

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر جونؔ ایلیا کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

دلی کیفیات کا بیان۔

فنی خوبی:

مراعاۃ النظیر، [بیمار، چارہ گر، دعا]

تشریح:

اس شعر میں شاعر محبوب سے مخاطب ہیں ہو کر کہتے ہیں کہ میرے سارے غموں اور دکھوں کی دوا ایک آپ کے پاس ہے۔ میری بیماریوں کا علاج کسی طبیب کے پاس نہیں۔ ایک وقت تھا جب مجھے آپ کی نظر کرم حاصل تھی۔ آپ کی نظر میرے لیے دوا کا کام کرتی تھی۔ اب مدت ہوئی آپ نے نظریں پھیر لی ہیں جس کی وجہ سے میری بیماری بہت بڑھ گئی ہے۔ کچھ نہیں تو آپ میرے حق میں دعا ہی کر دیجیے۔

شعر نمبر ۴:

زندگی کا عجب معاملہ ہے ایک لمحے میں فیصلہ کیجے

حوالۂ شاعر:

زندگی کی حقیقت کا بیان۔

مرکزی خیال:

زندگی میں سخت فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ زندگی بہت عجیب ہے۔ فیصلہ کرنے کی مہلت نہیں دیتی۔ بعض اوقات بہت مختصر وقت میں بڑے بڑے فیصلے کرنے پڑ جاتے ہیں۔

ے بس لمحے بھر میں فیصلہ کرنا پڑا مجھے
سب چھوڑ چھاڑ گھر سے نکلنا پڑا مجھے

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۵:

مجھ کو عادت ہے روٹھ جانے کی آپ مجھ کو منا لیا کیجے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر جونؔ ایلیا کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

خود پسندی کا بیان۔

فنی خوبی:

صفتِ تضاد، [روٹھنا، منانا]

تشریح:

اس شعر میں شاعر نے ناز کی ادا اختیار کی ہے۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ ناراض ہونے اور روٹھنے کا معاملہ محبوب کی طرف سے ہوتا ہے۔ عاشق تو محبت میں اپنا تن من دھن سب وار دیتا ہے۔ لیکن یہاں جونؔ نے بالکل الٹی روش اختیار کی ہے۔ محبوب سے کہتے ہیں کہ مجھے روٹھنے کی عادت ہے آپ مجھے منا لیا کیجیے۔ یعنی ہمارا محبت کا رشتہ ذرا روایتی انداز سے مختلف ہوگا یہاں روٹھنے کا کردار میرا اور منانے کا آپ کا ہوگا۔

ے کچھ تو میرے پندارِ محبت کا بھرم رکھ
تُو بھی تو کبھی مجھ کو منانے کے لیے آ

فاطمہ حسن

پیدائش ۱۹۵۳ء

تعارفِ شاعر:

فاطمہ حسن کا پورا نام سیدہ انیس فاطمہ، تخلص فاطمہ ہے۔ ۲۵ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ فاطمہ حسن کی پاکیزہ شاعری اس کی تنہائی سے نکل کر محبت کی فضائوں میں گونجتی ہے۔ فاطمہ نے نظمیں، نثری نظمیں اور غزلیں، مختصر نظمیں اور ہائیکو بھی لکھی ہیں۔ فاطمہ کا اپنا منفرد اور معصوم لہجہ ہے۔ فاطمہ نے غزلوں اور پابند نظموں کے اجتماعی آرٹ میں بھی اپنی انفرادیت کا اظہار کیا ہے۔ فاطمہ حسن شاعری کے علاوہ افسانے بھی لکھتی ہیں۔ ماہ نامہ ''اظہار'' کی نائب مدیرہ رہ چکی ہیں۔

اہم تصانیف:

بہتے ہوئے پھول (شعری مجموعہ)
یادیں بھی اب خواب ہوئیں (شعری مجموعہ)
دستک سے در کا فاصلہ (شعری مجموعہ)
کہانیاں گم ہو جاتی ہیں (افسانے)
یاد کی بارشیں
کتابِ دوستاں (تحقیق و تنقید)

JOIN FOR MORE!!!

غزل۔۱

شعر نمبر۱:

زمیں سے رشتۂ دیوار و در بھی رکھنا ہے
سنوارنے کے لیے اپنا گھر بھی رکھنا ہے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر فاطمہ حسن کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دینی ہے۔

فنی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

تشریح:

ہر انسان کے ذاتی مفادات بھی اہم ہیں لیکن ترجیح ہمیشہ قومی مفادات کو دینی چاہیے۔ کوئی بھی معاشرہ یا ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک اس کے شہری اپنی ذات سے ہٹ کر نہ سوچیں، اور قومی و اجتماعی مفادات کو ذاتی مفادات پر مقدم نہ رکھیں۔

اس شعر میں شاعرہ یہ درس دینا چاہ رہی ہیں کہ معاشرے کے ہر فرد کو، خواہ اس کا تعلق کسی بھی طبقے اور شعبے سے ہو، اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا ہو گا اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر ملکی ترقی و خوشحالی کے لیے کام کرنا ہو گا، تاکہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل پائے جہاں

کسی کی جان، مال اور عزت کو کسی دوسرے سے کوئی خطرہ نہ ہو۔

در و دیوار سے چاہے تو رشتہ بنا کے رکھ
لیکن برا نہ مانے تو دستک بچا کے رکھ

شعر نمبر۲:

ہوا سے، آگ سے، پانی سے متصل رہ کر
انھی سے اپنی تباہی کا ڈر بھی رکھنا ہے

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر فاطمہ حسن کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

وسائل کے بہتر استعمال کی تلقین۔

تشریح:

اس شعر میں شاعرہ کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی زندگی بہتر اور آسان بنانے کے لیے بہت سے قدرتی وسائل عطا فرمائے ہیں۔ یہ تمام وسائل جہاں انسان کے لیے فائدہ مند ہیں وہیں ان کے منفی اثرات بھی ہیں۔ کامیاب قومی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ وسائل کا بہتر سے بہتر استعمال کیا جائے۔ وسائل کے مثبت پہلوؤں کو بروئے کار لانا ہے اور ان کے منفی اثرات، جو تباہیوں کا باعث بن سکتے ہیں قدم بہ قدم ان کی احتیاط بھی کرنی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر۳:

ہماری نسل سنورتی ہے دیکھ کر ہم کو
سو اپنے آپ کو شفاف تر بھی رکھنا ہے

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر فاطمہ حسن کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

قوم کے بزرگ نوعمروں کے لیے نمونہ ہیں۔

تشریح:

اس شعر میں شاعرہ کہتی ہیں کہ کسی بھی قوم کے بزرگ اپنی نسل کے لیے مشعلِ راہ ہوا کرتے ہیں۔ قوم کے نوعمر زندگی کے ہر موڑ پر اپنے بزرگوں کے عملی اقدامات کی پیروی کرتے ہیں۔ شاعرہ کہتی ہیں کہ ہم قوم کے بزرگوں کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔ ہمیں اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ ہماری نسل ہر قدم پر ہماری اتباع کرتی ہے۔ ہمیں کوئی بھی ایسا کام نہ کرنا چاہیے جس سے ہمارے منصبِ عالی کو قدغن لگے۔

شعر نمبر۴:

ہوا کے رخ کو بدلنا اگر نہیں ممکن
ہوا کی زد پر سفر کا ہنر بھی رکھنا ہے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر فاطمہ حسن کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

مصائب و آلام کا مقابلہ کرنا ہے۔

مشکل الفاظ:

ہوا کا رخ بدلنا: حالات بدلنا (محاورہ)	ہوا کی زد: ہوا کے مقابل/مخالف

تشریح:

اس شعر میں شاعرہ کہتی ہیں کہ زندگی میں ہمیشہ حالات سازگار نہیں رہتے۔ مشکلات سے مقابلے کا سب سے بہترین اور اولین طریقہ تو یہ ہے کہ مشکلات کا خاتمہ کیا جائے، مشکلات کو آسان کیا جائے۔ لیکن اگر عملی طور پر یہ ممکن نہ ہو تو پھر انسان کو مشکلات سے لڑنا آنا چاہیے۔ شاعرہ کہتی ہیں کہ اگر ہوا کا رخ موافق نہ ہو تو اس کے ڈر سے راستہ چھوڑ کر چلے جانا حماقت ہے۔ اتنی ہمت اور بے خوفی ہو کہ ہوا کے مخالف رخ پر یعنی حالات کے خلاف بھی سفر جاری رکھا جا سکے۔

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۵:

نشانِ راہ سے بڑھ کر ہیں خواب منزل کے　　انھیں بچانا ہے اور راہ پر بھی رکھنا ہے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر فاطمہ حسن کی غزل سے لیا گیا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب سے دور رہنے کا شکوہ۔

تشریح:

نشانِ راہ اس پتھر کو کہا جاتا ہے جو راستے کا تعین کرنے اور رہنمائی کے لیے نصب کیا جاتا ہے۔ جسے دیکھ کر مسافر کو منزل کے قرب یا بُعد کا ادراک ہوتا ہے۔ اسے سنگِ میل یا نشانِ منزل بھی کہا جاتا ہے۔ اس شعر میں شاعرہ کہتی ہیں کہ نشانِ راہ کو دیکھ کر اور نشان منزل کو پا کر سفر ماند نہیں پڑنا چاہیے۔ منزل تک پہنچنے کا خواب ہمیشہ زندہ رہنا چاہیے۔ بقول اشفاق احمد صاحب:

"غریب وہ نہیں جس کے پاس پیسے نہیں بلکہ غریب وہ ہے جس کے پاس خواب نہیں۔"

شاعرہ کہتی ہیں کہ مسافر کو کسی بھی لمحے سفر کو آہستہ نہیں کرنا چاہیے۔ منزل کا خواب ہمیشہ تازہ دم رہنا چاہیے تبھی منزل کا حصول ممکن ہے۔ ارادوں کی پستی کبھی منزل پہ پہنچنے نہیں دیتی۔

تھکیں جو پاؤں تو چل سر کے بل، نہ ٹھہر آتشؔ
گلِ مراد ہے منزل میں، خار راہ میں ہے

JOIN
FOR
MORE!!!

طریقۂ جواب سوال نمبر ۳: اقتباس کی تشریح

سوال نمبر ۳: اقتباس کی تشریح

۱۰ نمبر کا یہ سوال نثر پارے کی تشریح کا ہے۔ اسے جانچنے کے لیے جزو وار نمبر کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے:

- ☆ مصنف اور سبق کا نام: ۲ نمبر
- ☆ مصنف کا مختصر تعارف: ۲ نمبر
- ☆ اقتباس کی تشریح: ۶ نمبر

حوالے کا مواد: حوالے کے ۲ نمبر ہیں۔ یہاں یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ حوالے میں کتنا مواد ہونا چاہیے۔ مثلاً:

سبق ''سیرت محمدی کی جامعیت''

(الف) مصنف اور سبق کا نام: ۲ نمبر، تشریح طلب اقتباس مضمون ''سیرت محمدی کی جامعیت'' سے منتخب کیا گیا ہے۔ اس سبق کے مصنف سید سلیمان ندوی ہیں، جنھیں جدید اردو ادب کا بانی کہا جاتا ہے۔ چوں کہ یہ جواب سوال کے عین مطابق ہے، اِس لیے پورے دو نمبروں کا مستحق ہے۔ اضافی معلومات دینے والوں کو بھی دو نمبر دیے جائیں گے۔

(ب) تشریح: ۶ نمبر، نثر پارے کی تشریح کا مواد چند بنیادی نکات پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر اُن نکات کے تشریح ربط و تسلسل سے کر دی جائے تو طالب علم زیادہ نمبروں کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اقتباس کی تشریح میں تین پیرا گراف ہونے چاہئیں۔ پہلے میں سبق کا بنیادی نکتہ بیان کیا جائے، دوسرے میں منتخب اقتباس کی وضاحت اور تیسرے پیرا گراف میں خاتمہ اور اختتام ہونا چاہیے۔

JOIN FOR MORE!!!

جوابی خاکہ

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

(ب) اقتباس کی تشریح:

سیرت محمدی ﷺ کی جامعیت

سید سلیمان ندوی

پیدائش ۱۸۸۴ء۔ وفات ۱۹۵۳ء

تعارفِ مصنف:

علامہ سید سلیمان ندوی اس عہد کے عالم ہیں جو مسلمانوں کی تاریخ کا سنہرا دور تھا۔ ادب ہو یا تاریخ، سوانح نگاری ہو یا تحقیق، تمام شعبوں میں آپ کو خاص مہارت حاصل ہے۔ سیرت نگاری میں آپ کے تخلیق کردہ گہرہائے آب دار آج بھی آنکھوں کو خیرہ کر دیتے ہیں۔ آپ کے علمی منصب و مقام کا اندازہ آپ کے اُستاد کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے:

''ندوہ نے کیا کیا؟ کچھ نہیں کیا؟ صرف ایک سلیمان پیدا کیا تو یہی کافی ہے۔'' (علامہ شبلی نعمانی)

اہم تصانیف:

تاریخ ارض القرآن	حیات شبلی	مقالات سلیمان
خطباتِ مدراس	سیرت النبی ﷺ	

JOIN FOR MORE!!!

سیاق وسباق:

اس سبق میں جس موضوع کو بنیاد بنا کر پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بنی نوعِ انساں کی ہدایت اور اخروی کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک انسانِ کامل بھیجا جو مسلمانوں کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہر لحاظ سے کامل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

اقتباس (۱):

''خدا کی محبت کا اہل اور اس کے پیار کا مستحق بننے کے لئے ہر مذہب نے ایک ہی تدبیر بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مذہب کے شارع اور طریقے کے بانی نے جو عمدہ نصیحتیں کی ہیں ان پر عمل کیا جائے۔ لیکن اسلام نے اس سے بہتر تدبیر اختیار کی ہے۔ اس نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی مجسمہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے اور اس عملی مجسمے کی پیروی اور اتباع کو خدا کی محبت کے اہل اور اس کے پیار کا مستحق بننے کا ذریعہ بنایا ہے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس سید سلیمان ندوی کے تحریر کردہ سبق ''سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''سید سلیمان ندوی'' کی کتاب ''خطباتِ مدراس'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

مندرجہ بالا اقتباس میں مقرر سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے ان کے سامنے تاریخ کے تمام مذاہب کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ اس دنیا میں اب تک جتنے بھی مذہب آچکے ہیں انہوں نے کامیابی اور کامرانی کا ایک ہی حل بتایا اور سرخروئی کے لئے ان ہدایات پر عمل کرنے کی نصیحت کی ہے جو پیغمبر دین لے کر آئے۔ اس طرح ہر مذہب کے ماننے والے اس بات کے لئے کوششیں کرتے ہیں کہ جو ان کے

پیغمبر نے احکام پہنچائے ہیں ان پر عمل کیا جائے اور سرخرو ہوا جائے۔ مقرر پھر دینِ اسلام کا مخصوص طریقے کی طرف نشان دہی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان تمام مذاہب کے برعکس چونکہ اسلام ایک مکمل دین ہے اس لئے اس نے اس کا آسان ترین حل پیش کرتے ہوئے ایک مرتبہ آگے کا کام کیا ہے۔ اسلام نے اپنے تمام احکامات و ہدایات کو ایک شخص کی عملی زندگی کی صورت میں پیش کیا۔ وہ شخص مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کی زندگی کے ہر لمحے کو دین حق کا پیروکار بنایا اور یہ ثابت کردیا کہ یہ دین انسانوں ہی کے لیے ہے اور انسان اس پر عمل پیرا ہو کر ہی دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ پھر اسلام نے تمام مسلمانوں پر یہ فرض کردیا کہ رضائے الٰہی اور خالق حقیقی کی خوشنودی کے لئے یہ ضروری ہے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کیا جائے جو اسلام کا عملی نمونہ ہے۔

اقتباس (۲):

''چنانچہ اسلام میں دو چیزیں ہیں، کتاب اور سنت۔ کتاب سے مقصود خدا کے احکام ہیں جو قرآن مجید کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں اور سنت جس کے لغوی معنی راستے کے ہیں وہ راستہ ہے جس پر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گزرے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ جس کی تصویر احادیث میں بصورت الفاظ ہے۔''

JOIN FOR MORE!!!

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس سید سلیمان ندوی کے تحریر کردہ سبق ''سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''سید سلیمان ندوی'' کی کتاب ''خطباتِ مدراس'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

پیشِ نظر اقتباس میں مقرر سامعین کے سامنے اسلام کا بنیادی ڈھانچہ پیش کر رہا ہے تاکہ ان کے ذہنوں میں اس دین الٰہی کے صحیح خدوخال واضح ہو جائیں۔ وہ کہتا ہے کہ مذہبِ اسلام کا سرچشمہ دو بنیادوں سے مل کر بنتا ہے اور اس دین کو ماننے والے انھی دو سرچشموں کے تحت عمل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہدایت حاصل کرنے کے ذرائع بھی یہی دو بنیادیں ہیں۔ پھر وہ پہلے سرچشمہ کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالٰی کے احکامات ہم تک پہنچتے ہیں اور اس کتاب کے ذریعے بندے کا اپنے خدا سے تعلق جڑا رہتا ہے۔ اس ہمیشہ رہنے والی کتاب میں ہر قوم اور ہر عہد کے لئے ہدایت موجود ہے جس پر مسلمانوں کے لئے عمل کرنا لازم ہے۔ اسی طرح اسلام کا دوسرا سرچشمۂ ہدایت سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یعنی وہ عملی راستہ جو قرآن مجید کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا گیا۔ تمام احکاماتِ الٰہی کا عملی نمونہ ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ملے گا اور یہ سنت ہمارے پاس مختلف کتب کی صورت میں موجود ہے جو عہدِ رسالت کے اشخاص نے اپنی امت کے لیے محفوظ کرلی ہے۔ اس طرح ان اشخاص نے اپنی ملت کے لیے محفوظ کرلی ہے۔ اس طرح ان دونوں باتوں پر عمل کرنے سے ہی ہم اسلام کے صحیح پیروکار بن سکتے ہیں اور یہی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔

اقتباس (۳):

''غرض اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لیے عملی مجسمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے۔ اسلام ان تمام انسانوں کو سنت نبوی ﷺ کی اتباع کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقاتِ انسانی کے لیے اپنے پیغمبر ﷺ کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس سید سلیمان ندوی کے تحریر کردہ سبق ''سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''سید

سلیمان ندوی'' کی کتاب ''خطباتِ مدراس'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سید سلیمان ندوی نے اپنے اس خطبے ''سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت'' کے اس اقتباس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی جامعیت اور آفاقیت کو نہایت مُدلّل اور واضح انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسانی زندگی مختلف طبقات سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر تمام انسان ایک ہی طبقہ سے متعلق ہو جائیں تو باقی ضروریات کون پوری کرے گا لہٰذا ایسا نہیں بل کہ ان میں بادشاہ و رئیس بھی ہیں اور محکوم و رعایا بھی، غریب بھی ہیں اور دولت مند بھی، عابد و زاہد ہیں اور سپاہی و مجاہد بھی، تاجر اور سوداگر بھی ہیں اور امام و پیشوا بھی۔ اس دنیا کا نظام انھی مختلف طبقات کے حسین امتزاج کا نام ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان تمام طبقات سے منسلک ہر شخص کو عملی مجسمہ اور نمونے کی ضرورت ہے۔ اسلام ان مختلف طبقات سے متعلق تمام انسانوں کو مختلف لوگوں کی نہیں بل کہ صرف ایک پیغمبر محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع کی دعوت دیتا ہے جو اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ وہ ان تمام مختلف طبقاتی انسانوں کیلئے اپنے پیغمبر ﷺ کی سیرت میں عملی نمونے اور مثالیں رکھتا ہے اور مسلمانوں کے ہر طبقے ہر سطح کے لئے یہ سیرت پر کشش، قابلِ عمل اور باعثِ نجات ہے ورنہ اسلام ان تمام لوگوں کو ایک ہی فردِ واحد کی اتباع کی دعوت کیونکر دے سکتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

اقتباس نمبر (۴):

''ایک حاکم کے لیے محکوم کی زندگی، ایک محکوم کے لیے حاکم کی زندگی، ایک دولت مند کے لیے غریب کی زندگی اور ایک غریب کے لیے دولت مند کی زندگی کامل مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی۔ اس لیے ضرورت ہے کہ عالم گیر اور دائمی پیغمبر کی زندگی ان تمام مختلف مناظر کے رنگ برنگے پھولوں کا گل دستہ ہو۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس سید سلیمان ندوی کے تحریر کردہ سبق ''سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''سید سلیمان ندوی'' کی کتاب ''خطباتِ مدراس'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

زیرِ نظر اقتباس میں سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ اگر کوئی حکمران ہے اور اس کا واسطہ رعایا سے ہوتا ہے۔ اب حاکم کی زندگی عوام و رعایا کے لیے، ایک عام آدمی کی زندگی حاکمِ وقت کے لیے، اسی طرح دولت مند کی زندگی غریب کے لیے اور غریب کی زندگی دولت مند کے لیے مکمل نمونہ یا مثال بن ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کا حل بھی پیش کیا۔ ''بے شک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔'' اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہمیں حضور ﷺ کی تقلید کرنے اور آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے۔ اب اس سے زیادہ آسانی اور کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی ساری زندگی کے معمولات کو قرآن اور حدیث میں محفوظ کر دیا۔ اب دنیا کا کوئی بھی شخص چاہے وہ حاکم اور بادشاہ ہو، چاہے وہ دولت مند اور مال دار ہو، غریب و نادار ہو، حضور ﷺ کی زندگی کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی گزار سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ہم سے یہی چاہتا ہے کہ اگر تم مجھ (یعنی اللہ تعالیٰ) سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میرے محبوب ﷺ کی اتباع کرو ان کی اطاعت کرو میں (اے لوگو!) تم سے بھی محبت کرنے لگوں گا۔ اور تم دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو جاؤ گے۔ اس اقتباس میں مصنف نے حضور ﷺ کی زندگی کے مختلف امور کو پھولوں کے گل دستے سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ عالم گیر اور دائمی زندگی ہے۔

وہ کمالِ حُسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اقتباس(۵):

”اگر دولت مند ہو تو مکے کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعبِ ابی طالب کے قیدی اور مدینے کے مہمان کی کیفیت سنو۔ اگر بادشاہ ہو تو سلطانِ عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر ایک نظر دوڑاؤ۔ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ اُحد سے سبق حاصل کرو۔“

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس سید سلیمان ندوی کے تحریر کردہ سبق ”سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت“ سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ”سید سلیمان ندوی“ کی کتاب ”خطباتِ مدراس“ سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

زیرِ نظر اقتباس میں علامہ سلیمان ندوی نے نبی کریم ﷺ کی جامع اور مکمل زندگی کے مختلف پہلوؤں کو تاریخ کے آئینے سے جمع کر کے مختلف طبقات انسانی سے تعلق رکھنے والے انسانوں کو سیرتِ محمدی ﷺ کی پیروی کی دعوت دے رہے ہیں۔ ندوی صاحب کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کے لیے ایک مثال ہے۔

بحیثیت تاجر آپ ﷺ مکے کے دولت مند اور ایمان دار تاجر کے روپ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ دنیا کے کسی بھی تاجر کے لیے آپ ﷺ کی زندگی رہنمائی کا نور ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ بحرین کے خزانوں کے مالک بھی رہے۔

کوئی غریب یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے لیے حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں رہنمائی موجود نہیں کیونکہ آپ ﷺ اہلِ مکہ کے مظالم کا بھی شدت سے شکار رہے اور آپ ﷺ نے تین سال شعب ابی طالب نامی گھاٹی میں انتہائی غربت میں گزارا۔ یہ پہاڑوں کے درمیان گھاٹی ہے جو ابو طالب کی ملکیت تھی۔

اسی طرح آپ ﷺ کی زندگی میں بادشاہ اور رعایا دونوں کیلئے یکساں ہدایات موجود ہیں کیونکہ آپ ﷺ ایک وقت میں عرب کے بادشاہ بھی رہے اور دوسرے وقت میں قریش کی حکومت میں رعایا کی حیثیت سے بھی رہے۔ ندوی صاحبؒ کہتے ہیں کہ جو بادشاہ ہیں وہ حضور ﷺ کی شاہانہ زندگی سے سبق سیکھیں اور جو محکوم و رعایا ہیں وہ سیرت کے دوسرے باب سے مستفید ہوں۔

آخر میں ندوی صاحب نے تلمیح کا استعمال کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کے غزوات کا تذکرہ کر کے جہادِ اسلامی کے مجاہدین کو سیرت نبوی ﷺ کی پیروی کی دعوت دی ہے۔ ندوی صاحب کہتے ہیں کہ اگر تمہیں جنگ میں فتح ملی ہے تو حضور ﷺ کی فتوحات سے سیکھو کہ فتح کے بعد کیسا رویہ اختیار کیا جاتا ہے، آپ ﷺ کئی غزوات میں فاتح رہے۔ اور اگر جنگ میں شکست خوردہ ہو تو دیکھو کہ حضور ﷺ نے غزوۂ اُحد میں شکست کے بعد کیا کیا۔

اقتباس(٦):

”اگر تم استاد اور معلم ہو تو صُفّہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو۔ اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ۔ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو۔ اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو، تو فاتحِ مکہ کا نظارہ کرو۔“

JOIN FOR MORE!!!

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس سید سلیمان ندوی کے تحریر کردہ سبق ''سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''سید سلیمان ندوی'' کی کتاب ''خطباتِ مدراس'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سید سلیمان ندوی نے اپنے اس خطبے ''سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت'' کے اس اقتباس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی افادیت کے ہر رخ کو نہایت مدلل اور واضح انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہر طبقے ہر سطح کے لیے یہ سیرت پر کشش، قابل عمل اور باعثِ نجات ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجموعِ کمال اور دولتِ لازوال بنا کر بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کا کامل نمونہ دنیا کے سامنے رکھا تاکہ دنیا کا ہر شخص تعلیم و ہدایت اور منزلِ مقصود پالے۔

آپ کی سیرت میں صرف ایک استاد ہی کے لئے رہنمائی کی دولت نہیں۔ ایک شاگرد بھی حصولِ علم کے صحیح انداز اور استاد کی سچی عظمت و خدمت کے انداز سیکھ سکتا ہے۔ اس کی مثال مسجد کا وہ چبوترہ ہے جو ''صُفَّہ'' کہلاتا ہے۔ جس پر ہمارے نبی ﷺ اپنے احساسِ عظمت کے ساتھ اشاعتِ علم میں مصروف رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سا شفیق استاد قسمت والوں ہی کو ملتا ہے۔ واعظوں کو بھی آپ کی سیرت بے مثال سے نمونہ مل سکتا ہے۔ دوسروں کو نصیحت کرنے اور ہدایت کرنے کے لئے کون سا طریقہ کار استعمال کرنا چاہیے۔ وہی طریقہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اختیار فرماتے تھے۔ آپ دشمنوں پر قابو پا کر اسی طرح خطائیں بخشیں جیسے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر کہا کہ سب کے لیے امن و سلامتی کا حکم صادر کیا اور کہا آج کوئی مواخذہ نہیں۔ سب سے پہلے اپنے خاندان کا خون معاف کیا۔ بدترین دشمنوں، خون کے پیاسوں کو بخش دیا۔ یہی وہ اچھے اعمال ہیں جو ہمیں اچھا انسان بنا کر کامیاب زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ اس زندگی سے انسان دین و دنیا دونوں میں سرخروئی اور سربلندی حاصل کرتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

اقتباس (۷):

''غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لیے نمونہ، تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لیے سامان، تمہارے ظلمت خانے کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ ﷺ کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس سید سلیمان ندوی کے تحریر کردہ سبق ''سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''سید سلیمان ندوی'' کی کتاب ''خطباتِ مدراس'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سید سلیمان ندوی نے اپنے اس خطبے سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کے اس اقتباس میں نہایت مدلل اور واضح انداز میں اپنے دعوے کو ثابت کیا۔ دعویٰ یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ پاک جامع ہے۔ عقلی اور نقلی دونوں طور سے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے بعد آخر میں اپنی بات کا نچوڑ بیان کر رہے ہیں اور قرآنی آیت کا حوالہ دے کر کہہ رہے ہیں کہ اگر تم خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میری (نبی کریم ﷺ کی) کامل اتباع کرنی پڑے گی اور آپ ﷺ کی زندگی کو اللہ تبارک و تعالی نے کچھ اس طرح تراشا ہے کہ آپ

ﷺ کی اتباع ہر کس و ناکس کر سکتا ہے چاہے وہ حاکم ہو یا محکوم، بادشاہ ہو یا رعایا، امیر ہو یا غریب، سپہ سالار ہو قاضی۔ الغرض کوئی بھی ہو اور اپنی عملی زندگی میں دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی کامل اتباع کرے۔

اقتباس(۸):

''تمام دوسرے انبیائے کرام کی سیرتیں صرف ایک ہی جنس کی اشیا کی دکانیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت، اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار (مارکیٹ) ہے۔ جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلب گار کے لیے بہترین سامان موجود ہے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس سید سلیمان ندوی کے تحریر کردہ سبق ''سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''سید سلیمان ندوی'' کی کتاب ''خطباتِ مدراس'' سے ماخوذ ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں سید سلیمان ندوی اپنے اس دعوے کو کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت جامع ہے تمثیلی انداز میں ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ تمام انبیائے کرام کی سیرتوں کا مطالعہ کرے تو اسے باری باری سب کے مطالعے کی ہر گز ضرورت نہیں، بس ایک محمد ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے تمام انبیا کی سیرتوں سے ہم آہنگ ہوا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی سیرت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کی صفات عُلیا کو بدرجہ اتم جمع فرما دیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا جمال ہو، ابراہیم علیہ السلام کا جلال ہو، ایوب علیہ السلام کا صبر ہو یا موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا کی صفات ایک آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ میں ودیعت رکھ دی ہیں۔ گویا کہ تمام انبیا کی سیرتیں ایک خاص جنس کی چیزوں کی دکان ہے جہاں اس جنس کے سوا کچھ بھی موجود نہیں جبکہ آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ مختلف قسم کی چیزوں کی دوکانوں سے بھرپور ایک بازار ہے جہاں ہر جنس اور ہر طرح کی چیز دستیاب ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ پاک کے ذریعے ہم زندگی کے ہر پہلو (عبادات، معاملات، اخلاقیات، اقتصادیات، معاشیات، معاشرت، سیاسیات) کے بارے میں ہدایت حاصل کر سکتے ہیں۔

اقتباس(۹):

''دوستو! اگر تم مطالعۂ فطرت کے بعد یقین رکھتے ہو کہ یہ دنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین کرو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری اور دائمی اور عالم گیر رہ نما نہیں ہو سکتا۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس سید سلیمان ندوی کے تحریر کردہ سبق ''سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''سید سلیمان ندوی'' کی کتاب ''خطباتِ مدراس'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سید سلیمان ندوی نے اپنے اس خطبے ''سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت'' کے اس اقتباس میں نہایت مدلل اور واضح انداز میں اپنے دعوے کو ثابت کیا۔ دعویٰ یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت پاک جامع ہے۔ عقلی دلائل میں سب سے پہلی دلیل یہ تھی کہ

یہ دنیا انسانی مزاجوں کے اختلاف سے عبارت ہے۔ اس دنیا کی بنیاد ہی اختلافِ عمل پر ہے یعنی دنیا کا کاروبار اسی لیے چل رہا ہے کہ مختلف لوگ مختلف کام کر رہے ہیں، سب ایک ہی پیشے سے منسلک نہیں ہیں۔ اپنی اس دلیل کو ثابت کرنے کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ دوستو! اب تمھیں یہ معلوم ہو گیا کہ دنیا میں مختلف طبقات کے لوگ ہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر طبقہ کو اپنے لیے رہ نما کی ضرورت ہے۔ تو اب یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ ان تمام مختلف طبقاتِ انسانی کے لیے اگر کوئی ذات رہبر اور رہنما بن سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک ہے۔ آپ ﷺ کی جامع شخصیت کے علاوہ کوئی دوسرا انسان یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ تمام طبقاتِ انسانی کی رہنمائی کر سکے، کیوں کہ کسی انسان کی زندگی میں اس قدر جامعیت موجود نہیں جتنی کہ نبیِ آخر الزمان ﷺ کی زندگی میں ہے۔

اقتباس (۱۰):

"اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو آؤ میری پیروی کرو۔ اگر تم بادشاہ ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم رعایا ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم سپہ سالار ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر دولت مند ہو تو میری پیروی کرو، اگر غریب ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر بے کس اور مظلوم ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم خدا کے عابد ہو تو میری پیروی کرو۔"

JOIN FOR MORE!!!

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس سید سلیمان ندوی کے تحریر کردہ سبق "سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت" سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق "سید سلیمان ندوی" کی کتاب "خطباتِ مدراس" سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سید سلیمان ندوی نے اپنے اس خطبے "سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت" کے اس اقتباس میں نہایت مدلل اور واضح انداز میں اپنے دعوے کو ثابت کیا۔ دعویٰ یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت پاک جامع ہے۔ عقلی اور نقلی دونوں طور سے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے بعد آخر میں اپنی بات کا نچوڑ بیان کر رہے ہیں اور قرآنی آیت کا حوالہ دے کر کہہ رہے ہیں کہ اگر تم خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میری (نبی کریم ﷺ کی) کامل اتباع کرنی پڑے گی اور آپ ﷺ کی زندگی کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے کچھ اس طرح تراشا ہے کہ آپ ﷺ کی اتباع ہر کس و ناکس کر سکتا ہے چاہے وہ حاکم ہو یا محکوم، بادشاہ ہو یا رعایا، امیر ہو یا غریب، سپہ سالار ہو قاضی۔ الغرض کوئی بھی ہو اور اپنی عملی زندگی میں دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی کامل اتباع کرے۔

عالم گیر کا انصاف

علامہ شبلی نعمانی

پیدائش ۱۸۵۷ء۔وفات ۱۹۱۴ء

تعارفِ مصنف:

شبلی ۱۸۵۷ء میں اعظم گڑھ کے نزدیک بندول میں پیدا ہوئے۔ نسلاً راجپوت تھے۔ شبلی امام اعظم امام ابو حنیفہؒ سے مزاجی قربت رکھتے تھے، اسی لیے اپنے نام کے ساتھ امام صاحب کے نام نعمان بن ثابت کی نسبت سے نعمانی لکھنا شروع کیا۔ شبلی نے اپنے وقت کے جید علمائے کرام سے تعلیم حاصل کی۔

شبلی نعمانی ان لوگوں میں سے ہیں، جو سر سید احمد خان کے اثر اور فیض کی بدولت مولویت کے محدود اور روایتی دائرہ سے نکل کر ادب کے وسیع میدان میں آئے۔ انھیں سر سید کے قریبی ساتھیوں میں اور اردو کے عناصرِ خمسہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ آپ نے اسلامی شخصیات کی زندگیوں کو لکھ کر اردو زبان میں اسلامی تاریخ کا صحیح ذوق پھیلایا۔ ''الفاروق''، ''سیرتِ عائشہ'' اور ''المامون'' وغیرہ اس کی چند مثالیں ہیں۔ آپ بلند مقام شاعر اور اعلیٰ درجہ کے سخن شناس اور نقّاد تھے۔ آپ کی ادبی و علمی خدمات میں اعتراف میں انگریز سرکار نے آپ کو ''شمس العلما'' کا خطاب دیا۔

اہم تصانیف:

الفاروق	الغزالی	المامون	شعر العجم
سیرت النبی ﷺ	سوانح مولانا روم	سیرت نعمان	موازنۂ دبیر و انیس
مقالات شبلی	اورنگ زیب پر ایک نظر		

JOIN FOR MORE!!!

سیاق وسباق:

یہ سبق علامہ شبلی نعمانی کی کتاب ''عالم گیر پر ایک نظر'' سے لیا گیا ہے۔ شہنشاہِ ہند اورنگ زیب عالم گیر کو متّہم و مطعون کرنے کے لئے تنگ نظر اور متعصب مورخین نے کذب و افترا کا جو تانتا باندھا تھا اور اصل واقعات میں رنگ آمیزی اور ان کی غلط تعبیر و تاویل کر کے اورنگ زیب کو جن جرائم کا مرتکب قرار دیا تھا، علامہ کے پر زور قلم نے تمام اعتراضات کا بخوبی جواب دیا ہے۔ اور خاص طور پر اس سبق میں عالم گیر کا عدل و انصاف بیان کیا ہے۔

اقتباس (۱):

''عالم گیر کے عہد حکومت کا سب سے بڑا روشن کارنامہ اس کا عدل و انصاف ہے، جس میں عزیز و بے گانہ، غریب و امیر، دوست دشمن کی تمیز نہ تھی۔ ایک رقعے میں خود لکھتا ہے کہ معاملات انصاف میں شہزادوں کو میں عام آدمیوں کے برابر سمجھتا ہوں۔ یہ محض دعویٰ نہیں بل کہ غیروں نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس علامہ شبلی نعمانی کے تحریر کردہ سبق ''عالم گیر کا انصاف'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''شبلی نعمانی'' کی کتاب ''اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

مندرجہ بالا اقتباس میں شبلی نعمانی صاحب عالم گیر کے عہد کی سب سے خاص بات ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ عالم گیر کے زمانے کی خاص بات، عالم گیر کا انصاف تھا، جس میں نہ دوست کی پرواہ کی جاتی تھی نہ دشمن کے ساتھ ناانصافی۔ امیر و غریب سے یکساں سلوک ہوتا تھا۔ اپنے اور پرائے قانون کی نظر میں برابر تھے۔ اور تو اور عالم گیر انصاف کے معاملات میں شہزادوں کو بھی عام آدمیوں کے برابر سمجھتے تھے۔ عالم گیر کا انصاف اتنا مشہور تھا کہ دوستوں کے ساتھ ساتھ غیروں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے اور بہت سے مغربی لکھاریوں نے بادشاہ کی اس صفت کا ذکر کیا ہے۔

اقتباس(۲):

''مغل اعظم عدل کا دریائے اعظم ہے۔ جچے تلے انصاف سے وہ فیصلے کرتا ہے۔ شاہنشاہ کے حضور میں سفارش، اَمارت اور منصب کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی اور نگ زیب اس مستعدی سے بات سنتا تھا، جس طرح کہ بڑے سے بڑے افسر کی۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس علامہ شبلی نعمانی کے تحریر کردہ سبق ''عالم گیر کا انصاف'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''شبلی نعمانی'' کی کتاب ''اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

مندرجہ بالا اقتباس میں شبلی نعمانی صاحب نے مغربی مستشرق اسٹینلی لین پول کی عبارت نقل کی ہے جس میں وہ عالم گیر کے عدل و انصاف کا اعتراف کر رہا ہے۔ لین پول کہتا ہے کہ عالم گیر عدل و انصاف کا ایک عظیم دریا ہے۔ وہ ہر فیصلہ انصاف کے تقاضوں کے مطابق کرتا ہے۔ عالم گیر کے انصاف کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے دربار میں کسی طرح کی کوئی سفارش نہیں چلتی۔ بڑے سے بڑا افسر بھی اس کی عدالت میں سفارش پیش نہیں کر سکتا۔ دوسری طرف ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کی بات بھی ایسے سنی جاتی ہے جیسے کسی بہت بڑے عہدے دار اور افسر کی۔

JOIN FOR MORE!!

اقتباس(۳):

''عالم گیر نے اپنی زندگی کا مقصد سلطنت کے جاہ و جلال، شان و شوکت، ناز و نعم کے بجائے صرف رعایا کی خدمت اور راحت رسانی قرار دیا تھا۔ وہ انتہائے پیری تک دربار میں کھڑے ہو کر رعایا کی عرضیاں لیتا تھا، اور خود اپنے ہاتھ سے ان پر حکم لکھتا تھا۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس علامہ شبلی نعمانی کے تحریر کردہ سبق ''عالم گیر کا انصاف'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''شبلی نعمانی'' کی کتاب ''اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

مندرجہ بالا اقتباس میں شبلی نعمانی صاحب عالم گیر کی ایک اور اہم خوبی کا ذکر کر رہے ہیں۔ شبلی کہتے ہیں کہ دوسرے بادشاہوں کی طرح عالم گیر نے اپنی بادشاہت کا مقصد سلطنت کی عیاشیوں اور شان و شوکت کو نہیں بنایا بلکہ اس نے اپنی بادشاہت کا مقصد خلقِ خدا کی خدمت اور راحت رَسانی کو قرار دیا۔ اور ہمیشہ عوام الناس کی خدمت کر کے دلی سکون حاصل کیا۔ جوانی کے دور میں تو ایسا کیا ہی، بڑھاپے

میں بھی وہ اسی طرح اپنے لوگوں کی خدمت کرتا رہا۔ اور لوگوں نے کبھی اسے رعایا کی خدمت میں تھکان کا شکار نہ دیکھا۔ بڑھاپے کے ضعف اور کمزوری کے باوجود وہ خود ہر عارض کی عرضی سنتا اور اس کا حل نکالنے کے احکامات جاری کرتا تھا۔

اقتباس(۴):

" وہ صاف و سفید ململ کی پوشاک پہنے ہوئے عصائے پیری کے سہارے امیروں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا اور اس کی پگڑی میں بڑا ٹکڑا زمرّد کا ٹنکا ہوا تھا۔ داد خواہوں کی عرضیاں لیتا جاتا تھا اور بلاعینک پڑھ کر خاص اپنے ہاتھ سے دست خط کرتا جاتا تھا اور اس کے ہشاش بشاش چہرے سے صاف مترشح ہوتا تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شاداں و فرحاں ہے۔"

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس علامہ شبلی نعمانی کے تحریر کردہ سبق "عالم گیر کا انصاف" سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق "شبلی نعمانی" کی کتاب "اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر" سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

JOIN FOR MORE!!!

مندرجہ بالا اقتباس میں شبلی نعمانی صاحب نے ڈاکٹر جیلی کریری (Dr. Carreri) کی عبارت نقل کی ہے جو عالم گیر کے خدمتِ خلق کے جذبے کی تعریف کر رہا ہے۔ ڈاکٹر کریری نے عالم گیر کو اٹھتر سال کی عمر میں دیکھا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ اس بڑھاپے کی عمر میں بھی عالم گیر جس تن دہی کے ساتھ لوگوں کی عرضیاں وصول کر رہا تھا اور لوگوں کی خدمت کر رہا تھا وہ قابلِ دید تھا۔ سفید ململ کی پوشاک پہنے اور ہاتھ میں عصا پکڑے لوگوں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا۔ اس کی پگڑی میں شاہی علامت کے طور پر زمرد کے خوبصورت پتھر کا بڑا سا ٹکڑا ٹنکا ہوا تھا۔ اور وہ نہایت خندہ پیشانی اور خوش دلی کے ساتھ تمام فریادیوں کی فریاد سنتا اور عرضیاں پڑھتا اور اپنے مخصوص دستخط کر کے احکامات جاری کرتا تھا۔ اور اس تمام تر کاروائی کے دوران لمحہ بھر کو بھی ایسا محسوس نہ ہوتا کہ وہ کسی طور بھی اپنے اس عمل سے تنگ ہے یا اسے بوجھ محسوس کرتا ہے۔ بلکہ اس کے چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنی اس مصروفیت سے بہت خوش ہے اور لوگوں کے مسائل حل کر کے سکون محسوس کرتا ہے۔

خوش طبعی

محمد حسین آزاد

پیدائش ۱۸۳۰ء۔ وفات ۱۹۱۰ء

تعارفِ مصنف:

محمد حسین آزاد کی پیدائش ۵ مئی ۱۸۳۰ء کو دہلی میں ہوئی۔ محمد حسین آزاد ایک صاحبِ طرز انشاپرداز، زبان دان، نقاد اور شاعر ہیں۔ اردو کے عناصرِ خمسہ میں اپنی رنگین بیانی کے لحاظ سے آپ کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔ آپ کی تحریروں میں فکر کے موتی، علم کے چراغ، ظرافت کے پھول، فن کی روشنی اور تحقیق کی چاندی سب کچھ ہی شامل ہے۔ آپ نے نہ صرف اردو نثر کو نیا رنگ دیا بلکہ اردو نظم کو بھی ایک نئی شکل و صورت عطا کی۔ شاعری میں مشہورِ زمانہ شاعر شیخ ابراہیم ذوقؔ سے شرفِ تلمّذ حاصل کیا۔

محمد حسین آزاد کے منفرد اندازِ بیان کی بنا پر صاحبِ علم طبقے نے آپ کو "اردو کا بے تمثیل نگار" اور "آقائے سخن" کے القابات

سے نوازا ہے۔ علم دوست انگریزوں نے حسین آزاد کو ''شمس العلما'' کا خطاب دیا۔

اہم تصانیف:

قصص ہند	دربار اکبری	نگارستان فارس	نیرنگ خیال
آب حیات	دیوانِ ذوقؔ		

اقتباس(۱):

''یہ واضح ہو کہ سچ، خوش طبعی کے خاندان کا بانی مبانی ہے۔ اس گھرانے میں حسنِ ادب ایک نہایت معقول شخص تھا۔ اس کا بیٹا حسنِ بیاں ہوا۔ اس نے اپنے ایک برابر کے خاندان میں شادی کی۔ اس کی دلہن کا نام خندہ جبیں تھا کہ آٹھ پہر ہنستی رہتی تھی۔ چناں چہ ان کے گھر میں میاں خوش طبع پیدا ہوئے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس محمد حسین آزادؔ کے تحریر کردہ سبق ''خوش طبعی'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''حسین آزاد'' کی کتاب ''نیرنگِ خیال'' سے ماخوذ ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ب) تشریح:

سبق خوش طبعی میں محمد حسین آزادؔ نے تمثیلی انداز اختیار کیا ہے۔ انسان کے اخلاق و کردار کی صفات کو تمثیلی طور پر انسانی حیثیت دی ہے۔ جس طرح انسانوں کے خاندان ہوتے ہیں، عزیز و اقارب ہوتے ہیں اسی طرح ان صفات کے فرضی کردار وضع کیے گئے ہیں۔ جس طرح انسان اچھے برے ہوتے ہیں اسی طرح انسان کے اخلاق و عادات اچھی بری ہوتی ہیں۔

اس اقتباس میں آزادؔ کہتے ہیں کہ خوش طبعی یعنی خوش مزاجی کے خاندان کا بانی سچ ہے۔ وہ خوش طبعی جس کی بنیاد جھوٹ پر ہو وہ حقیقت میں تمسخر ہے خوش طبعی ہرگز نہیں۔ خوش طبعی کے گھرانے میں حسنِ ادب موجود تھا جو کہ ایک شریف اور معقول شخص تھا۔ اس کا بیٹا ہوا جس کا نام حسنِ بیاں رکھا گیا۔ بعد میں حسن بیاں نے اپنی برابری کی دلہن سے شادی کر لی جس کا نام خندہ جبیں تھا۔
پھر اس شادی سے ان دونوں کے گھر خوش طبع پیدا ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ حقیقی خوش طبعی وہ ہے جس میں حسنِ ادب، حسنِ بیاں اور خندہ پیشانی شامل ہو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی بنیاد سچ پر ہو۔

اقتباس(۲):

''چوں کہ خوش طبع سارے خاندان کا لُبِّ لباب تھا اور بالکل مختلف طبیعت کے والدین سے پیدا ہوا تھا، اس لیے اس کی طبیعت بُوقلموں اور گوناگوں تھی۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس محمد حسین آزادؔ کے تحریر کردہ سبق ''خوش طبعی'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''حسین آزاد'' کی کتاب ''نیرنگِ خیال'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سبق خوش طبعی میں محمد حسین آزادؔ نے تمثیلی انداز اختیار کیا ہے۔ انسان کے اخلاق و کردار کی صفات کو تمثیلی طور پر انسانی حیثیت

دی ہے۔ جس طرح انسانوں کے خاندان ہوتے ہیں، عزیز واقارب ہوتے ہیں اسی طرح ان صفات کے فرضی کردار وضع کیے گئے ہیں۔ جس طرح انسان اچھے برے ہوتے ہیں اسی طرح انسان کے اخلاق وعادات اچھی بری ہوتی ہیں۔

اس اقتباس میں آزادؔ کہتے ہیں کہ خوش طبع چوں کہ سارے خاندان کی بنیاد تھا اور مختلف مزاج کے والدین یعنی خندہ پیشانی اور حسنِ بیاں سے پیدا ہوا تھا، اس لیے اس کی طبیعت بڑی رنگا رنگ تھی۔

مطلب یہ ہے کہ خوش طبع انسان کے مزاج میں خوش گواری ہوتی ہے۔ وہ دوسرے انسانوں کی طرح حسِ مزاح سے محروم نہیں ہوتا بل کہ اس کی طبیعت میں زندہ دلی ہوتی ہے۔

اقتباس(۳):

''ایک پہچان اس کی یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی محفل میں بیٹھا ہوتا ہے تو اسی کے قہقہے کان میں آتے ہیں اور گرد اس کے متین اور معقول لوگ خاموش بیٹھے نظر آتے ہیں اور جب ظرافتِ اصلی محفل آرا ہوتی ہے تو آپ کمال سنجیدگی سے بیٹھی ہوتی ہے، گرد اس کے سب ہنستے ہیں۔''

JOIN FOR MORE!!!

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس محمد حسین آزادؔ کے تحریر کردہ سبق ''خوش طبعی'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''حسین آزاد'' کی کتاب ''نیرنگِ خیال'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سبق خوش طبعی میں محمد حسین آزادؔ نے تمثیلی انداز اختیار کیا ہے۔ انسان کے اخلاق و کردار کی صفات کو تمثیلی طور پر انسانی حیثیت دی ہے۔ جس طرح انسانوں کے خاندان ہوتے ہیں، عزیز واقارب ہوتے ہیں اسی طرح ان صفات کے فرضی کردار وضع کیے گئے ہیں۔ جس طرح انسان اچھے برے ہوتے ہیں اسی طرح انسان کے اخلاق وعادات اچھی بری ہوتی ہیں۔

اس اقتباس میں آزادؔ اصلی ظرافت اور تمسخر کا فرق بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خوش طبعی کی عزت افزائی دیکھ کر اپنا نام بھی خوش طبعی رکھ لیتا کہ ناواقف لوگ اسے بھی اصلی النسل سمجھیں۔ لیکن آزادؔ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات بخوبی دیکھ لینی چاہیے کہ اس میں خوش طبعی کی علامات (یعنی سچائی، خندہ پیشانی، حسنِ بیاں وغیرہ) پائی جاتی بھی ہیں کہ نہیں؟ ایک پہچان اس کی یہ ہے کہ مکر باز جب کسی محفل میں موجود ہو تو اسی کے قہقہے گونجتے سنائی دیں گے اور اس کے ارد گرد سنجیدہ لوگ خاموش بیٹھے دکھائی دیں گے۔ جبکہ ظرافت اصلی میں معاملہ اُلٹ ہوتا ہے۔ اس میں بردباری ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب کسی محفل میں موجود ہو تو کمالِ بردباری اور سنجیدگی سے بھرپور دکھائی دے گی اور ارد گرد کے لوگ ہنستے دکھائی دیں گے۔

حاصل یہ ہے کہ اگر خوش طبعی کے خاندان میں سچائی، خندہ پیشانی اور حسنِ بیان جیسی خوبیاں موجود ہوں تو وہ خوش طبعی ہے اور یہ سب نہ ہوں تو اسے وہی جعل ساز بہروپیا سمجھنا چاہیے۔

اقتباس(۴):

''ظرافتِ اصلی اور ظرافتِ نقلی میں اتنا ہی فرق ہے، جتنا آدمی اور بندر میں۔ سب سے پہلے تو یہ ہے کہ اسے بندر کی طرح جھوٹ موٹ کی دغا بازیاں اور ویسے ہی نقلیں کرنے کی عادت ہے۔ دوسرے، اس قسم کے کام کر کے نہایت خوش ہوتا ہے بلکہ دونوں باتیں اسے یک ساں ہیں۔ خواہ خلعَت پہنا دے، خواہ رُسوا کر دے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس محمد حسین آزادؔ کے تحریر کردہ سبق "خوش طبعی" سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق "حسین آزاد" کی کتاب "نیرنگِ خیال" سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سبق خوش طبعی میں محمد حسین آزادؔ نے تمثیلی انداز اختیار کیا ہے۔ انسان کے اخلاق و کردار کی صفات کو تمثیلی طور پر انسانی حیثیت دی ہے۔ جس طرح انسانوں کے خاندان ہوتے ہیں، عزیز و اقارب ہوتے ہیں اسی طرح ان صفات کے فرضی کردار وضع کیے گئے ہیں۔ جس طرح انسان اچھے برے ہوتے ہیں اسی طرح انسان کے اخلاق و عادات اچھی بری ہوتی ہیں۔

اس اقتباس میں آزادؔ اصلی ظرافت اور ظرافت نقلی یعنی تمسخر کا فرق بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ظرافت اصلی اور ظرافت نقلی میں وہی فرق ہے جو انسان اور بندر میں ہے۔ بندر بھی انسان کی نقل کر کے انسان جیسا رتبہ حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوتا۔ اسی طرح ظرافتِ نقلی، ظرافت اصلی جیسی حرکتیں کرتی ہے۔ جس طرح بندر کے سر پہ تاج رکھنے سے وہ بادشاہ نہیں بن سکتا، اسی طرح ظرافت نقلی انسان کو جتنی بھی کامیابی دلوا دے وہ ظرافتِ اصلی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس لیے کہ ظرافت اصلی کی بنیاد سچ پر ہے اور نقلی کی بنیاد جھوٹ پر ہے۔

اقتباس (۵):

"ایسا کم بخت ہے کہ جو ہاتھ اسے رزق دیتا ہے، اس کی کاٹ کھاتا ہے اور دوست، دشمن دونوں کی برابر خاک اڑاتا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ انسانیت سے خارج ہے، اس لیے خوش طبعی کیے جاتا ہے۔"

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس محمد حسین آزاد کے تحریر کردہ سبق "خوش طبعی" سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق "حسین آزاد" کی کتاب "نیرنگِ خیال" سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سبق خوش طبعی میں محمد حسین آزادؔ نے تمثیلی انداز اختیار کیا ہے۔ انسان کے اخلاق و کردار کی صفات کو تمثیلی طور پر انسانی حیثیت دی ہے۔ جس طرح انسانوں کے خاندان ہوتے ہیں، عزیز و اقارب ہوتے ہیں اسی طرح ان صفات کے فرضی کردار وضع کیے گئے ہیں۔ جس طرح انسان اچھے برے ہوتے ہیں اسی طرح انسان کے اخلاق و عادات اچھی بری ہوتی ہیں۔

اس اقتباس میں آزادؔ ظرافت نقلی یعنی تمسخر کی مزید برائیاں بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تمسخر اتنا کم ظرف ہے کہ جس تھالی میں کھاتا ہے اسی میں چھید کرتا ہے۔ دوست کے مقام و مرتبہ کا کچھ خیال نہیں کرتا۔ اس کی نظر میں دوست و دشمن سب ایک برابر ہیں، کیوں کہ مقصد تو مذاق اڑانا ہی ہے، اب چاہے سامنے دوست ہو یا دشمن، کیا فرق پڑتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ظاہر یہ کرتا ہے کہ خوش طبعی کر رہا ہے تاکہ کچھ عزت بنی رہے۔

JOIN FOR MORE!!!

قحطُ الرِّجال

مختار مسعود

پیدائش ۱۹۲۶ء۔ وفات ۲۰۱۷ء

تعارفِ مصنف:

مختار مسعود ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی شیخ عطاء محمد مرحوم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں معاشیات کے پروفیسر تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو تحریک پاکستان میں ایک بیس کیمپ کی حیثیت حاصل رہی۔ مختار مسعود نے علی گڑھ میں ہی بنیادی تعلیم حاصل کی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔اے کیا۔

اپنی تصنیف ''آوازِ دوست'' سے بہت شہرت کمائی۔ قیامِ پاکستان کے بعد سرکاری ملازمت میں شامل ہو کر حکومت پاکستان کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے پاکستان بنتے اور پھر اسے دولخت ہوتے دیکھا۔ آوازِ دوست اسی عروج و زوال کی داستان کا ایک خوبصورت، دلکش اور اثر انگیز پیرایۂ بیان ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

اہم تصانیف:

آوازِ دوست　　سفرِ نصیب　　لوحِ ایام

اقتباس (۱):

''قحط میں موت ارزاں ہوتی ہے اور قحط الرجال میں زندگی۔ مرگِ انبوہ کا جشن ہو تو قحط، حیاتِ بے مصرف کا ماتم ہو تو قحط الرجال۔ ایک عالم موت کی ناحق زحمت کا، دوسرا زندگی کی ناحق تہمت کا۔ ایک سماں حشر کا، دوسرا محض حشرات الارض کا۔ زندگی کے تعاقب میں رہنے والے قحط سے زیادہ قحط الرجال کا غم کھاتے ہیں۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس مختار مسعود کے تحریر کردہ سبق ''قحط الرِّجال'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''مختار مسعود'' کی کتاب ''آوازِ دوست'' سے ماخوذ ہے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
قحط	خشک سالی، کال	ارزاں	کم قیمت، سستا
مرگ	موت	انبوہ	مجمع، بھیڑ
بے مصرف	بے کار	قحط الرِّجال	اچھے انسانوں کی کمی
حشر	قیامت	حشرات الارض	زمین کے کیڑے مکوڑے

(ب) تشریح:

مندرجہ بالا اقتباس میں مختار مسعود قحط اور قحط الرِّجال کا فرق سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ قحط میں موت سستی ہوتی ہے اور قحط الرِّجال میں زندگی سستی ہوتی ہے اس لیے کہ معاشرے میں بھلے انسان معدوم ہو جاتے ہیں۔ انسانوں کی وقعت ختم ہو جاتی

ہے۔ دوسرے الفاظ میں اگر بہت سے انسان بھوک سے مر جائیں تو اسے ''قحط'' کہتے ہیں اور اگر بہت سے انسانوں کا کردار اور ضمیر خوابِ عدم کا شکار ہو جائے تو اسے ''قحط الرِّجال'' کہا جاتا ہے۔ قحط میں بلا وجہ موت کی زحمت اٹھانا پڑتی ہے جبکہ قحط الرّجال میں زندگی ایک تہمت بن کر رہ جاتی ہے۔ قحط میں قیامتِ صغریٰ قائم ہوتی ہے اور قحط الرِّجال میں انسان کی حیثیت کیڑے مکوڑوں جیسی ہو جاتی ہے۔ مہذّب اور متمدّن معاشروں میں قحط کو اتنا خطرناک نہیں جانا جاتا جتنا کہ قحط الرِّجال سے خوف کھایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ قحط کی بھرپائی تو کچھ عرصے میں ہو جاتی ہے لیکن قحط الرِّجال کی صورت میں نئے رجالِ کار تیار کرنے میں صدیاں لگ جاتی ہیں۔

اقتباس(۲):

''ہر اچھے آدمی کے گرد ایک ہالہ ہوتا ہے، اس کے نزدیک جائیں تو دل خود بہ خود منور ہو جاتا ہے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس مختار مسعود کے تحریر کردہ سبق ''قحط الرِّجال'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''مختار مسعود'' کی کتاب ''آوازِ دوست'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

JOIN FOR MORE!!!

مندرجہ بالا اقتباس میں مسعود مختار کہتے ہیں کہ صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ جس طرح بری صحبت اپنے ارد گرد پر برے اثرات ڈالتی ہے اسی طرح اچھی سنگت ارد گرد پر اپنا اچھا اثر ضرور چھوڑتی ہے۔ اچھے انسان کی شخصیت کا ایک رنگ ہوتا ہے، اس کے گرد روحانی اور اَن دیکھی روشنی کا ایک ہالہ یعنی دائرہ ہوتا ہے جو اپنے ارد گرد کے ماحول کو روشن رکھتا ہے۔ اب جو بھی اس ہالے میں جائے گا روشنی ضرور حاصل کرے گا۔ اچھا انسان اپنے دل کی روشنی سے ارد گرد رہنے والوں کے دلوں کو بھی منوّر کرتا ہے۔

اقتباس(۳):

''آٹو گراف البم کے صفحات ہوں یا زندگی کا ورقِ سادہ، انھیں یوں ہی نہیں بھرنا چاہیے۔ جاؤ نگہ انتخاب کو کام میں لاؤ، بڑے آدمی زندگی میں کم اور کتابوں میں زیادہ ملیں گے۔ ان سے تعارف کے لیے کارلائل سے مدد مانگو، ان سے ملاقات کے لیے پلوٹارک کے پاس جاؤ۔ ان کو سمجھنے کے لیے سعدی سے لے کر سیموئل سائل تک سب کے دروازے پر دستک دو۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس مختار مسعود کے تحریر کردہ سبق ''قحط الرِّجال'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''مختار مسعود'' کی کتاب ''آوازِ دوست'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

مندرجہ بالا اقتباس میں مختار مسعود نے زندگی کو ایک خالی کاغذ سے تشبیہ دی ہے۔ وہ کہتے ہیں مجھے اپنی آٹو گراف البم کو بھرنا تھا، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس کس سے دستخط کرواؤں۔ والدِ محترم سے رہ نمائی مانگی تو انھوں نے رائے دی کہ چاہے آٹو گراف البم ہو یا زندگی کا کورا کاغذ، ان کو یوں ہی بھرنا حماقت ہے۔ صرف ان کو بھرنا مقصود نہیں ہے کہ بس ایرے غیرے لوگوں کے آٹو گراف لے کر اسے بھر لو، بلکہ اس کا با مقصد ہونا بھی ضروری ہے۔ لٰہذا اپنی نگاہِ انتخاب دوڑاؤ بڑے لوگ زندگی میں کم اور کتابوں میں زیادہ ملیں گے۔ اپنی زندگی کی البم اور آٹو گراف البم، دونوں کو بہت احتیاط اور عقل مندی سے بھرنے کی ضرورت ہے۔ اس اقتباس میں مصنف نے چند تلمیحات کا بھی ذکر کیا ہے، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تھامس کارلائل: یہ ایک سکاٹش فلسفی، ریاضی دان، مورخ، نثر نگار اور طنزیہ ادیب تھا۔

۲۔ پلوٹارک: یہ ایک یونانی سوانح نگار اور مورخ تھا۔

۳۔ شیخ سعدی: یہ ایک بزرگ، معلم اور فارسی کے مشہور ادیب تھے۔

۴۔ سیموئل بکٹ: یہ ایک آئرش نژاد معروف ناول نگار، ڈراما نویس، افسانہ نگار اور مترجم تھا۔

اقتباس(۴):

''وہ بے ہنر سے نفرت اور بے غرض سے الفت کرتی اور ان دونوں کو شناخت کر لیتی۔ اولیا ملنے آتے تو ادب سے بیٹھی رہتی، کوئی بے ذوق آنکلتا تو یہ اٹھ کر چلی جاتی۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس مختار مسعود کے تحریر کردہ سبق ''قحط الرِّجال'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''مختار مسعود'' کی کتاب ''آوازِ دوست'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

JOIN FOR MORE!!!

مندرجہ بالا اقتباس میں مختار مسعود حضرت شیخ یوسف سر بیلی، جو کہ ابن عربی کے شیخ تھے، کی بلی کا ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت شیخ کے ساتھ رہنے کی برکت سے اس بلی نے بھی تزکیۂ باطن کی منزلیں طے کر لی تھیں۔ جب حضرت شیخ کے پاس کوئی بے ہنر انسان آتا تو یہ اس سے نفرت کرتی اور جب کوئی درویش صفت اور بے غرض انسان آتا تو اس سے محبت کرتی۔ نیک لوگ حضرت کے پاس آتے تو ان کے سامنے باادب ہو کر بیٹھی رہتی اور جب کوئی بے ذوق آتا تو وہاں سے اٹھ کر چلی جاتی۔ مصنف کہتے ہیں کہ میں نے بہت کوشش کی کہ کم از کم اس بلی جتنا تقویٰ ہی مجھے حاصل ہو جائے۔ لیکن بہتیری کوشش کے باوجود وہ مردم شناسی حاصل نہ ہو سکی جو اس بلی میں موجود تھی۔ یہ روحانی صفات اور صلاحیتیں اللہ والوں کی صحبت سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔

مشاعَرہ

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

پیدائش ۱۹۲۶ء۔ وفات ۲۰۱۳ء

تعارفِ مصنف:

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا اصلی نام سید دلدار علی تھا۔ ۲۶ جنوری ۱۹۲۶ء کو فتح پور (سہوہ) کے ایک سید خاندان میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب پولیس سے ریٹائرڈ تھے۔ مڈل کے درجے میں ہی انھیں کتابیں پڑھنے کی لگن لگ گئی اور لکھنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا چناں چہ انھوں نے اپنا پورا قلمی نام ''سید دلدار علی فرمان فتح پوری'' اختیار کیا جو بعد میں صرف فرمان فتح پوری رہ گیا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے جامعہ کراچی میں تقریباً تیس برس تک خدمات انجام دیں اور شعبہ اردو کے صدر کے عہدے تک پہنچے۔ ۱۹۵۸ء میں انھیں اردو ڈکشنری بورڈ کا چیف ایڈیٹر اور سیکرٹری مقرر کیا گیا جہاں انھوں نے اعلیٰ خدمات انجام دیں۔ ممتاز ادبی جریدہ ''نگار'' کی ادارت ہے جو ان کے زمانہ وفات تک کسی نہ کسی صورت میں جاری رہی۔

اہم تصانیف:

اردو کی منظوم داستانیں	اردو افسانہ اور افسانہ نگار	اقبالؔ سب کیلئے
رباعی کافنی اور تاریخی ارتقا	اردو کی نعتیہ شاعری	میر انیسؔ۔ حیات و شاعری
زبان اور اردو زبان	اردو املا اور رسم الخط	اردو افسانہ اور افسانہ نگار

اقتباس(۱):

’’مذاق سلیم کتابوں کے مطالعے سے نہیں بل کہ شعر وادب کے ماحول میں ایک مدت تک زندگی بسر کرنے اور ذہنی تربیت پانے سے میسر آتا ہے۔ چناں چہ شاعر ہونے کی اوّلین شرط یا ضمانت علمی قابلیت نہیں، خوش مذاقی اور ذوقِ شعری کی پختگی و شائستگی ہے۔ اگر یہ چیزیں میسر ہوں تو پھر علم و فضل سونے پر سہاگے کا کام کرتے ہیں۔‘‘

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے تحریر کردہ سبق ’’مشاعرہ‘‘ سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ’’فرمان فتح پوری‘‘ کی کتاب ’’اردو زبان و ادب کی افادیت‘‘ سے ماخوذ ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ب) تشریح:

سبق مشاعَرہ میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری مشاعرے کی تعریف، اہمیت و افادیت بیان کر رہے ہیں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں مصنف کہتے ہیں کہ انسان میں ذوقِ سلیم محض کتابوں کے مطالعے سے نہیں آتا بلکہ اس کے لیے مدت تک شعر و ادب کے ماحول میں رہنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ ایک کتاب کو پڑھ کر صرف اسی کتاب کا علم حاصل ہو سکتا ہے جبکہ شعر و ادب کی محفل میں علم و فضل سے آراستہ بہت سے لوگوں سے مل کر بہت سی کتابوں کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔

چناں چہ مصنف کہتے ہیں کہ شاعر ہونے کے لیے علم و فضل کا ہونا ضروری نہیں بلکہ شعری ذوق کا ہونا ضروری ہے، خوش مذاقی کا ہونا ضروری ہے۔ شاعر کی بنیادی خصوصیات میں یہ بہت ضروری ہیں۔ اس کے بعد اگر ساتھ میں علم و فضل بھی ہو تو وہ اضافی حیثیت رکھتا ہے اور سونے پر سہاگے کا کام کرتا ہے۔

اقتباس(۲):

’’شعری ادب کی تاریخ اور شعرا کے تعارف کے سلسلے میں بھی مشاعروں کی اہمیت مسلم ہے۔ ایک دو نہیں، سیکڑوں ایسے شعرا ہیں جو صرف مشاعروں کی معرفت جانے پہچانے جاتے ہیں اور ان کے اشعار مشاعرے میں مقبولیت کے حوالے سے بعد کو ضرب المثل بن گئے ہیں۔‘‘

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے تحریر کردہ سبق ’’مشاعرہ‘‘ سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ’’فرمان فتح پوری‘‘ کی کتاب ’’اردو زبان و ادب کی افادیت‘‘ سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سبق مشاعَرہ میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری مشاعرے کی تعریف، اہمیت و افادیت بیان کر رہے ہیں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں مصنف مشاعرے کی ایک اور اہمیت بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ شعرا کو عوام الناس سے روشناس کروانے میں بھی مشاعروں کا بہت اہم کردار

ہے۔ سیکڑوں شعرا ایسے ہیں جن کو قبولِ عام مشاعروں کے سبب ہی ملا۔ اور بعد میں آگے چل کر وہ شعرا صفِ اول کے شعرا کی فہرست میں شامل ہوئے اور ان کے وہی اشعار جو مشاعروں کی زینت بنے تھے، ضرب المثل کا درجہ پا گئے۔

اقتباس(۳):

''مشاعرے کا ثقافتی ادارہ محض تفریحِ طبع کا مشغلہ نہیں، بلکہ شعر و سخن کی تحسین و تفہیم اور نئے کہنے والوں کی تربیت و حوصلہ مندی کا ایک موثر وسیلہ بھی رہا ہے۔ مشاعروں کی نجی محفلیں آج بھی کسی نہ کسی انداز میں اس کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے تحریر کردہ سبق ''مشاعَرہ'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''فرمان فتح پوری'' کی کتاب ''اردو زبان و ادب کی افادیت'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سبق مشاعَرہ میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری مشاعرے کی تعریف، اہمیت و افادیت بیان کر رہے ہیں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں مصنف کہتے ہیں کہ مشاعَرہ کی محفل کے انعقاد کا مقصد صرف تفریحِ طبع نہیں ہے، بلکہ اس قسم کی محافل ایک تربیت گاہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان محافل میں شریک ہونے والے عوام کو شعر و سخن کی شناسائی حاصل ہوتی ہے بلکہ شاعری کی دنیا میں نئے آنے والے شعرا بھی اساتذہ شعرائے کرام سے بہت سی نئی باتیں سیکھتے ہیں۔ شعر و شاعری کے حوالے سے ان کی تربیت ہوتی ہے۔

اقتباس(۴):

''روایتی اور ثقافتی اداروں کی صورت یہ ہوتی ہے کہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں کی طرح ان کے منظر نامے سیاسی و سماجی عوامل کی تبدیلیوں کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ چناں چہ شادی بیاہ اور منگنی کی رسومات و تقریبات سے لے کر میلاد شریف، مجلس مرثیہ خوانی، محفلِ سماع اور بزمِ نغمہ و سرور کے اب وہ آداب نہیں رہے جو آج سے پچاس سال پہلے تک پوری طرح موجود تھے۔ سب کا رنگ و آہنگ بدل گیا ہے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے تحریر کردہ سبق ''مشاعَرہ'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''فرمان فتح پوری'' کی کتاب ''اردو زبان و ادب کی افادیت'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سبق مشاعَرہ میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری مشاعرے کی تعریف، اہمیت و افادیت بیان کر رہے ہیں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں مصنف مشاعرے کو ثقافتی اور روایتی ادارہ قرار دینے کی وجہ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ روایتی اور ثقافتی اداروں کی خاص بات یہ ہوتی ہے کہ جہاں زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں تبدیلی رونما ہوتی ہے اسی طرح ان کے منظر نامے سیاسی و سماجی عوامل کی تبدیلیوں کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ چناں چہ شادی بیاہ اور منگنی کی رسومات ہوں یا مذہبی مجالس، ان کے اب وہ آداب نہیں رہے جو آج سے پچاس سال پہلے تک پوری طرح موجود تھے۔ یہی حال مشاعرے کا بھی ہے۔ اب مشاعرے کا مقصد شعر و ادب کی ترویج سے زیادہ سیاسی و سماجی اغراض کو پورا کرنا رہ گیا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

اقتباس(۵):

’’یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اس وقت ہندوستان، یورپ، انگلستان، چین، کینیڈا، جاپان، آسٹریلیا، امریکہ، ماریشس اور عرب ممالک وغیرہ میں اردو سے دل چسپی رکھنے والوں کی جو ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے، اس میں کسی باقاعدہ رسمی تعلیمی و تدریسی تحریک یا ادارے کا اتنا حصہ نہیں جتنا مشاعرے کا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ثقافتی ادارہ اردو کے لیے پہلے بھی ایک قوت رہا اور آج بھی ہے۔‘‘

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے تحریر کردہ سبق ’’مشاعرہ‘‘ سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ’’فرمان فتح پوری‘‘ کی کتاب ’’اردو زبان و ادب کی افادیت‘‘ سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سبق مشاعرہ میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری مشاعرے کی تعریف، اہمیت و افادیت بیان کر رہے ہیں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں مصنف مشاعرے کی اہمیت کا ایک اور پہلو بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دنیا کے بیشتر ممالک میں جہاں سرکاری و دفتری زبان اردو نہیں ہے لیکن وہاں اردو کے دل دادہ لوگوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ ان لوگوں کے لیے اردو ادب کی تعلیم کا کوئی اور رسمی یا غیر رسمی طریقہ موجود نہیں ہے سوائے مشاعرے کے۔ دنیا کے مختلف خطوں میں آج اردو، مشاعروں کی مرہون منت زندہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ مشاعرے اردو کی ترویج و ترسیل میں پہلے بھی ایک قوت کا درجہ رکھتے تھے اور آج بھی وہی مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

ادب آموزوں کے نام

چراغ حسن حسرتؔ

پیدائش ۱۹۰۲ء۔ وفات ۱۹۵۵ء

تعارفِ مصنف:

چراغ حسن حسرتؔ ۲۶ جون ۱۹۰۴ء کو کشمیر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار اردو کے صفِ اول کے طنز نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ’’سند باد جہازی‘‘ کے نام سے فُکاہیہ کالم لکھا کرتے تھے۔ قبل ازیں وہ اپنے کالموں میں کولمبس کا قلمی نام بھی استعمال کرتے رہے۔ حسرتؔ نے ایک ہفت روزہ رسالہ ’’شیرازہ‘‘ بھی جاری کیا۔ آپ نے اپنا صحافت نگاری کا سفر ’’زمیندار، انصاف اور احسان‘‘ جیسے اہم اخبارات سے وابستہ ہو کر کیا۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران ’’فوجی اخبار‘‘ کے مدیر بھی رہے۔

اہم تصانیف:

مضامینِ حسرتؔ	حرف وحکایت	سرگزشتِ اسلام	قائدِ اعظم
مردم دیدہ (خاکے)	اقبال نامہ	باتیں حسن یار کی (شعری مجموعہ)	

اقتباس(۱):

’’علم اور عقل ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کا مول تول نہ کیا جا سکے۔ لوگوں نے عقل اور علم دونوں کا وزن بھی معلوم کر لیا ہے۔ بلکہ

علم اور عقل کا تناسب بھی بتادیا ہے۔ مثلاً فارسی کی مشہور ضرب المثل ہے کہ یک من علم رادِہ من عقل باید۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم اور عقل دونوں ایسی چیزیں ہیں جو منوں کے حساب سے تُل کے بکتی ہیں۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس چراغ حسن حسرؔت کے تحریر کردہ سبق ''آدب آموزوں کے نام'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''چراغ حسن حسرت'' کی کتاب ''حرف و حکایت'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

سبق ''آدب آموزوں کے نام''، چراغ حسن حسرؔت کے مزاحیہ کالموں میں سے ایک کالم ہے۔ جو وہ سند باز جہازی کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ مندرجہ بالا اقتباس میں مصنف مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ ایک زمانے میں علم اور عقل دو ایسی چیزیں ہوا کرتی تھیں جن کا مول تول ممکن نہ تھا۔ لیکن آج کل کے لوگ اتنے عقل مند ہو چکے ہیں کہ انھوں نے ان دونوں کا مول تول بھی شروع کر دیا ہے۔ اب یہ نہ تُلنے والی اشیاء نہ رہیں۔ مثال کے طور پر فارسی کا ضرب المثل ہے کہ ''یک من علم رادِہ من عقل باید'' یعنی ایک من علم کے لیے دس من عقل چاہیے۔ حسرؔت کہتے ہیں کہ اس سے تو پتہ چلا کہ علم اور عقل دونوں نہ صرف قابل مول تول ہو چکے ہیں بلکہ یہاں بات ''سیر'' یا ''کلو'' سے آگے نکل کر ''من'' تک جا پہنچی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

لاہور میں ادیبوں کی کالونی

مُنّو بھائی (منیر احمد قریشی)

پیدایش ۱۹۳۳ء۔ وفات ۲۰۱۸ء

تعارفِ مصنف:

منو بھائی کا اصل نام منیر احمد قریشی تھا۔ ۶ فروری ۱۹۳۳ء کو وزیر آباد میں پیدا ہوئے۔ وہ صحافی، کالم نویس، شاعر اور پاکستان کے عظیم مصنف تھے۔ انھوں نے اپنے کیرئیر کا آغاز اخبار میں مترجم کے طور پر کیا مگر وقت کے ساتھ ساتھ وہ ڈرامہ نگار بن گئے۔ ڈرامہ نگار کے طور پر، منو بھائی کا سب سے مشہور ٹی وی ڈرامہ ''سونا چاندی'' ہے، جو ۱۹۸۲ء میں ریلیز ہوا تھا۔ مشہور شاعر اور دانش ور احمد ندیم قاسمی نے انھیں قلمی نام ''منو بھائی'' عطا کیا۔ روزنامہ جنگ میں فکاہیہ کالم ''گریبان'' سے بہت شہرت ملی۔

اہم تصانیف:

- اجے قیامت نئیں آئی (پنجابی شعری مجموعہ)
- محبت کی ایک سو ایک نظمیں
- جنگل اداس ہے (کالموں کا مجموعہ)
- انسانی منظر نامہ (تراجم)
- فلسطین فلسطین

اقتباس (۱):

''اگر دو حلقوں کی بدعت ادیبوں کی کالونی میں بھی چلی گئی تو یہ کالونی برلن بن جائے گی۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس منو بھائی کے تحریر کردہ سبق ''لاہور میں ادیبوں کی کالونی'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''مُنّو بھائی'' کی کتاب ''گریبان'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں منو بھائی کہتے ہیں کہ میں ادیبوں کی کالونی میں رہائش کے لیے درخواست تو دے دی لیکن بعد میں میں نے سوچا کہ اتنے سارے ادیب ایک جگہ کیسے جمع ہوں گے۔ جب ''حلقۂ اربابِ ذوق'' میں چند ادیب ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکے تو اس کالونی میں کیسے ہوں گے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں بھی ادیبوں کے دو گروہ بن جائیں۔ اگر ایسا ہوا تب تو یہ کالونی برلن بن جائے۔ جس طرح مشرقی برلن اور مغربی برلن کے درمیان ''دیوار برلن'' بنا کر انھیں جدا جدا کیا گیا اسی طرح ہماری کالونی بھی دو حصوں میں بٹ جائے گی۔

اقتباس (۲):

''معمارِ شہر کا مجسمہ نصب کرنے پر بھی ہنگامہ ہونے کا اندیشہ ہے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس منو بھائی کے تحریر کردہ سبق ''لاہور میں ادیبوں کی کالونی'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''مُنّو بھائی'' کی کتاب ''گریبان'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں مصنف کہتے ہیں کہ یہاں کالونی میں ہر شخص بلند پایہ اور عظیم المرتبت ہے۔ کوئی معمارِ شہر ہے تو کوئی مفکر کالونی۔ اب مسئلہ یہ درپیش ہوگا کہ اگر معمارِ شہر کا مجسمہ نصب کیا گیا تو مفکرِ کالونی ناراض ہوں گے۔ ان کا مجسمہ نصب کیا تو کوئی دوسرا ناراض ہو جائے گا۔ اس لیے کہ سب حضرات اتنی وقعت رکھتے ہیں کہ ہر ایک کا مجسمہ نصب کیا جا سکے۔ ظاہر ہے کہ سب کے مجسمے تو نصب ہو نہیں سکتے اور کسی ایک کا نصب کرنے میں دوسروں کی ناراضی کا ڈر ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

میرا البم

وزیر آغا

پیدائش ۱۹۲۲ء۔ وفات ۲۰۱۰ء

تعارفِ مصنف:

وزیر آغا کی پیدائش ۱۹۲۲ء میں وزیر کوٹ سرگودھا میں ہوئی۔ آپ نے ۱۹۵۶ء میں ''اردو ادب میں طنز و مزاح'' پر پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ وزیر آغا کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۵ء میں ہوا۔ ابتدا میں ''نصرت آرا نصرت'' کے نام سے نظمیں کہتے رہے اور ''نصیر آغا'' کے نام سے مضامین لکھتے رہے۔ آپ کی کئی ادبی حیثیتیں ہیں۔ غزل اور نظم کے شاعر تو ہیں ہی لیکن ان کا امتیاز بحیثیت نقاد کے بہت نمایاں ہے۔

وزیر آغا اپنی نوعیت کے پہلے نقاد ہیں جنہوں نے زمین اور کائنات کے دیومالائی تصور کو بروئے کار لاتے ہوئے شاعری اور

دوسرے فنون کی تفہیم کا سلسلہ قائم کیا۔ان کی کتاب ’’اردو شاعری کا مزاج‘‘ اپنی نوعیت کی پہلی اور آخری تنقیدی کاوش ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ انشائیہ کے موجد وزیر آغا ہی ہیں۔

اہم تصانیف:

اردو ادب میں طنز و مزاح	انشائیہ کے خدوخال	تنقید اور احتساب
غالؔب کا ذوقِ شاعری	نظمِ جدید کی کروٹیں	تخلیقی عمل

اقتباس(۱):

’’انسان کی ذات میں چھپا ہوا طفلِ مادّہ پرست اسے اشیاء جمع کرنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے اور پھر ایک روز یہ جمع شدہ اثاثہ وزنی ہو جاتا ہے کہ اس کے بوجھ تلے اس کا اپنا سانس بھی رکنے لگتا ہے۔‘‘

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس وزیر آغا کے تحریر کردہ سبق ’’میرا البم‘‘ سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ’’وزیر آغا‘‘ کی کتاب ’’دوسرا کنارا‘‘ سے ماخوذ ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں مصنف کہتے ہیں کہ ہر انسان کے اندر ایک چھوٹا بچہ چھپا ہوتا ہے جو اسے مختلف اشیا جمع کرنے اور انھیں سنبھال کے رکھنے پر مجبور کرتا ہے۔ مصنف نے اس بچے کو ’’طفلِ مادّہ پرست‘‘ کہا ہے یعنی وہ بچہ جو مادیت کا پرستار ہو۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ پرانی چیزوں کو نکال دیا جائے لیکن انسان کے اندر چھپا ہوا طفل مادہ پرست انھیں نکالنے نہیں دیتا۔ ڈھیر پر ڈھیر لگتے جاتے ہیں اور ایک وقت آتا ہے کہ انسان ان اشیا کی کثرت سے گھبراہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ جب یہ نوبت آجائے کہ ڈھیر اتنا بڑھ جائے کہ سانس لینا بھی دشوار ہو تو اسے ہلکا پھلکا کر لینا چاہیے۔

اقتباس(۲):

’’یہ مُہم ایک طرح کی سمندری موج ہے جو اپنی اولین یلغار میں سطح سمندر پر پھیلی ہوئی اَن گنت بد نما سلوٹوں پر پانی تو پھیرتی ہے مگر جب اس کے بعد رکتی ہے تو سمندر کی سطح پر پہلے سے بھی زیادہ سلوٹیں نمودار ہو جاتی ہیں۔‘‘

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس وزیر آغا کے تحریر کردہ سبق ’’میرا البم‘‘ سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ’’وزیر آغا‘‘ کی کتاب ’’دوسرا کنارا‘‘ سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں مصنف کہتے ہیں کہ جب کاغذات کا ڈھیر حد سے بڑھ جائے تو پرانی اشیا کو فارغ کر دینا چاہیے۔ لیکن مشاہدہ بتاتا ہے کہ پرانے کاغذات کو صاف کرنے کی مہم اتنی مشکل ہے کہ اسے شروع کرتے ہی انسان تھک ہار کر دل ہار جاتا ہے۔ اس مہم کی مثال بالکل ایک سمندری موج کی طرح ہے۔ سمندر کی موج جب ساحل کی طرف لوٹتی ہے تو ساحل کی ریت پر بنی ہوئی سلوٹوں کو مٹا دیتی ہے لیکن جب وہ ساحل سے ٹکرا کر واپس لوٹتی ہے تو ساحل کی ریت پر پہلے سے زیادہ نئی سلوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح انسان پرانے کاغذات کو ترتیب دینا شروع کرے تو وہ پہلے سے زیادہ بے ترتیب ہو جاتے ہیں۔ جس سے انسان شکست خوردہ ہو کر اس مہم کو وہیں روک دیتا ہے۔

اقتباس(۳):

’’بعض لمحے ایسے بھی تھے جو یادداشت کی سرحد پار کر چکے تھے اور اب منت سماجت پر بھی واپس آنے کو تیار نہ تھے۔ یوں بھی

زمانے کی مرطوب ہوانے ان پر سبز کائی کا ایک غلاف کچھ اس طور چڑھا دیا تھا اور ان کے خد و خال تک ماند پڑ گئے تھے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس وزیر آغا کے تحریر کردہ سبق ''میرا البم'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''وزیر آغا'' کی کتاب ''دوسرا کنارا'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں مصنف کہتے ہیں کہ پرانی تصویروں کے البم کو دیکھتے دیکھتے بعض ایسے مناظر سامنے آئے جن میں موجود اپنی پرانی تصویروں کے واقعات میں گم ہو گیا۔ اگرچہ ماضی کے وہ لمحات ایسے تھے کہ اب یاد کرنے سے بھی یاد نہ آتے تھے۔ ویسے بھی گردشِ زمانہ سے وہ لمحات بہت دھندلے ہو گئے ہیں۔ ان کے دھندلے پن کو پرانی چیز سے تعبیر کیا ہے جس پر ہوا کی نمی کی وجہ سے سبز کائی جم گئی ہو۔

سحر ہونے تک

فضل احمد کریم فضلیؔ

JOIN FOR MORE!!!

پیدائش ۱۹۰۶ء۔ وفات ۱۹۸۱ء

تعارف مصنف:

شاعر اور ناول نگار فضل احمد کریم فضلی ۴ نومبر ۱۹۶۰ء کو اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ نام فضل احمد اور فضلیؔ تخلص تھا۔ الہ آباد اور آکسفرڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ بنگال میں کئی اہم سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان چلے آئے اور حکومت مشرقی پاکستان میں سکریٹری محکمہ تعلیمات کے طور پر اپنی خدمات انجام دیں۔ کچھ عرصے تک وزارت امور کشمیر کے سیکریٹری بھی رہے۔ آپ نے ۱۹۵۱ء میں امریکی حکومت کی دعوت پر امریکہ کی مختلف یونیورسٹیوں میں مہمان لکچرار کے طور پر لکچر دیے۔

فضلی نے نظم اور نثر دونوں صورتوں میں اہم کارنامے انجام دیے۔ فضلی کی شاعری کلاسیکی رچاؤ کے ساتھ نئے سماجی شعور سے بھی ہم آہنگ نظر آتی ہے۔ انہوں نے بڑی مقدار میں قومی اور ملی موضوعات پر نظمیں بھی کہیں۔ ''خون جگر ہونے تک'' اور ''سحر ہونے تک'' ان کے ناول ہیں۔ یہ ناول بھی فضلی کے ایک بیدار تخلیقی ذہن کا پتہ دیتے ہیں۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد فضلیؔ نے کراچی میں رہ کر کئی فلمیں بھی بنائیں۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۸۱ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔

اہم تصانیف:

نغمۂ زندگی (شعری مجموعہ) چشمِ غزال (شعری مجموعہ) خونِ جگر ہونے تک (ناول)

سحر ہونے تک (ناول)

اقتباس (۱):

''بھیڑ کا یہ عالم کہ بہ قول شخصے اگر تھالی پھینک دی جائے تو انسانوں کے سروں ہی پر میلوں ناچتی چلی جائے گی۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس فضل احمد کریم فضلی کے تحریر کردہ سبق ''سحر ہونے تک'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''فضل احمد کریم فضلی'' کے ناول ''سحر ہونے تک'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

قائد اعظم محمد علی جناح جلسہ کرنے کے لیے کلکتہ آنے والے تھے۔ ان کے استقبال کے لیے مقامی اور دور دور سے آئے ہوئے لوگ جمع تھے۔ مجمع ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں موجود تھااور کئی میلوں تک صرف سر ہی سر دکھائی دیتے تھے۔ ایک شخص کے کہنے کے مطابق اگراس مجمعے کے سروں پر کوئی تھالی پھینک دی جائے تو کئی میلوں تک اسے زمین پر گرنے کی جگہ نہیں ملے گی وہ لوگوں کے سروں پر ہی جھولتی رہے گی۔

اقتباس(۲):

""مسٹر جناح اس وقت انسان کی صورت میں زندہ شیر کی طرح ہیں اور مسلمانوں کے دلوں پر جس طرح حکومت کر رہے ہیں، وہ کوئی راجا بھی کیا کرے گا۔""

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس فضل احمد کریم فضلی کے تحریر کردہ سبق ""سحر ہونے تک"" سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ""فضل احمد کریم فضلی"" کے ناول ""سحر ہونے تک"" سے ماخوذ ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ب) تشریح:

قائد اعظم کے استقبال کے لیے جو لوگ جمع تھے وہ قائد کی آمد پر زور زور سے قائد اعظم زندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔ مجمع میں کچھ یوپی بہار کے لوگ بھی شامل تھے وہ ""زندہ باد"" کو ""زندہ بھاگ"" سمجھے۔ یعنی لوگوں کا راجا۔ مصنف کہتے ہیں کہ ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ مطلب بھی غلط نہیں تھا کیوں کہ جس طرح قائد اعظم مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کر رہے تھے ایسی حکومت تو کسی راجا کو بھی کیا نصیب ہوئی ہو گی۔

اقتباس(۳):

""عالمی بساطِ سیاست پر یہ ایک اور مہرہ ضرور آئے گا۔ اس کے آنے کے بعد بازی کا نقشہ کس طرح بدلنا پڑے گا؟ اس پر ابھی سے غور کرنا چاہیے، شطرنج کا اچھا کھلاڑی وہی ہے جو بہت دور کی چالیں پہلے سے سوچ لے۔""

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس فضل احمد کریم فضلی کے تحریر کردہ سبق ""سحر ہونے تک"" سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ""فضل احمد کریم فضلی"" کے ناول ""سحر ہونے تک"" سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

قائدِ اعظم کی سواری گزرنے اور لوگوں کا جوش خروش دیکھنے کے بعد وہاں موجود دو انگریز صحافی، اسمتھ اور ریمزے آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔ یہ جملہ اسمتھ کا ہے جس میں وہ پاکستان کے قیام کا عندیہ دے رہا ہے۔ اس کے مطابق عالمی سیاست کی شطرنج میں ایک نیا مہرہ یعنی پاکستان بہت جلد نظر آنے والا ہے۔ اور بقول اس کے پوری دنیا کی سیاست کو انگریز ہی کنٹرول کر رہے ہیں تو اب ان کو سنجیدگی کے ساتھ سوچنا چاہیے کہ عالمی سیاست کی بساط پر اس نئے آنے والے مہرے سے کیا فرق پڑے گا اور اس نئے مہرے کی آمد کے بعد بھی عالمی بساط کو اپنے قبضے میں رکھنے کے لیے کون سی نئی چالوں کی ضرورت پڑے گی۔

زمین

خدیجہ مستور

پیدائش ۱۹۲۷ء۔ وفات ۱۹۸۲ء

تعارف مصنفہ:

اردو فکشن کی دنیا میں ایک معتبر اور مشہور نام خدیجہ مستور کا ہے۔ خدیجہ مستور کے افسانوں کے پانچ مجموعے سامنے آئے۔ جن میں ''بوچھاڑ اور چندروز اور'' شامل ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں اپنے شہرہ آفاق ناول ''آنگن''، پر آدم جی ایوارڈ ملا۔ ان کا یہ ناول کردار نگاری، منظر نگاری اور اسلوب کے لحاظ سے منفرد ناول ہے۔ جب کہ اُن کے افسانوں کے آخری مجموعے ''ٹھنڈا میٹھا پانی'' پر انھیں ہجرہ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ڈاکٹر احسن فاروقی لکھتے ہیں:

''آنگن کسی ایک گھر کی کہانی نہیں بلکہ اس کینوس پر پورا برصغیر رنگ بکھیرتا نظر آتا ہے۔''

اہم تصانیف:

آنگن	زمین	ٹھنڈا میٹھا پانی	بوچھار
چندروز اور	تھکے ہارے		

JOIN FOR MORE!!!

اقتباس(۱):

''ڈاکٹر کے جانے کے بعد ابا بہت ہنسے تھے ''کل کو ڈاکٹر صاحب کہیں گے کہ پیٹ ہی بدوالو۔'' ساجدہ نے کیسا کیسا سمجھایا مگر ابا تو آپریشن کی بات ہی سننے کو تیار نہ تھے۔ باپ کی کم علمی بعض وقت اسے خون کے آنسو رلاتی۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس خدیجہ مستور کے تحریر کردہ سبق ''زمین'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''خدیجہ مستور'' کے ناول ''زمین'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

ساجدہ ان لوگوں میں شامل تھی جو ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے اور مہاجر کیمپ میں موجود تھے۔ ساجدہ کے ابا بداحتیاطی اور کثرتِ حقہ کی وجہ سے کافی بیمار رہتے تھے اور اس کی ان کو پرواہ بھی نہ تھی۔ ساجدہ بہت سمجھاتی کہ آپریشن کروالیا جائے لیکن وہ ان باتوں کی اہمیت کو نہ سمجھتے اور ٹال مٹول کرتے۔ ساجدہ کو معاملے کی نزاکت کا احساس تھا لیکن وہ بے بس تھی۔ ابا کے آگے اس کی ایک نہ چلتی۔ وہ اپنے ابا کی تعلیمی تہی دستی سے بہت کڑھتی لیکن کر کچھ بھی نہیں سکتی تھی۔

اقتباس(۲):

''اس نے ابا کے چہرے سے چادر سرکا کر لالٹین کی بتی اونچی کر دی۔ سرد، اداس اور ویران چہرہ جیسے اس سے سرگوشی کر رہا تھا ''اری بٹیا! زندگی کے حساب میں بھی غلطی ہو گئی، اب تم کیا کرو گی؟''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس خدیجہ مستور کے تحریر کردہ سبق ''زمین'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''خدیجہ مستور'' کے ناول ''زمین'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

یہ منظر ساجدہ کے والد کی میت کا ہے۔ انتقال کے بعد ان کا چہرہ بہت اداس اور ویران دکھائی دے رہا ہے کیوں کہ انھیں اس بات کا احساس ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو بے سہارا اور زمانے کے رحم و کرم پر تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ پاکستان آ کر جس آزادی اور سکون کی زندگی کے خواب انھوں نے خود دیکھے اور اپنی بیٹی کو دکھائے وہ سب ہوا ہو گئے۔

نئے دور کی لڑکی

مرزا قلیچ بیگ

پیدائش ۱۸۵۳ء۔ وفات ۱۹۲۹ء

(اردو ترجمہ: امداد حسینی)

JOIN FOR MORE!!!

تعارف مصنف:

مرزا قلیچ بیگ سندھی ادب کے ایک معروف عالم اور ایک تخلیقی مصنف تھے۔ قلیچ بیگ نے ایک مکتب سے تعلیم حاصل کی اور بعد میں گورنمنٹ ہائی سکول حیدر آباد میں داخلہ لے لیا۔ اس کے بعد ممبئی میں الفنسٹون کالج (Elphinstone College) میں داخلہ لیا۔ سندھ واپس لوٹنے کے بعد انہوں نے عدالتی امتحان پاس کیا اور محصولاتی افسر کے طور پر شکار پور میں تعینات ہوئے۔ تیس سالہ برطانوی سروس کے اختتام پر ۱۹۱۰ء میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

مرزا قلیچ بیگ نے آٹھ مختلف زبانوں میں ۴۵۷ کتابیں لکھیں اور ان کا ترجمہ کیا۔ ان میں عربی، بلوچی، انگریزی، فارسی، سندھی، سرائیکی، ترکی اور اردو زبانیں شامل ہیں۔ انھوں نے ''زینت'' کے نام سے پہلا سندھی ناول لکھا۔ مرزا قلیچ بیگ کی شاہ عبداللطیف بھٹائی کی سوانحِ حیات اور شاعری اور زندگی پر ان کی دیگر کتابیں سندھی ادب میں ایک بڑی شراکت اور سندھی زبان میں ادبی تنقید کا آغاز تصور کی جاتی ہیں۔ انھوں نے شکسپیر کے ڈراموں کی ایک بڑی تعداد کا بھی سندھی زبان میں ترجمہ کیا۔

اہم تصانیف:

دیوانِ قلیچ   احوال شاہ عبداللطیف بھٹائی   زینت (ناول)   لغات لطیفی

اقتباس (۱):

''سونا چاندی تو آنی جانی شے ہے، آج ہے تو کل نہیں۔ عورت کے لیے سونا چاندی ہی کافی نہیں، پرکھنا تو اس شخص کو چاہیے جس کا ہاتھ تھامنا ہے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس مرزا قلیچ بیگ کے تحریر کردہ سبق ''نئے دور کی لڑکی'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''مرزا قلیچ بیگ'' کے سندھی ناول ''زینت'' سے ماخوذ ہے۔ ناول زینت کا اردو ترجمہ امداد حسینی نے کیا۔

(ب) تشریح:

یہ زینت کا جملہ ہے جو اس نے اپنی بُوا بختاور سے تب کہا جب وہ اس کے سامنے سیٹھ گل محمد کے بیٹے سے شادی کرنے کے فضائل

گنوار ہی تھی۔ سیٹھ گل محمد کا لڑکا بہت چھوٹا تھا اور زینت سے اس کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ اس کے باوجود بختاور اس کی دولت کی وجہ سے زینت کو اس سے شادی کرنے کا مشورہ دے رہی تھی۔ بختاور کا خیال تھا کہ کسی امیر زادے سے شادی کر کے وہ ہمیشہ سکھی رہ سکتی ہے۔ جبکہ زینت کا خیال اس سے بالکل مختلف تھا۔ اس کی رائے میں سونا چاندی اور مال و دولت پر زندگی کا تکیہ کرنا احمقانہ فیصلہ تھا۔ کیوں کہ یہ آنی جانی چیزیں ہیں، ان کا کوئی بھروسہ نہیں۔ شادی کرتے وقت انسان کی دولت کو نہیں اس کے کردار کو پرکھنے کی ضرورت ہے۔

اقتباس(۲):

''اپنے ہاتھ سے بوئی ہوئی فصل کاٹنے کا ہی آسرا رکھنا چاہیے۔ جس میں اپنی صلاحیت نہیں ہو گی، اس دنیا میں کس طرح گزارا کرے گا اور کس طرح دوسروں کا بوجھ اٹھائے گا۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس مرزا قلیچ بیگ کے تحریر کردہ سبق ''نئے دور کی لڑکی'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''مرزا قلیچ بیگ'' کے سندھی ناول ''زینت'' سے ماخوذ ہے۔ ناول زینت کا اردو ترجمہ امداد حسینی نے کیا۔

(ب) تشریح:

یہ بھی زینت کا جملہ ہے جو اس نے اپنی بُوا بختاور سے اس وقت کہا جب وہ اسے اس کے ماموں زاد امیر علی سے شادی کرنے کا مشورہ دے رہی تھی۔ امیر علی زینت کے ماموں کا لڑکا تھا اور نہایت ہی نکما اور نکھٹو ہونے کے ساتھ ساتھ گونگا بھی تھا۔ زینت نے اس سے شادی کرنے پر جب پس و پیش کیا تو بختاور نے اس کے فضائل بیان کرتے ہوئے کہا کہ اپنا ہی خون ہے۔ تمھارا ماموں زاد ہے۔ رہی بات اس کے ناکارہ ہونے کی تو اس کے ماں باپ تحفظ دینے کے لیے موجود ہیں۔ زینت کے پاس اس کا یہ جواب تھا کہ جو شخص خود کو نہیں سنبھال سکتا وہ مجھے کیا سنبھالے گا۔ ماں باپ ساری زندگی تو سہارا نہیں بن سکتے۔ انسان میں خود بھی کوئی صلاحیت ہونی چاہیے۔

JOIN FOR MORE!!!

چار مال دار

سید حیدر بخش حیدری

پیدائش ۱۷۶۸ء۔ وفات ۱۸۲۳ء

تعارف مصنف:

سید حیدر بخش حیدؔری فورٹ ولیم کالج کے مصنفوں میں سب سے زیادہ کتابوں کے مصنف و مترجم ہیں۔ نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ شاعر بھی ہیں لیکن ان کی شہرت کا مدار نثری تصانیف پر ہے۔

ان کا نام حیدر بخش اور تخلص حیدؔری ہے۔ حیدؔری کے والد سید ابوالحسن دہلی کے باشندے تھے، مگر تلاشِ معاش میں بنارس چلے گئے تھے۔ وہیں حیدری کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ بنارس کے ناظمِ عدالت نواب علی ابراہیم خان خلیل نہایت بلند پایہ ادیب، بہت سی کتابوں کے مصنف اور بڑے اچھے شاعر تھے۔ ان کی صحبت میں حیدری نے علوم متعارفہ حاصل کیے۔ شعر و شاعری سے شوق اور ادب سے دلچسپی انھی کے طفیل حیدری کو میسر آئی۔ ایک عالم متبحر قاضی عبدالرشید سے حیدؔری نے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی اور مولوی غلام حسین غازی پوری سے حدیث، فقہ تفسیر اور تاریخ پڑھی۔

حُسن اتفاق سے انھی دنوں فورٹ ولیم کالج کے لیے ڈاکٹر گل کرسٹ کو قابل ادیبوں اور انشاپردازوں کی ضرورت تھی جو اردو میں کتابیں تالیف اور ترجمہ کریں۔ حیدریؔ کو پتا چلا تو ایک قصہ ''مہر و ماہ'' کے نام سے لکھا اور بطور نمونہ لے کر کلکتہ پہنچے۔ نمونہ منظور ہوا اور حیدریؔ ملازم ہو کر حصولِ معاش سے بے فکر ہو گئے۔ عرصے تک ملازمت کے بعد ۱۸۱۴ء سے قبل حیدریؔ واپس بنارس چلے آئے اور یہیں ۱۸۲۳ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

اہم تصانیف:

قصہ لیلیٰ مجنوں	مثنوی ہفت پیکر	گلزارِ دانش	گلدستۂ حیدریؔ
تذکرۂ گلشنِ ہند	گلِ مغفرت	آرائشِ محفل	توتا کہانی

اقتباس(۱):

''توتے نے کہا: ''اے خجستہ! یہ کیا کہتی ہے۔ دوستوں کی بات مانا(ماننا) چاہیے کیوں کہ جو کہنا دوستوں کا نہیں مانتا وہ خراب ہوتا ہے اور پشیمانی کھینچتا ہے۔''

JOIN FOR MORE!!!

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس سید حیدر بخش حیدری کے تحریر کردہ سبق ''چار مال دار'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''سید حیدر بخش حیدری'' کی داستان ''توتا کہانی'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

خجستہ حسبِ معمول رات کو اپنے محبوب کے پاس جانے کو بے تاب تھی اور توتے سے کہہ رہی تھی کہ تم ہر رات کہانی سنا کر مجھے روک لیتے ہو۔ تمھاری وجہ سے ابھی تک میری اپنے محبوب سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اس پر توتے نے کہا کہ ایسامت کہو میں تو تمھارا دوست ہوں۔ جو کرتا ہوں تمھارے بھلے کی خاطر کرتا ہوں۔ تم بھی میری بات مانو اور اپنے شوہر سے بے وفائی کرنے کا ارادہ ترک کر دو۔ جو دوستوں کی بات نہیں مانتا وہ ہمیشہ شرمندہ ہوتا ہے۔

اقتباس(۲):

''میں آگے جاؤں گا تو جواہر کی کان پاؤں گا، یہاں کیوں رہوں۔'' یہ کہہ کر آگے چلا۔ جب قریب ایک کوس کے پہنچا، تب اس کا بھی مہرہ گرا۔ اسی طرح جو اس نے وہ جگہ کھودی تو لوہا نکلا۔ یہ حالت دیکھ کر نہایت شرمندہ ہوا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ میں نے کیوں سونے کو چھوڑا اور اپنے یار کا کہنا نہ مانا۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس سید حیدر بخش حیدری کے تحریر کردہ سبق ''چار مال دار'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''سید حیدر بخش حیدری'' کی داستان ''توتا کہانی'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

تیسرے مال دار کی کھدائی پر جب سونا نکلا تو اس نے چوتھے مال دار کو کہا کہ تم چاہو تو میرے ساتھ اس سونے میں میرے شریک بن سکتے ہو۔ چوتھے مال دار نے کہا کہ ہر دفعہ کچھ پہلے سے بہتر نکلتا ہے۔ میری باری میں ہیرے جواہرات نکلیں گے، سو میں اس سونے کے چکر میں اپنے جواہرات کیوں گنواؤں؟ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دور جا کر اس کے سر سے بھی مہرہ گرا۔ اس نے وہاں کھدائی کی تو

وہاں سے لوہا نکلا۔ وہ بہت شرمندہ ہوا کہ کاش سونے میں اپنے دوست کا شریک بن جاتا۔ یہ سوچ کر واپس پلٹا اس شخص کے پاس پہنچا جس نے سونے کی کان نکالی تھی۔ وہاں نہ تو سونا ملا اور نہ وہ شخص ملا۔ وہ چاندی والے شخص کے پاس گیا۔ اسے بھی نہ پایا۔ وہاں سے تانبے والے کے پاس گیا، لیکن وہاں بھی اسے نہ تانبا ملا اور نہ ہی وہ شخص جس کے حصے میں تانبا آیا تھا۔ تب وہ بہت شرمندہ ہوا اور اپنی قسمت کو کوسنے لگا۔ آخر کو وہ حکیم کے ٹھکانے گیا۔ مگر وہاں حکیم بھی موجود نہ تھا۔ اب اس کے ہاتھ سوائے افسوس کرنے اور اپنے آپ کو لعن طعن کرنے کے کچھ نہ بچا۔

مولانا حسرؔت موہانی

مولوی عبدالحق

پیدائش ۱۸۷۰ء۔ وفات ۱۹۶۱ء

JOIN FOR MORE!!!

تعارفِ مصنف:

بابائے اردو مولوی عبدالحق کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ نے اپنی زندگی اردو کے نام کر دی اور عملی، انتظامی، تقریری اور تحریری ہر طرح سے اردو زبان کی خدمت کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریروں میں خلوص کے ساتھ ساتھ ادبی تاثیر، شگفتگی، روانی اور حکمت و دانائی کا عکس نظر آتا ہے۔ جس میں انفرادیت ہر لحمہ برقرار رہتی ہے۔ یہ ان کی خدمات کا اعتراف ہی ہے کہ وہ ہر جگہ ''بابائے اردو'' کہلائے۔ آپ کے بارے میں کہا گیا:

''دورِ جدید میں اردو کی تاریخ اور تنقید کا جو مزاج تعلیم یافتہ طبقے میں پیدا ہوا ہے اور اردو کی جو علمی سطح پیدا ہوئی ہے اس میں مولوی صاحب کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔'' (ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)

اہم تصانیف:

چند ہم عصر	تنقیداتِ عبدالحق	مقدمات عبدالحق	اردو زبان اور ادب
خطبات عبدالحق	لغتِ کبیر	قواعدِ اردو	

اقتباس (۱):

''وہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے بلکہ دوسروں پر چھا جاتے تھے۔ بھارت کی دستور ساز مجلس اور پارلیمنٹ میں بھی ان کی آزادی اور جرأت کا یہی رنگ تھا۔ بعض وقت ان کی للکار سے سردار پٹیل اور ان کے ساتھی گھبرا اٹھتے تھے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس مولوی عبدالحق کے تحریر کردہ خاکے ''مولانا حسرؔت موہانی'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''مولوی عبدالحق'' کی کتاب ''چند ہم عصر'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں مولوی عبدالحق، مولانا حسرؔت موہانی کی شخصیت کی چند خصوصیات بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مولانا صاحب کی شخصیت اتنی رعب دار تھی کہ وہ کسی بھی حال میں دوسروں سے مرعوب نہیں ہوتے تھے بلکہ اپنی شخصیت کی خوبیوں کی وجہ سے

دوسروں پہ چھا جاتے تھے۔ عام مجالس تو اپنی جگہ، بھارت کی دستور ساز اسمبلی اور پارلیمنٹ میں بھی ان کے رعب وداب کا یہی عالم تھا۔ بعض اوقات سردار پٹیل جیسے بارعب آدمی اور ان کے ساتھی بھی مولانا سے مرعوب ہو جاتے تھے۔

اقتباس(۲):

''ان کے ہاں کوئی راز نہ تھا، سب کچھ کہتے چلے جاتے تھے۔ نہایت منکسر المزاج، حلیم الطبع اور ہمدرد تھے۔ کوئی ان کے پاس اپنی مصیبت یا بے انصافی کا دُکھڑا لے کر جاتا تو اس کے لیے دوڑے دوڑے پھرتے اور لڑتے جھگڑتے تھے۔ رائے کے اختلاف سے ذاتی تعلق اور ملاقات میں کبھی فرق نہ آتا۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس مولوی عبدالحق کے تحریر کردہ خاکے ''مولانا حسرؔت موہانی'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''مولوی عبدالحق'' کی کتاب ''چند ہم عصر'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں مولوی عبدالحق، مولانا حسرؔت موہانی کی شخصیت کی چند خصوصیات بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مولانا صاحب کھلے دل کے آدمی تھے۔ جو دل میں ہوتا وہی زبان پر لاتے تھے۔ لوگوں کے درمیان ڈھنڈورا پیٹنے کے بجائے ہمیشہ متعلقہ شخص سے بات کرتے تھے۔ اس کے علاوہ عاجزی وانکساری کا پیکر تھے۔ اگر کوئی اپنا کوئی مسئلہ لے کر ان کے پاس جاتا تو اسے اپنا مسئلہ جان کر اس کے لیے لڑ بِھڑ جاتے تھے۔ اور اگر کسی معاملے میں کسی سے رائے مختلف ہو تو اس اختلاف کو اسی حد تک رکھتے تھے، اس سے ذاتی تعلق پر کوئی فرق نہیں آنے دیتے تھے۔

JOIN FOR MORE!!!

اقتباس(۳):

''سالہا سال تک ''اردوئے معلّیٰ'' ان کی ادارت میں نکلتا رہا۔ اس رسالے نے ادبی ذوق کے پھیلانے میں بڑا کام کیا۔ اس میں اچھے تنقیدی اور ادبی مضامین نکلتے رہے۔ اس کے علاوہ اس میں ایک بات یہ بڑی اچھی تھی کہ بعض ایسے اچھے شعرا کے کلام کا انتخاب بھی چھپتا رہتا تھا جن کا کلام کبھی طبع نہیں ہوا تھا یا کبھی طبع ہوا تھا تو اب نایاب تھا۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس مولوی عبدالحق کے تحریر کردہ خاکے ''مولانا حسرؔت موہانی'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''مولوی عبدالحق'' کی کتاب ''چند ہم عصر'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں مولوی عبدالحق، مولانا حسرؔت موہانی کے جاری کردہ رسالے ''اردوئے معلیٰ'' کا ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس رسالے نے اردو ادب کی بیش بہا خدمت کی۔ عام لوگوں میں شعر وادب کو اُجاگر کرنے میں اس رسالے نے کلیدی کردار ادا کیا۔ اس میں بہت سے اچھے تنقیدی اور ادبی مضامین چھپتے رہے۔ اس کے علاوہ اس رسالے میں بہت سے غیر معروف شعرا کے کلام کو تشہیر دی گئی۔ اسی طرح وہ شعرا جن کے کلام نایاب ہو چکے تھے ان کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔

اقتباس(۴):

''مولانا حسرؔت ایسے ادیب تھے جنھوں نے باوجود اول سے آخر تک سیاست میں شور بور ہونے کے ادب کے دامن کو نہ چھوڑا اور

جس طرح انھوں نے سیاست میں ہنگامہ برپا کر کے آزادی، حق گوئی اور جرات کی بے نظیر مثال پیش کی۔ اسی طرح انھوں اپنے افکار وخیالات سے شعر کا درجہ بلند کر دیا۔ وہ سوائے شعر کے ہر چیز میں خواہ زندگی کی سادگی ہو یا سیاست، انتہا پسند تھے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس مولوی عبدالحق کے تحریر کردہ خاکے ''مولانا حسرت موہانی'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''مولوی عبدالحق'' کی کتاب ''چند ہم عصر'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں مولوی عبدالحق، مولانا حسرت موہانی کی شخصیت میں ادب اور سیاست کے امتزاج کو بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جس طرح مولانا نے سیاست میں اپنی حق گوئی اور جرات سے اپنا ڈنکا بجائے رکھا بالکل اسی طرح اپنے فکری بلندی اور رفعتِ تخیل سے شعر و ادب میں بھی اپنا لوہا منوایا۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعے دونوں میدانوں میں یکساں مقبول رہے۔

JOIN FOR MORE!!!

سر اقبال مرحوم

رشید احمد صدیقی

پیدائش ۱۸۹۶ء۔ وفات ۱۹۷۷ء

تعارفِ مصنف:

پروفیسر رشید احمد صدیقی یوپی کے ضلع جونپور کے گاؤں مڑیا میں پیدا ہوئے۔ آپ اردو ادب کی تاریخ میں نہایت اعلیٰ درجے کے قلم کار ہیں۔ آپ کو ''استاذالاساتذہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے طالب علمی کے زمانے سے مزاحیہ مضامین لکھنا شروع کیے۔ علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۲۲ء میں وہیں کالج میں پروفیسر ہو گئے اور جب یونیورسٹی بنی اور اردو ادبیات کا شعبہ قائم ہوا تو رشید احمد صدیقی کو صدر شعبہ بنا دیا گیا۔ ہر صنفِ ادب میں آپ نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا اور اصلاح معاشرہ کے لئے مضامین تحریر کیے۔ آپ کے بارے میں کہا گیا:

''اکبر کے بعد اردو میں طنزیاتی روح سب سے زیادہ رشید احمد صدیقی کے یہاں ہے۔'' (آل احمد سرور)

اہم تصانیف:

گنج ہائے گراں مایہ (خاکے)	طنزیات ومضحکات	مضامین رشید
اردو طنز ومزاح کی تنقیدی تاریخ	آشفتہ بیانی میری (خودنوشت)	خنداں
ہم نفسانِ رفتہ		

اقتباس (۱):

''گٹھا ہوا جسم، چوڑی چکلی ہڈیاں، مردانہ انداز آنکھوں کی ساخت اور مونچھوں کی وضع کسی قدر تُورانیوں جیسی، سوٹ بڑا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مسکرانے میں آنکھوں کے گوشوں میں جُھرّیاں پڑتی تھیں جن سے ذکاوت وملاطفت کا اظہار ہوتا تھا۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس رشید احمد صدیقی کے تحریر کردہ خاکے ''سر اقبال مرحوم'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''رشید احمد صدیقی'' کی کتاب ''گنج ہائے گراں مایہ'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں رشید احمد صدیقی علامہ محمد اقبال کی شخصیت کی خوبیاں اور ان کے قد کاٹھ کو بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ علامہ کا انتہائی مضبوط جسم اور چوڑی چکلی ہڈیاں تھیں۔ آپ مردانہ وجاہت سے بھرپور تھے۔ آنکھوں اور مونچھوں کی بناوٹ کسی قدر تورانیوں جیسی تھی (توران ایشیا کے وسط میں ترکوں اور تاتاریوں کا آبائی مقام تھا)۔ علامہ اقبال کی آنکھیں وغیرہ تاتاریوں سے ملتی جلتی تھیں۔ ویسے تو کوئی بھی لباس زیبِ تن کرتے تو اچھا لگتا لیکن سوٹ بہت زیادہ اچھا لگتا تھا۔ جب مسکراتے تو آنکھوں کے کناروں میں جھریاں پڑتی تھیں جن سے ذہانت اور طبیعت کی نرمی جھلکتی تھی۔

اقتباس (۲):

''آواز بھاری تھی لیکن بلند ہونے کے ساتھ ساتھ زور اور صفائی بڑھتی جاتی۔ میں نے اس خود اعتمادی کے ساتھ جس میں عالمانہ اور والہانہ دونوں انداز متوازی و متوازن ہوں، کم لوگوں کو گفتگو کرتے سُنا ہے۔''

JOIN FOR MORE!!!

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس رشید احمد صدیقی کے تحریر کردہ خاکے ''سر اقبال مرحوم'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''رشید احمد صدیقی'' کی کتاب ''گنج ہائے گراں مایہ'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں رشید احمد صدیقی علامہ محمد اقبال کی شخصیت کی خوبیاں بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ علامہ کی آواز بھاری تھی۔ لیکن ایسی بھاری نہیں جو بلند ہو کر سمجھ میں آنا بند ہو جائے۔ بلکہ علامہ کی آواز جتنی بلند ہوتی جاتی تھی اتنی ہی زیادہ صاف اور واضح ہوتی جاتی۔ اس کے علاوہ، بات کرتے تو اس خود اعتمادی کے ساتھ بولتے کہ اندازِ گفتگو سے عالمانہ بردباری کی لطافت اور علم و فضل کی گہرائی دونوں بہ یک وقت دکھائی دیتے تھے۔ مصنف کہتے ہیں کہ ایسی خود اعتمادی کم کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

اقتباس (۳):

''نعمت کے مطابق انسان کو ظرف نصیب نہ ہو تو نعمت، لعنت بن جاتی ہے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس رشید احمد صدیقی کے تحریر کردہ خاکے ''سر اقبال مرحوم'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''رشید احمد صدیقی'' کی کتاب ''گنج ہائے گراں مایہ'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں رشید احمد صدیقی نے علامہ اقبال کا ایک جملہ نقل کیا ہے۔ علامہ کہتے ہیں کہ انسان کو اس کے ظرف سے زیادہ نعمت مل جائے تو وہ نعمت اس سے سنبھالی نہیں جاتی اور وہ ناشکرا بن جاتا ہے۔ اس طرح وہ نعمت، نعمت نہیں رہتی لعنت بن جاتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ نعمت پر شکر ادا کیا جائے تو نعمت میں اضافہ ہوتا ہے اور اگر نعمت کی ناشکری کی جائے اور کم ظرفی کا مظاہرہ کیا

جائے تو اللہ تعالیٰ نعمت چھین لیا کرتے ہیں۔

اقتباس(۴):

''معجزے کا زمانہ نہیں رہا، لیکن محبت و خلوص میں اب بھی بڑی کرامتیں پوشیدہ ہیں۔ دوسروں کی وہ کون سی تکلیف ہے، جس کو میں یا آپ محبت سے کچھ اور نہیں تو تھوڑی دیر کے لیے زائل نہیں کر سکتے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس رشید احمد صدیقی کے تحریر کردہ خاکے ''سر اقبالؔ مرحوم'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''رشید احمد صدیقی'' کی کتاب ''گنج ہائے گراں مایہ'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

اس اقتباس میں رشید احمد صدیقی کہتے ہیں کہ اب معجزے یا کرامت کا دور تو نہیں ہے، لیکن محبت میں آج بھی بہت طاقت ہے۔ اگر کسی کی تکلیف اور پریشانی میں اس سے محبت کا معاملہ کیا جائے اور خلوص سے عیادت اور دادرسی کی جائے تو سامنے والے کی تکلیف بہت حد تک اس رویے سے ہی زائل ہو جاتی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

چمنے کہ تا قیامت...

ڈاکٹر اسلم فرخی

پیدائش ۱۹۲۳ء۔ وفات ۲۰۱۶ء

تعارفِ مصنف:

ڈاکٹر اسلم فرخی ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو لکھنؤ، میں پیدا ہوئے۔ ان کا سابق وطن فتح گڑھ، ضلع فرخ آباد تھا۔ انھوں نے ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جو صدیوں سے علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ ایسے ادبی ماحول کا اثر اسلم فرخی پر پڑنا فطری تھا یا یہ کہیے کہ ذوقِ سخن ان کو خاندانی ورثے میں ملا۔

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کا شمار ملک کے ممتاز دانشوروں میں ہوتا تھا۔ وہ استاد، شاعر، صاحب طرز نثر نگار، محقق، نقاد، بچوں کے ادیب اور ممتاز براڈکاسٹر کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی نے براڈکاسٹر کی حیثیت سے بھی بڑی خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر صاحب ریڈیو پاکستان کراچی سے بہ حیثیت مسودہ نگار چھ سال منسلک رہے ہیں۔ انہوں نے غزلیں اور نظمیں بھی لکھیں لیکن پھر بھی اپنے آپ کو شاعر نہیں کہتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ نہ شاعری میری شناخت بنی اور نہ تحقیق۔ میری پہچان خاکہ نگاری کے علاوہ وہ کام ہے جو میں نے حضرت سلطان المشائخ کے حوالے سے کیا ہے۔ آپ کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے چیئر مین اور رجسٹرار بھی رہے۔

اہم تصانیف:

گلدستۂ احباب	رونقِ بزمِ جہاں	آنگن میں ستارے	سات آسمان
نظم رنگ	دبستان نظام	فرید و فردِ فرید	مولانا حسرتؔ موہانی

اقتباس(۱):

''لمبا قد لیکن بر بِنائے انکسار خم، دُہرا بدن کہ طلبِ علم و ریاضت میں خستگی سے محفوظ رہے۔ گول چہرہ دائرۂ شریعت کی حدود کا ترجمان، آنکھوں میں شرم و حیا اور معرفت کی قندیلیں روشن۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس ڈاکٹر اسلم فرخی کے تحریر کردہ خاکے ''چمنے کہ تا قیامت ....'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''اسلم فرخی'' کی کتاب ''گلدستۂ احباب'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کا یہ خاکہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کے بارے میں ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ جب ڈاکٹر صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی تو ان کی پُر رونق شخصیت نے بہت متاثر کیا۔ آپ کا قد اونچا لمبا تھا لیکن عاجزی سے جھکا ہوئے تھے۔ جسم کافی صحت مند تھا۔ یعنی ہوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب ''بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ'' (یعنی علم اور جسم دونوں میں وسیع) تھے چہرے پر داڑھی سجی ہوئی تھی۔ آنکھیں شرم و حیا سے معمور تھیں اور علم کی روشنی سے منور تھیں۔ آنکھوں میں ایک چمک تھی جو اربابِ علم کی نشانی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

اقتباس(۲):

''ڈاکٹر صاحب کا لباس ہمیشہ سادہ رہا۔ سادہ شیروانی، سفید کرتا یا قمیص، لٹھے کا پاجامہ، شیروانی کے کپڑے میں کوئی اہتمام نہیں۔ مدتوں ترکی ٹوپی پہنی، اب کپڑے کی ٹوپی پہنتے ہیں۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں، دوسروں کو زحمت نہیں دیتے۔''

(الف) مصنف اور سبق کا نام:

یہ اقتباس ڈاکٹر اسلم فرخی کے تحریر کردہ خاکے ''چمنے کہ تا قیامت ....'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سبق ''اسلم فرخی'' کی کتاب ''گلدستۂ احباب'' سے ماخوذ ہے۔

(ب) تشریح:

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کا یہ خاکہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کے بارے میں ہے۔ اس اقتباس میں مصنف ڈاکٹر صاحب کے لباس کو بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ سادہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔ چاہے شیروانی ہو یا کرتا، سادہ اور سفید رنگ کا ہوتا تھا۔ ساتھ میں لٹھے کا پائجامہ پہنتے تھے۔ شیروانی کا کپڑا بھی بالکل سادہ ہوا کرتا تھا۔ سر پر ہمیشہ ٹوپی رکھا کرتے تھے۔ کافی مدت تک ترکی ٹوپی ہوتی تھی پھر بعد میں کپڑے کی سادہ ٹوپی پہننے لگے۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے۔ کبھی کسی سے اپنا کام نہ کرواتے۔

نظموں کے مرکزی خیال

....اور....

بند کی تشریحات

JOIN FOR MORE!!!

طریقۂ جواب سوال نمبر ۴: بند تشریح/ نظم کا مرکزی خیال

سوال نمبر ۴: گیارھویں جماعت کے پرچے میں اس سوال میں طلبہ کو نظم کے بند کی تشریح یا مرکزی خیال میں سے کسی بھی ایک جز کے جواب دینے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ طلبہ کی پسند پر منحصر ہے کہ وہ نظم کے بند کی تشریح کریں یا مرکزی خیال تحریر کریں۔

نظم کے جز کی تشریح:

سالِ اوّل میں جزوار نمبر:	کل نمبر: ۱۰
(الف) نظم اور شاعر کا نام۔	۲ نمبر
(ب) بند کی تشریح۔	۸ نمبر

مرکزی خیال:

اس سوال کا جواب کثرتِ تعبیر کر دیا ہے۔ اگرچہ نظم کا مرکزی خیال فقط دو ایک سطروں میں تحریر کرنا چاہیے، لیکن طلبہ اس کا جواب پھیلا کر لکھتے ہیں۔ اساتذہ کے نوٹس میں "مرکزی خیال" بہ طرزِ خلاصہ تحریر ہوتا ہے۔ اساتذہ کی ایک خاص تعداد حقیقی مرکزی خیال لکھتے لکھاتے ڈرتی ہے کہ کہیں ان کے طلبہ کے نمبر کٹ نہ جائیں، اس لیے ضروری ہے کہ مرکزی خیال کے کم سے کم مواد پر اتّفاق کر لیا جائے اور کسی بھی صورت مرکزی خیال کی طوالت ۸ یا ۹ سطور سے زائد نہ ہو۔ بصورتِ دیگر نمبر منہا کر لیے جاتے ہیں۔

سالِ اوّل (گیارھویں) میں نمبروں کی تقسیم اس طرح ہے:

(الف) شاعر کا مختصر تعارف۔	۲ نمبر
(ب) مرکزی خیال۔	۸ نمبر

JOIN FOR MORE!!!

جوابی خاکہ

(الف) تعارفِ شاعر:

(ب) مرکزی خیال:

منقبت (خلفائے راشدینؓ)

اعجازؔ رحمانی

پیدائش ۱۹۳۶ء۔ وفات ۲۰۱۹ء

(الف) تعارفِ شاعر:

اعجاز رحمانی کا پورا نام سید اعجاز علی رحمانی اور تخلص اعجازؔ ہے۔ ۱۲ فروری ۱۹۴۰ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد و والدہ کا کم عمری میں ہی انتقال ہو گیا تھا، اس وجہ سے پرائمری اور دینی تعلیم ہی علی گڑھ سے حاصل کر سکے۔ ۱۹۵۴ء میں پاکستان آ گئے۔ کراچی آنے کے بعد ادیب اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کیے اور کراچی میں ہی ملازم ہو گئے۔ اپنے ایک عزیز فضا جلالوی کے ایما پر **قمر جلالوی** کے شاگرد ہو گئے۔ مقامی روزنامے میں روزانہ قطعات لکھتے رہے۔ ایک نعت گو کی حیثیت سے انھیں نمایاں مقام حاصل ہے۔

اہم تصانیف:

ان کی اہم تصانیف کے نام یہ ہیں:

اعجاز مصطفیٰ	پہلی کرن آخری روشنی	کاغذ کے سفینے	افکار کی خوشبو
غبارِ انا	جذبوں کی زبان	لمحوں کی زنجیر	چراغ مدحت
لہو کا آبشار	خوشبو کا سفر	عظمتوں کے مینار	

JOIN FOR MORE!!!

(ب) مرکزی خیال:

اس منقبت میں شاعر اعجازؔ رحمانی نے اللہ کے نبی ﷺ کے چار یاروں کا ذکر کیا ہے۔ یہ چار مقدس ہستیاں اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھیوں میں سب سے زیادہ فضیلت اور بلند مقام و مرتبہ رکھتی ہیں۔ صحابہ کرام کی جماعت میں بہت سے لوگوں کو مختلف حوالوں سے فضیلتیں حاصل ہیں۔ ایک جماعت عشرہ مبشرہ کی ہے، ایک جماعت اصحابِ بدر کے ۳۱۳ کی ہے، ایک جماعت مہاجرین کی ہے۔ یہ تمام فضائل ان چاروں حضرات کو حاصل ہیں۔

نظم کے ہر ہر بند میں ایک ایک خلیفہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت کو سراہا گیا ہے۔ حضرت عثمان جو حیا میں اپنی مثال آپ ہیں ان کی شرم و حیا کا ذکر کیا گیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ساتھ نبی ﷺ کی محبت کو بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ تمام مضامین شاعر نے نبی کریم ﷺ کی مشہور حدیث سے اخذ کیے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے:

أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ وَأَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللهِ عُمَرُ وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ

”میری امت میں سب سے زیادہ میری امت پر رحم کرنے والے ابو بکر ہیں اور اللہ کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں، اور سب سے زیادہ سچی حیا والے عثمان بن عفان ہیں۔“ (جامع ترمذی)

إِنَّ عَلِيًّا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ

”بے شک علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔“ (جامع ترمذی)

بند کی تشریحات

بند نمبر ا:

لائقِ توقیر ہیں سب جاں نثارِ مصطفیٰ ﷺ | جاں نثاروں میں خصوصاً چار یارِ مصطفیٰ ﷺ
جاں نشینِ اولیں خدمت گزارِ مصطفیٰ ﷺ | حضرت صدیقِ اکبر یارِ غارِ مصطفیٰ ﷺ
سیرتِ صدیقؓ پر جب غور کرتا ہے کوئی | صاف آتے ہیں نظر نقش و نگارِ مصطفیٰ ﷺ

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر بند منقبت سے لیا گیا ہے۔ منقبت کے شاعر اعجاز رحمانی ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
لائقِ توقیر	قابل عزت	جاں نثار	جان قربان کرنے والا
نقش و نگار	شکل و صورت، حلیہ	جانشین	سلطنت کا نائب

تشریح:

اس منقبت میں اعجاز رحمانی صاحب نبی کریم ﷺ کے اولین چار خلفاے راشدین کی مدح و ثنا بیان کر رہے ہیں۔ باری باری ہر بند میں چاروں حضرات کی توصیف کی گئی ہے۔ پہلے بند میں نبی کریم ﷺ کے سب سے قریبی ساتھی اور یارِ غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح ہے۔

شاعر کہتے ہیں کہ یوں تو نبی ﷺ کے تمام اصحاب ہی لائقِ تعریف و تقلید ہیں لیکن ان میں جو سب سے خاص ہیں وہ چار خلفاے راشدین ہیں جو ہر اعتبار سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ عشرۂ مبشرہ میں شامل ہیں۔ اصحابِ بدر میں شامل ہیں۔ ان چار میں سے دو آپ ﷺ کے داماد اور دو آپ ﷺ کے سسر ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے اتنے قریب تھے اور ہیں کہ ان کے چہرے کے خدو خال میں نبی کریم ﷺ کی شبیہ دکھائی دیتی تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ اپنے محبوب ﷺ کی ایک ایک عادت اور سنت پر گہری نظر رکھتے تھے اور اسی طرح زندگی گزارنے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی لیے حضرت ابو بکرؓ کی سیرت کو دیکھ کر لگتا ہے کہ گویا ہو بہو نبی ﷺ ہی کی سیرت ہے۔

بند نمبر ۲:

ہر اک قول اور ہر عمل آپؓ کا ہے | عدالت کی میزان فاروقِ اعظم!
سبھی آپؓ کی عظمتوں کے ہیں قائل | ہیں جتنے مسلمان، فاروقِ اعظم

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر بند منقبت سے لیا گیا ہے۔ منقبت کے شاعر اعجاز رحمانی ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
عدالت	انصاف	میزان	ترازو

تشریح:

اس منقبت میں اعجازؔ رحمانی صاحب نبی کریم ﷺ کے اولین چار خلفاے راشدین کی مدح و ثنا بیان کر رہے ہیں۔ باری باری ہر بند میں چاروں حضرات کی توصیف کی گئی ہے۔ دوسرے بند میں نبی کریم ﷺ کے دوسرے سب سے قریبی ساتھی اور دوست حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مدح ہے۔

شاعر کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہر قول اور ہر عمل سنت نبوی ﷺ کے تابع ہے۔ آپ کا انصاف سب سے طاقت ور اور مشہور ہیں۔ آپ دین کے معاملے میں بہت سخت ہیں اور کسی قسم کا سمجھوتا کرنا آپ کی عادت نہیں۔ دنیا میں جتنے بھی مسلمان ہیں سبھی آپ کی عظمتوں اور بلند مرتبتی کے قائل ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

وَأَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللّٰهِ عُمَر

ترجمہ: ”اور اللہ کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں۔“ (سنن ترمذی: ۳۷۹۱)

JOIN FOR MORE!!!

بند نمبر ۳:

ذات جن کی جامعُ القرآن ہے نام ان کا حضرت عثمان ہے
دیکھ کر تنویر ذُوالنُّورَین کی آئنہ بھی کس قدر حیران ہے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر بند منقبت سے لیا گیا ہے۔ منقبت کے شاعر اعجازؔ رحمانی ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
جامع القرآن	قرآن کو جمع کرنے والا	ذُوالنُّورَین	دو روشنیوں والا
تنویر	روشنی	(حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا لقب)	

تشریح:

اس منقبت میں اعجازؔ رحمانی صاحب نبی کریم ﷺ کے اولین چار خلفاے راشدین کی مدح و ثنا بیان کر رہے ہیں۔ باری باری ہر بند میں چاروں حضرات کی توصیف کی گئی ہے۔ تیسرے بند میں نبی کریم ﷺ کے دوہرے داماد، شرم و حیا کے پیکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مدح ہے۔

شاعر کہتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ کی بہت سی خصوصیات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ پاک نے انھیں جامع القرآن بنایا، یعنی قرآن کی تدوین و جمع کے کام کی تکمیل کا سہرا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سر ہے۔ اس کے علاوہ جو سب سے بڑی خصوصیت ہے وہ آپ کا دوہرا دامادِ نبی ﷺ ہونا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی دو شہزادیوں سے آپ کا نکاح ہوا۔ اسی لیے آپ کو ذُو النُّورَین (دو

روشنیوں والا) کہا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کو اپنی امت کا سب سے بڑا شرم و حیا کا پیکر قرار دیا۔ شاعر کہتے ہیں کہ آپ کا چہرہ اس قدر روشن ہے کہ آئینہ آپ کا عکس پیش کرنے سے قاصر ہے۔

بند نمبر ۴:

روشن جو دیا حبِّ علی کا نہیں ہوگا — ذہنوں سے کبھی دور اندھیرا نہیں ہوگا
یہ قولِ نبی ﷺ یاد نہیں کیا تمھیں لوگو! — جو شخص علیؓ کا نہیں ، میرا نہیں ہوگا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر بند منقبت سے لیا گیا ہے۔ منقبت کے شاعر اعجاز رحمانی ہیں۔

تشریح:

اس منقبت میں اعجاز رحمانی صاحب نبی کریم ﷺ کے اولین چار خلفائے راشدین کی مدح و ثنا بیان کر رہے ہیں۔ باری باری ہر بند میں چاروں حضرات کی توصیف کی گئی ہے۔ چوتھے بند میں شیر خدا، فاتح خیبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مدح ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت سے مناقب و فضائل احادیث مبارکہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ کو اپنا نائب قرار دیا۔ آپ کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا۔ آپ نے فرمایا:

لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَلَا یَبْغَضُهُ مُؤْمِنٌ

ترجمہ: ''کوئی منافق علی سے پیار نہیں کرتا، اور کوئی مؤمن اس سے بغض نہیں رکھتا۔'' (سنن ترمذی: ۳۷۱۷)

شاعر کہتے ہیں کہ فکر کے اندھیروں کو دور کرنے کے لیے دل و دماغ کو حبِّ علی سے روشن کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ آپ ﷺ نے اپنی محبت کو حبِّ علی کا مرہونِ منت قرار دیا۔

JOIN FOR MORE!!!

حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی

ابو الاثر حفیظ جالندھری

پیدائش ۱۹۰۰ء۔ وفات ۱۹۸۲ء

(الف) تعارفِ شاعر:

مندرجہ بالا نظم ابو الاثر حفیظ جالندھری کا حسین تخیل ہے۔ محمد حفیظ نام، حفیظ تخلص اور ابو الاثر کنیت تھی۔ ۱۹۰۰ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔ شعر و شاعری سے فطری مناسبت تھی۔ نو عمری ہی میں اس طرف متوجہ ہوئے اور شعر کہنے لگے مولانا غلام قادر گرامی سے رشتہ تلمّذ قائم کیا۔

ابو الاثر حفیظ جالندھری کی شہرت کی اصل وجہ ان کا شاہکار ''شاہنامۂ اسلام'' ہے۔ یہ ایک طویل نظم ہے جس میں مسلمانوں کی تاریخ کو بڑے شد و مد سے بیان کیا گیا ہے۔ حفیظ جالندھری کا دوسرا بڑا کارنامہ پاکستان کا قومی ترانہ کی تخلیق ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے بہت سے نرالے گیت بھی لکھے جو ملی جذبات کے آئینہ دار ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی، سلاست اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔

(ب) نظم کا مرکزی خیال:

حفیظؔ جالندھری کی یہ نظم شاہنامۂ اسلام سے ماخوذ ہے جس میں انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی نور نظر حضرت فاطمہ زہراؓ کی رخصتی کا منظر پیش کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو اپنی پیاری بیٹی سے بے پناہ پیار اور محبت تھی، اور کیوں نہ ہوتا وہ بیٹی تھی ہی اتنی عظیم جس نے جنت میں عورتوں کی سردار بننا تھا۔ آپ ﷺ نے کئی جگہ اس محبت کا برملا اظہار بھی فرمایا، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّي

ترجمہ: "فاطمہ میری جان کا حصہ ہے۔"

مگر تاریخ گواہ ہے کہ اس تمام تر فرطِ محبت کے باوجود حضور علیہ السلام نے نہایت ہی مختصر جہیز کے ساتھ اپنے لختِ جگر کو رخصت فرمایا اور اپنی امت کو یہ درس دیا کہ کامیاب شادی وہی ہے جو بے جا اسراف اور تکلفات سے پاک ہو۔ حضور ﷺ نے دنیاوی مال و متاع کے بجائے صبر و شکر اور قناعت و توکل سے مالا مال کر کے اپنی بیٹی کو رخصت کیا اور دنیا کے فقر و فاقہ ہی کو ان کا اصل جہیز قرار دیا۔

تیرے فاقوں میں کئی دن کی کڑی بھوک کے بعد
فاطمہ کو کھلایا تھا جو کھانا، دیکھوں

JOIN FOR MORE!!!
تشریحات

شعر نمبر ۱:

چلی تھی باپ کے گھر سے نبی کی لاڈلی پہنے
حیا کی چادریں، عفت کا جامہ، صبر کے گہنے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم "حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی" سے لیا گیا ہے۔ اس کے شاعر ابوالاثر حفیظؔ جالندھری ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
عفّت	پاکدامنی	جامہ	لباس
گہنے	زیور		

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ عام طور پر جب کوئی دلہن اپنے باپ کے گھر سے رخصت ہوتی ہے تو بھاری بھرکم زیورات سے لدی لدائی اور نئے خوبصورت ملبوسات میں ملبوس رخصت ہوتی ہے۔ لیکن اللہ کے نبی ﷺ کی لاڈلی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب اپنے والد محترم کے گھر سے رخصت ہوئیں تو سادگی کے ساتھ۔ ان کی چادر ان کی شرم و حیا تھی، ان کا اصل لباس ان کی عفت و پاکدامنی تھی اور ان کا زیور ان کا صبر تھا جسے لے کر وہ رخصت ہوئیں۔

شعر نمبر ۲:

ردائے صبر بھی حاصل تھی توفیقِ سخاوت بھی
کہ ہونا تھا اسے سرتاجِ خاتونانِ جنت بھی

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی'' سے لیا گیا ہے۔اس کے شاعر ابو الاثر حفیظ جالندھری ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
ردا	چادر	سخاوت	بانٹنا
سرتاج	سردار		

تشریح:

انسان کو مالی اعتبار سے دو طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛ تنگدستی اور خوش حالی۔ اچھا انسان وہ ہے جو مشکل وقت میں صبر کرے اور خوش حالی میں شکر کرے۔ اور مال پر شکر کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اس کے مسکینوں اور محتاجوں کی مدد کی جائے۔

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں اللہ کے نبی ﷺ کی لاڈلی میں دونوں طرح کی خصوصیات موجود تھیں۔ مشکل میں صبر کرنا بھی آتا تھا اور خوش حالی میں سخاوت کرنا بھی آتی تھی۔ اس لیے کہ آگے چل کر انھوں نے جنت کی تمام عورتوں کی سردار بننا تھا، تو ضروری تھا کہ منصبِ سرداری کے سارے گُن ان میں موجود ہوں۔

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۳:

اسی کو گود میں اُسوہ تھا یمن و سعادت کا　　　اسی کی گود سے دریا ابلنا تھا شہادت کا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی'' سے لیا گیا ہے۔اس کے شاعر ابو الاثر حفیظ جالندھری ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
اُسوہ	مثال، نمونہ	یمن و سعادت	نیکی، سعادت مندی

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں نبی کریم ﷺ نے اپنی لاڈلی بیٹی کی خود تربیت فرمائی تھی۔ اور ان کی گود سے وہ تربیتِ حسنہ ان کی اولاد میں منتقل ہوئی۔ دوسرے میں مصرع میں شاعر نے تلمیح کا استعمال کیا ہے۔ ''گود سے شہادت کا دریا ابلنا'' سے واقعہ کربلا کی طرف اشارہ ہے۔ تاریخِ اسلامی کے بڑے بڑے اہم واقعات میں سے ایک واقعہ کربلا ہے جو سن ۶۱ھ، دس محرم الحرام کو پیش آیا۔ جس میں سرکارِ دو عالم کے اہلِ بیت کے بہت سے لوگ شہید ہوئے۔

شعر نمبر ۴:

وہی غیرت جو مہرِ خاتمِ حقؑ کا نگینہ تھی　　　امیں کی لاڈلی ہی اس امانت کی امینہ تھی

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی'' سے لیا گیا ہے۔اس کے شاعر ابوالاثر حفیظ جالندھری ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
خاتم	انگوٹھی	نگینہ	انگوٹھی کا نگ
امین	امانت دار (مذکر)	امینہ	امانت دار (مونث)

تشریح:

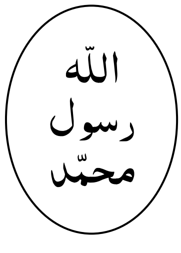

خاتم عربی زبان میں انگوٹھی کو کہا جاتا ہے۔اس شعر میں شاعر نے نبی ﷺ کی انگوٹھی کے نقش کو لے کر ایک اچھوتا خیال پیش کیا ہے۔نبی اکرم ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس میں کوئی نگینہ یا پتھر جڑا ہوا نہیں تھا بلکہ نگ کی جگہ ''محمد رسول اللہ'' نقش کروایا گیا تھا۔آپ ﷺ اپنی انگوٹھی کو مہر کے طور پر استعمال فرماتے ہیں۔(بحوالہ بخاری و مسلم)

JOIN FOR MORE!!!

شاعر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتی انگوٹھی کا نگینہ کوئی پتھر یا ہیرا نہیں تھا (اگرچہ کہ آپ ﷺ سے کچھ پتھر پہننا ثابت ہے) بلکہ آپ ﷺ کی غیرت و حمیت آپ کی انگوٹھی کا نگینہ تھی۔اس لیے کہ جب جب مہر لگاتے تو اس کے ذریعے آپ کا نام جاتا۔

شعر نمبر ۵:

علی مرتضیٰ نے آج تاجِ ''ھَلْ اَتیٰ'' پایا ‏ ‏ دلہن کی شکل میں اک پیکرِ صدق و صفا پایا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی'' سے لیا گیا ہے۔اس کے شاعر ابوالاثر حفیظ جالندھری ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
صدق	سچائی	صفا	پاکیزگی

تشریح:

اس شعر میں شاعر نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا نہایت اعلیٰ پہلو ذکر کیا ہے۔اس شعر میں تلمیح استعمال ہوئی ہے۔''ھَل أتیٰ'' سے سورۃ الدھر کی آیت نمبر ۸ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔سورۃ الدھر انتیسویں پارے کی آخر سے پہلے والی سورت ہے۔سورت کی آیت نمبر ۸ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

مشہور واقعہ ہے حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما بچپن میں ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔تو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فضہ رضی اللہ عنہا (جو کہ حضرت فاطمہؓ کے گھر کی خادمہ تھیں) نے ان شاہزادوں کی صحت کے لیے تین روزوں کی منت مانی اللہ تعالیٰ نے دونوں شاہزادوں کو شفا دے دی۔جب نذر کے روزوں کے ادا کرنے کا وقت آیا تو سب نے روزے کی نیت کر لی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک یہودی سے تین صاع جو لائے، ایک ایک صاع جو تینوں دن پکائے، لیکن جب افطار کا

وقت آیا اور تینوں روزہ داروں کے سامنے روٹیاں رکھی گئیں تو ایک دن مسکین، ایک دن یتیم، ایک دن قیدی دروازے پر آ گئے، اور روٹیوں کا سوال کیا، تو تینوں دن سب روٹیاں ان سائلوں کو دے دی گئیں۔ اور صرف پانی سے افطار کر کے اگلا روزہ رکھ لیا گیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی پیاری بیٹی کے گھر کی اس سرگزشت کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے:

وَيُطْعِمُونَ ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا

ترجمہ: "اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

شاعر کہتے ہیں کہ دلہن تو ہر شخص کو مل جاتی ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ کو وہ دلہن ملی ہے جو سچائی اور پاکیزگی کا پیکر ہے۔ اور جس کی شانِ اقدس میں قرآن کی آیتیں نازل ہوتی ہیں۔

شعر نمبر ۶:

پدر کے گھر سے رخصت ہو کے زہرا اپنے گھر آئیں　　توکل کے خزانے، دولتِ مہر و وفا لائیں

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم "حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی" سے لیا گیا ہے۔ اس کے شاعر ابو الاثر حفیظ جالندھری ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
پدر	باپ	توکل	اللہ پر بھروسا
مہر	محبت	وفا	وفاداری

تشریح:

لفظ "مہر" کو اگر مَہَر پڑھا جائے تو اس صورت میں یہ عربی کا لفظ ہو گا اور اس سے مراد وہ حقِ زوجیت ہو گا جو نکاح کرنے والا وقتِ نکاح اپنی منکوحہ کو ادا کرتا ہے۔ اور اگر اس لفظ کو مِہر پڑھا جائے تو یہ فارسی کا لفظ ہو گا اور اس کا مطلب ہو گا محبت۔ یہاں فارسی والا مہر مراد ہے اس لیے کہ اس کی وفا کے ساتھ مطابقت ہے، دوسرا یہ کہ حق زوجیت لڑکی اپنے باپ کے گھر سے لے کر نہیں جاتی بلکہ سسرال پہنچنے پر شوہر ادا کرتا ہے۔

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ عام طور پر لڑکی رخصت ہوتی ہے تو بہت سا سامانِ عیش و عشرت جہیز کے نام پر اپنے ساتھ لے کر جاتی ہے لیکن نبی ﷺ کی لاڈلی اپنے دنیاوی مال و متاع کے بجائے محبت، وفاداری اور اللہ پر بھروسے جیسی کردار کی بہت سی خوبیاں لے کر رخصت ہو رہی ہیں۔

شعر نمبر ۷:

جہیز ان کو ملا جو کچھ شہنشاہِ دو عالم سے　　ملا ہے درس ہم کو سادگی کا فخرِ آدم سے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم "حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی" سے لیا گیا ہے۔ اس کے شاعر ابو الاثر حفیظ جالندھری ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
شہنشاہِ دوعالم	دو جہانوں کے بادشاہ	فخرِ آدم	انسانیت کے لیے فخر کا باعث

تشریح:

''شہنشاہِ دوعالم''اور''فخرِ آدم''نبی کریم ﷺ کے القابات ہیں۔ شاعر نے اس شعر میں آپ ﷺ کے بہت سے القابات میں سے انھی دونوں القاب کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ دونوں آپ ﷺ کی دنیاوی بڑائی کو بیان کرتے ہیں۔

شاعر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ چاہتے تو اپنی لاڈلی کو ایسا جہیز دے سکتے تھے کہ اس جیسا جہیز کوئی اور کبھی نہ دے پاتا کیوں کہ آپ تو دو جہانوں کے بادشاہ ہیں۔ لیکن بے مثل بادشاہت ہونے کے باوجود آپ نے سادگی اختیار فرمائی اس لیے کہ حدیث کے مطابق شادی میں کم خرچ کرنا اس کی برکت کا باعث ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً

ترجمہ: ''وہ نکاح سب سے زیادہ بابرکت ہے، جس میں اخراجات کم ہوں۔''

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۸:

متاعِ دنیوی جو حصۂ زہرا میں آئی تھی
کھجوری کھردرے سے بان کی اک چارپائی تھی

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی'' سے لیا گیا ہے۔ اس کے شاعر ابوالاثر حفیظ جالندھری ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
متاع	سامان	بان	وہ رسی جس سے چارپائی بنی جائے

تشریح:

اس شعر سے پہلے تک ان کردار کی خوبیوں کا ذکر تھا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں موجود تھیں۔ اب یہاں اس دنیاوی سامان کا ذکر ہے جو شادی کے وقت انھیں ملی تھیں۔ یہ کل پانچ چیزیں تھیں جن میں سب سے پہلی چیز چارپائی تھی۔ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کو جو چارپائی ملی وہ کھجور کی چھال سے بُنی ہوئی تھی۔

شعر نمبر ۹:

مشقت عمر بھر کرنا جو لکھا تھا مقدر میں
ملی تھیں چکیاں دو، تاکہ آٹا پیس لیں گھر میں

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی'' سے لیا گیا ہے۔ اس کے شاعر ابوالاثر حفیظ جالندھری ہیں۔

تشریح:

چارپائی کے علاوہ دو چکیاں ملیں اس لیے کہ آٹا پسا ہوا بازار سے نہیں آنا تھا بلکہ خود ہاتھ سے چکی چلا کر گھر میں پیسنا تھا۔ اور یہ

بات بخوبی واضح ہے کہ ہاتھ سے چکی چلا کر آٹا پیسنا کس قدر مشکل کام ہے۔اس کام کی مشقت کو سمجھنے کے لیے یہی کافی ہے کہ جیل میں جب کسی قیدی کی قید کو ”قیدِ بامشقت“ بنانا ہوتا تھا تو اس کو یہ کام دیا جاتا تھا۔ظاہر ہے کہ یہ کام آسان تو بالکل نہیں ہو سکتا۔

شعر نمبر ۹،۱۰:

گھڑے مٹی کے دو تھے اور اک چمڑے کا گدا تھا — نہ ایسا خوش نما تھا یہ نہ بد زیب اور بھدا تھا
بھرے تھے اس میں روئی کی جگہ پتے کھجوروں کے — یہ وہ ساماں تھا جس پر جان و دل قربان حوروں کے

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ”حضرت فاطمۃ الزہرا کی رخصتی“ سے لیا گیا ہے۔اس کے شاعر ابو الاثر حفیظؔ جالندھری ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
گھڑا	مٹکا	بھدّا	بھونڈا، ناموزوں

تشریح:

ان اشعار میں شاعر حضرت فاطمہ کو ملنے والی اشیا میں سے تیسری اور چوتھی چیزوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کو مٹی کے دو مٹکے ملے اور ساتھ میں ایک چمڑے کا گدّا۔ یہ گدّا نہ تو بہت خوبصورت تھا اور نہ ہی بہت بدصورت تھا، بلکہ مناسب طرز کا تھا۔اور اس گدّے میں روئی نہیں بھری ہوئی تھی، بلکہ اس میں روئی کی جگہ کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔

شاعر کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کو چیزیں ملی ہیں بظاہر بہت کم قیمت ہیں، لیکن حقیقت میں ان کی قیمت اور اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ حوریں بھی ان پر رشک کرتی ہیں، اس لیے کہ ان کی نسبت بہت اونچی ہے۔ یہ معمولی سامان نہیں ہے بلکہ نبی ﷺ کی لاڈلی کا سامان ہے اور بڑی نسبت کے جڑنے سے اشیاء کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۱۱:

وہ زہرا کن کے گھر تسنیم و کوثر کی تھی ارزانی — ملی تھی مشک ان تا کہ خود لایا پانی

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ”حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی“ سے لیا گیا ہے۔اس کے شاعر ابو الاثر حفیظؔ جالندھری ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
تسنیم، کوثر	جنت کی نہریں	ارزانی	سستا پن، کثرت

تشریح:

اس شعر میں شاعر نے تصویر کے دو رخ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک طرف تو حضرت فاطمہ نے کل کو جنت میں جنت کی سردارنی بننا ہے اور جنت کی نہروں کی مالکن بننا ہے۔دوسری طرف یہاں دنیا میں پینے کا پانی بھی انھیں خود بھر کے لانا پڑ رہا ہے جس

کے لیے انھیں مشکیزہ ملا۔ اس میں یہ تعلیم ہے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور مومن کی عیش و عشرت تو جنت میں ہی ہو گی۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے:

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ

ترجمہ: ''دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے جنت ہے۔''

شعر نمبر ۱۲:

ملا تھا فقر و فاقہ ہی مگر اصلی جہیز ان کو ۔۔۔ کہ بخشی تھی خدا نے اک جبینِ سجدہ ریز ان کو

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''حضرت فاطمہ زہرا کی رخصتی'' سے لیا گیا ہے۔ اس کے شاعر ابو الاثر حفیظؔ جالندھری ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
فقر	قناعت، درویشی	جبین	پیشانی
سجدہ ریز	سجدہ کرنے والا		

تشریح:

اس آخری شعر میں شاعر نے پوری نظم کے مضمون کو سمیٹ دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ بظاہر اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی بیٹی کو بغیر جہیز کے اور فقر و فاقہ کے ساتھ رخصت کیا ہے لیکن حقیقت میں آپ ﷺ نے اپنی بیٹی کو وہ جہیز دیا ہے جو ہر لڑکی کے باپ کو اپنی بیٹی کو دینا چاہیے، یعنی اللہ کے آگے جھکنے والا سر۔ جس کو یہ دولت مل گئی اس کو کبھی مال و دولت کی کمی نہیں ہو گی۔ اس لیے کہ جبینِ سجدہ ریز کا فائدہ یہ ہے کہ جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہوئی اللہ کے آگے سر جھکایا اور مانگ لیا۔ اور اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

چاند اور تارے

علامہ محمد اقبالؔ

پیدائش ۱۸۷۷ء۔ وفات ۱۹۳۸ء

(الف) تعارفِ شاعر:

علامہ اقبالؔ کا نام ملک خداداد پاکستان کے تخیل کے خالق کے طور پر بھی مشہور ہے۔ اس اعتبار سے وہ صرف ایک شاعر ہی نہ تھے بل کہ قومی رہ نما بھی تھے۔ ان کی قومی رہ نمائی کا حصہ اس قدر غالب اور نمایاں ہے کہ کہ بعض اوقات ان کی شاعرانہ حیثیت ثانوی معلوم ہوتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ ان کی شاعری بھی دراصل ان کی قومی رہنمائی کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر اقبالؔ کو برصغیر میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کا سب سے بڑا علمبردار قرار دیا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔

اقبالؔ اردو شاعری میں اس قدر بلند نام ہے کہ شاید صدیوں تک کوئی اتنا بڑا قد آور شاعر پیدا نہ ہو سکے۔ اقبالؔ نے شاعری کی شکل میں اپنے افکار و نظریات اور جذبات و محسوسات کا جو سرمایہ چھوڑا ہے وہ بہت زیادہ قابل قدر ہے۔ وہ خود اپنے کلام کے بارے میں قلم طراز ہیں:

مرے ہمصفیر اسے بھی اثرِ بہار سمجھے
انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ

اقبال کے مجموعہ ہائے کلام:

(۱) بانگِ درا (۲) بالِ جبریل (۳) ضربِ کلیم (۴) پیامِ مشرق
(۵) زبورِ عجم (۶) جاوید نامہ (۷) ارمغان حجاز (۸) اسرار خودی
(۹) رموزِ بے خودی

نثر میں اقبال کی کتابوں میں مندرجہ ذیل دو کتابیں بہت مشہور ہیں:

(۱) تشکیل جدید الہیات (۲) علم الاقتصاد

(ب) نظم کا مرکزی خیال:

علامہ محمد اقبآل کی اس نظم کے عملاً دو حصے ہیں جن میں چاند اور ستاروں کے مابین ایک مکالمہ پیش کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ستارے چاند سے استفسار کرتے ہیں کہ اس کائنات کی ہر شے گردش میں ہے۔ ہم تو ہیں ہی، ہمارے علاوہ انسان، شجر و حجر، سب گردش میں ہیں۔ کیا اس سفر کا کوئی انجام ہو گا یا یہ سفر سدا یوں ہی چلتا رہے گا؟

دوسرے حصے میں چاند، ستاروں کی بات کو بڑی ہمہ تن گوشی کے ساتھ سن کر ان کے استفسار کا جواب دیتا ہے۔ یہ دوسرا حصہ ہی دراصل اس نظم کا مرکزی خیال ہے اور ایک اہم پیغام ہے جو علامہ اقبآل مسلم امہ کے نوجوانوں کو دینا چاہتے ہیں کہ اس کائنات کا پرانا اصول ہے کہ سب چیزوں کا وجود ہی حرکت میں پوشیدہ ہے۔ زمانہ ایک گھوڑے کی مانند ہے۔ جیسے ایک گھوڑا مسلسل سفر میں رہتا ہے اسی طرح کائنات کی ہر شے کو زندہ رہنے کے لیے مسلسل حرکت میں رہنا پڑے گا۔ جس نے ذرا پس و پیش کیا وہ پیچھے رہ جائے گا اور بالآخر موت کا شکار ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ اس نظم میں حرکت اور جد و جہد کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسی تعلیم کے لئے اقبآل نے اپنی زندگی وقف کی یہاں اس دعوت کی ابتدائی جھلک ملتی ہے جس کے جلووں سے اقبآل کا سارا کلام لبریز ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

بند کی تشریحات

بند نمبر ۱:

ڈرتے ڈرتے دمِ سحر سے تارے کہنے لگے قمر سے
نظّارے رہے وہی فلک پر ہم تھک بھی گئے چمک چمک کر
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا چلنا، چلنا، مُدام چلنا
بے تاب ہے اس جہاں کی ہر شے کہتے ہیں جسے سکوں، نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کشِ سفر سب تارے، انساں، شجر، حجر، سب
ہوگا کبھی ختم یہ سفر کیا؟
منزل کبھی آئے گی نظر کیا؟

حوالہٗ شاعر:

پیشِ نظر بند نظم ''چاند اور تارے'' سے لیا گیا ہے۔ اس کے شاعر حکیم الامت علامہ محمد اقبالؔ ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
سَحَر	صبح	قمر	چاند
بے تاب	بے چین	ستم کش	ظلم سہنے والا، مظلوم

تشریح:

اس بند میں علامہ اقبالؔ تاروں کی زبانی کہتے ہیں کہ طلوع سحر کے خدشے کے پیشِ نظر ستارے چاند سے پوچھتے ہیں کہ یہ تو بتا کہ ہم جو چمک چمک کر تھک چکے ہیں اس کے باوجود آسمان کے نظاروں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا کام تو صبح و شام گردش میں ہی رہنا ہے اور یہ سلسلہ نہ جانے کب تک جاری رہے گا۔ اے چاند! اتنا بتا دے کہ اس عالمِ رنگ و بو کی ہر شے تغیر سے کیوں دوچار ہے۔ ان کے اضطراب میں کمی کیوں نہیں آتی جسے سکون کہا جاتا ہے۔ یہاں اس کو آنکھیں ترستی ہیں۔ یہاں تو ہر جانب سب لوگ سفر میں مبتلا رہتے ہیں۔ ہماری بات تو الگ رہی، یہ انسان، درخت اور پتھر سب ہی سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے رہتے ہیں۔ آخر اتنا تو ہمیں پتہ چلے کہ یہ سفر کبھی اور کسی مرحلے پر جا کر ختم بھی ہو گا اور کبھی ہم اپنی منزل مقصود کو بھی دیکھ سکیں گے یا نہیں؟ مراد یہ ہے کہ ستاروں کے بقول اس کائنات کی ہر شے تغیر پذیر ہے کسی کو بھی سکون حاصل نہیں! سفر جاری ہے مگر منزل ناپید!

JOIN FOR MORE!!!

بند نمبر ۲:

کہنے لگا چاند، ''ہم نشینو! اے مزرعِ شب کے خوشہ چینو!
جنبش سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسمِ قدیم ہے یہاں کی
ہے دوڑتا اشہبِ زمانہ کھا کھا کے طلب کا تازیانہ
اس رہ میں مقام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اَجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں جو ٹھیرے ذرا، کچل گئے ہیں

انجام ہے اس خِرام کا حُسن
آغاز ہے عشق، انجام حُسن

حوالہٗ شاعر:

پیشِ نظر بند نظم ''چاند اور تارے'' سے لیا گیا ہے۔ اس کے شاعر حکیم الامت علامہ محمد اقبالؔ ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
ہم نشین	دوست، ساتھی	مزرع	کھیت یا کھیتی، چھوٹا گاؤں
خوشہ چین	خوشہ چننے والا، فائدہ اٹھانے والا	جُنبِش	حرکت، ہلنا جلنا

اَشہب	گھوڑا	تازیانہ	کوڑا، تنبیہ
اَجل	وقتِ مقرر، موت	خِرام	ناز کی چال، نرم رفتار

تشریح:

اس بند میں چاند، جو بڑی خاموشی کے ساتھ ستاروں کی باتیں سن رہا تھا، یوں گویا ہوا کہ اے ہم نشینو! بے شک تم نے رات کی کھیتی سے فیض حاصل تو کیا لیکن میری بات غور سے سنو! کہ اس کائنات کا وجود تغیر اور حرکت میں ہی پوشیدہ ہے کہ یہی اس جہان کا قدیم اصول ہے۔ اس زمانے کو اگر گھوڑے سے تشبیہ دی جائے تو یوں سمجھو کہ گھوڑا خواہش کے چابک کھا کھا کر دوڑتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ضرورت عملاً زمانے کو حرکت میں رکھتی ہے۔ یہی اصول ازل سے چلا آرہا ہے۔ چنانچہ منزل تک پہنچنے کے لیے جو مسافت مقرر ہے اس میں ٹھہرنے کا عمل بے موقعہ اور قطعی نامناسب ہے۔ اس لیے کہ کسی مقام پر ٹھہرے تو یوں سمجھ لو کہ مارے گئے۔

یعنی دورانِ سفر کہیں رکنا موت سے ہم کنار ہونے کے مترادف ہے۔ جو لوگ عازمِ سفر اور حرکت میں رہتے ہیں اور منزل کا تعین کر لیتے ہیں وہ ہمیشہ کامیاب و کامران رہتے ہیں اس کے برعکس جو مسافر راہ میں دم لینے کے لیے رک گئے انھیں عقب سے آنے والے روند کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ حرکت اور روانی ہی ہر شے کو بناتی سنوارتی ہے۔ اس عمل کو حُسن سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کائنات کی جملہ اشیا عشق کی بدولت حرکت میں رہتی ہیں اور آخر میں سنور کر حسن کا روپ دھار لیتی ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

بدلی کا چاند

جوش ملیح آبادی

پیدائش ۱۸۹۸ء۔ وفات ۱۹۸۲ء

(الف) تعارفِ شاعر:

اس نظم کے خالق جوش ملیح آبادی ہیں۔ جوش کا نام شبیر حسن خان، تخلص جوش اور نسبت ملیح آباد ہے۔ آپ کے والد، دادا اور پردادا بھی شاعر تھے۔ گویا آپ کو شاعری وراثت میں ملی۔ جوش کو عام طور پر "شاعرِ شباب اور شاعرِ انقلاب" کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے متحدہ لیکن محکوم ہندوستان میں اپنی شاعری کے ذریعے اہلِ وطن میں انقلابی خیالات کا طوفان اٹھایا۔ غیر ملکی حکمرانوں کی غلامی کے خلاف نفرت پیدا کی اور جدوجہد آزادی کے لئے جوانانِ وطن کا لہو گرمایا۔ آپ نے رسالہ "کلیم" جاری کیا اور سرکاری رسالے "آج کل" کے مدیر رہے۔ آپ کو "شاعرِ اعظم" بھی کہا گیا۔

اہم تصانیف:

حرف و حکایت	شعلہ و شبنم	فکر و نشاط	جنون و حکمت (رباعیات)
الہام و افکار	عرش و فرش	آیات و نغمات	یادوں کی بارات (آپ بیتی)

(ب) نظم کا مرکزی خیال:

جوش کو انقلابی شاعر بھی کہا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں کے ذریعے جہاں ایک طرف ملک اور قوم کو بیدار کیا ہے وہیں انھوں نے انسان کی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش بھی کی ہے۔ انسانی فطرت میں جہاں دوسرے احساسات اور تاثرات ہیں وہاں اس کی فطرت میں

حرکت اور عمل بھی ہے۔

نظم ''بدلی کا چاند'' کی خصوصیت یہ ہے کہ جوشؔ ملیح آبادی نے ایک ایک منظر کو مختلف کیفیتوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس نظم کا ہر شعر ایک الگ کیفیت کو پیش کرتا ہے۔ ان کیفیات کا اظہار شاعر نے نظم میں تشبیہات کے ذریعے بڑی خوبی سے کیا ہے۔ شاعر نے انسانی فطرت کا موازنہ چاند کے بادلوں کی اوٹ میں چھپنے اور نکلنے سے کیا۔ شاعر کہتے ہیں کہ روشنی، تاریکی، غلامی اور آزادی کی جدوجہد اور کشمکش ہر زمانے میں رہی ہے بالکل اسی طرح جیسے چاند اندھیرے سے نکل کر روشنی کی جانب آنے کے لیے مسلسل کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت انسان بھی زندگی کے اندھیروں سے نکل کر اُجالے کی جانب جانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک انسان خواہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو مگر فطرت اسے نیکی کی طرف لے ہی جائے گی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان اگر اندھیرے میں وقت گزار رہا ہے تو یہ اس کی مجبوری ہے۔ وہ روشنی کا ہمیشہ طالب رہے گا۔ اس نظم میں انسانی فطرت کی جدوجہد کی طرف اشارہ ہے۔

تشریحات

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۱:

خورشید وہ دیکھو ڈوب گیا، ظلمت کا نشاں لہرانے لگا
مہتاب وہ ہلکے بادل سے چاندی کے ورق برسانے لگا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''بدلی کا چاند'' سے لیا گیا ہے۔ اس کے شاعر جوشؔ ملیح آبادی ہیں جنھیں شاعر انقلاب و شباب کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
خورشید	سورج	ظلمت	اندھیرا
مہتاب	چاند	ورق	پتّا

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ سورج کے ڈوبنے سے ہر سُو اندھیرا چھا گیا تھا لیکن سورج کے غروب ہوتے ہی چاند طلوع ہو گیا۔ اور وہ چاند بادلوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا اس لیے چاند کی روشنی بادلوں میں چھَن چھَن کے آ رہی تھی۔ اس میں انسان کے لیے یہ سیکھ ہے کہ اگر ایک راستہ بند ہوتا ہے تو قدرت دوسرا راستہ کھول دیتی ہے۔ بس انسان کو ہار نہیں ماننی۔ کوشش کرتے رہنا ہے۔

چاندنی کو چاندی کے ورق سے تشبیہ دے کر شعر میں زیادہ زور پیدا کیا گیا ہے۔

شعر نمبر ۲:

وہ سانولے پن پر میداں کے ہلکی سی صباحت دوڑ گئی
تھوڑا سا ابھر کر بادل سے وہ چاند جبیں جھلکانے لگا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ”بدلی کا چاند“ سے لیا گیا ہے۔اس کے شاعر جوشؔ ملیح آبادی ہیں جنھیں شاعر انقلاب وشباب کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
صباحت	چہرے کی سفیدی، گوراپن	جبین	پیشانی
جھلکانا	روشن کرنا، جھلک دکھانا	ورق	پتّا

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ چاند نے بادل کی اوٹ سے اپنی پیشانی نکالی یعنی ہلکا سا جھانکا، پورا ابھی بادل کی اوٹ سے نکلا نہیں تھا، صرف ہلکا سا جھانکنے سے ہی زمین روشن ہوگئی۔اس میں انسان کے لیے یہ سیکھ ہے کہ کسی بھی کوشش کو چھوٹا نہیں سمجھنا چاہیے۔ جیسے چاند نے ہلکا سا سر بادل کی اوٹ سے نکالا اور اس سے ہر طرف روشنی ہوگئی اسی طرح چھوٹی سی کوشش بھی گہرے نتائج مرتب کرتی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر ۳:

لو ڈوب گیا پھر بادل میں، بادل میں وہ خط سے دوڑ گئے
لو پھر وہ گھٹائیں چاک ہوئیں، ظلمت کا قدم تھرّانے لگا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ”بدلی کا چاند“ سے لیا گیا ہے۔اس کے شاعر جوشؔ ملیح آبادی ہیں جنھیں شاعر انقلاب وشباب کہا جاتا ہے۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ ابھی چاند کی چاندنی پوری طرح پھیلی بھی نہیں تھی کہ ایک بادل کے ٹکڑے نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ بادل کی اوٹ سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد چاند دوبارہ بادلوں میں چھپ گیا۔ چاند کے نکلنے سے جو روشنی ہوئی تھی وہ اس کے چھپتے ہی پھر سے غائب ہوگئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔اس سے چاند کی ہلکی سی روشنی کی بھی اہمیت و وُقعت ظاہر ہوئی۔ جوشؔ نے اتنے خوبصورت انداز میں منظر کشی کی ہے، اشعار پڑھ کے ایسا لگتا ہے کہ واقعۃً یہ مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے گھوم رہے ہوں۔

شعر نمبر ۴:

غُرفوں سے جو جھانکا گردوں کے، اَمواج کی نبضیں تیز ہوئیں
حلقوں میں جو دوڑا بادل کے، کہسار کا سر چکرانے لگا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ”بدلی کا چاند“ سے لیا گیا ہے۔اس کے شاعر جوشؔ ملیح آبادی ہیں جنھیں شاعر انقلاب وشباب کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
غرفہ	کمرہ	گرَدوں	آسمان

حلقے	دائرے	کہسار	پہاڑ

تشریح:

اس شعر میں شاعر نے بادلوں کو ایک کمرے کی دیوار سے تشبیہ دی ہے اور بادلوں کے درمیان جو چھوٹی چھوٹی تھوڑی سی جگہیں خالی ہوتی ہیں ان کو کھڑکی سے تشبیہ دی ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ بادلوں کی خالی جگہ سے جب چاند جھانکتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی کھڑکی سے جھانک رہا ہو۔ کہتے ہیں کہ جب چاند بادلوں کی اوٹ سے نکلتا ہے تو اس کی روشنی دریا کی لہروں پر پڑتی ہے جس سے اس کی لہروں میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب چاند دوبارہ بادل کی اوٹ میں چھپتا ہے تو اس کا اثر پہاڑوں پر پڑتا ہے یعنی اندھیرے کی وجہ سے گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے جس کو بادلوں کا سر چکرانے سے تعبیر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چاند کا نمودار ہونا دریا پر اثر انداز ہوتا ہے اور چاند کا چھپ جانا پہاڑوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

شعر نمبر ۵:

پردہ جو اٹھایا بادل کا دریا پہ تبسم دوڑ گیا
چِلمن جو گرائی بدلی کی، میدان کا دل گھبرانے لگا

JOIN FOR MORE!!!

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''بدلی کا چاند'' سے لیا گیا ہے۔ اس کے شاعر جوشؔ ملیح آبادی ہیں جنھیں شاعرِ انقلاب وشباب کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
تبسم	مسکراہٹ	چِلمن	پردہ

تشریح:

اس شعر میں ایک نئی تشبیہ پیش کی گئی ہے۔ بادل کو پردے اور نقابِ رخ سے تشبیہ دی ہے۔ کہتے ہیں کہ چاند نے بادل کا پردہ اپنے رخ سے جیسے ہی ہٹایا اس کی روشنی دریا کی لہروں پر ایک خوبصورت مسکراہٹ کی طرح پھیل گئی، یہاں پہ چاند کی چاندنی کو ہونٹوں کی مسکراہٹ سے تشبیہ دی ہے۔ اور جیسے ہی بادل کا پردہ دوبارہ چہرے پر گرایا، یعنی چاند دوبارہ بادل کی اوٹ میں گیا، میدان میں اندھیرا چھا گیا اور اس اندھیرے سے میدان کا دل گھبرانے لگا۔

شعر نمبر ۶:

اُبھرا تو تجلی دوڑ گئی، ڈوبا تو فلک بے نور ہوا
الجھا تو سیاہی دوڑا دی، سلجھا تو ضیا برسانے لگا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''بدلی کا چاند'' سے لیا گیا ہے۔ اس کے شاعر جوشؔ ملیح آبادی ہیں جنھیں شاعرِ انقلاب وشباب کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
تجلی	روشنی	فلک	آسمان

ضیا	روشنی		

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ چاند جیسے ہی بادل کی اوٹ سے باہر آتا ہے ہر طرف روشنی پھیل جاتی ہے اور جوں ہی یہ ڈوبتا ہے یعنی بادلوں میں چھپتا ہے تو پورا آسمان بے نور ہو جاتا ہے۔ دوسرے مصرعے کا بھی یہی مطلب ہے کہ جب چاند بادلوں کے جھرمٹ میں الجھتا ہے تو ہر سُو سیاہی دوڑ جاتی ہے اور اندھیرا ہو جاتا ہے اور جب چاند بادلوں کے الجھاؤ سے باہر نکلتا ہے تو ہر طرف روشنی برسانے لگتا ہے۔

شعر نمبر ۷:

کیا کاوشِ نور و ظلمت ہے، کیا قید ہے، کیا آزادی ہے
انسان کی تڑپتی فطرت کا مفہوم سمجھ میں آنے لگا

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''بدلی کا چاند'' سے لیا گیا ہے۔ اس کے شاعر جوشؔ ملیح آبادی ہیں جنھیں شاعر انقلاب و شباب کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
کاوش	تلاش، جستجو	نور و ظلمت	روشنی اور اندھیرا

تشریح:

اس آخری شعر میں شاعر در اصل پوری نظم کا مرکزی خیال بیان کر رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ چاند کے بادلوں کی اوٹ میں چھپنے اور پھر بادلوں کی اوٹ سے باہر نکلنے کی جستجو کو دیکھ کر روشنی اور اندھیرے اور قید اور آزادی کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ چاند کی طرح حضرتِ انسان بھی زندگی کے اندھیروں سے نکل کر اُجالے کی جانب جانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک انسان خواہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو مگر فطرت اسے نیکی کی طرف لے ہی جائے گی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان اگر اندھیرے میں وقت گزار رہا ہے تو یہ اس کی مجبوری ہے۔ وہ روشنی کا ہمیشہ طالب رہے گا۔ اس نظم میں انسانی فطرت کی جدوجہد کی طرف اشارہ ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

کتبہ کون لکھے گا؟

یاسمین حمید
پیدائش ۱۹۵۱ء

ابھی پہلا ستارہ ڈھونڈتے ہو تم
ابھی تو روشنی آنکھوں تلک پہنچی نہیں ہے
جب شکست وریخت کی منزل سے آگے
سیکڑوں نوری برس تسخیر ہو جائیں گے
تب تم آسماں کی آخری حد پر
زمیں زادوں کی باتیں سن رہے ہو گے
خلا اندر خلا سیارو گاہیں اپنی کم آباد دنیا کو پکاریں گی
زمیں بھی آشنا دستک یہ چونکے گی
مگر پھر کون بولے گا؟
گلستاں، رنگ، خوش بو
چہچہاتے پیڑ اور چنگھاڑتے جنگل
اکیلے کیا کریں گے
شہروں شہروں گھومتے دن رات
کس کو تھپکیاں دے کر سلائیں گے، جگائیں گے
کسی ویران قریے میں
الاؤ سینکتے ہاتھوں کی بے مصرف لکیریں
اپنے ہونے کا گلہ کس سے کریں گی
پتھروں کی، برف کی جانب پلٹتی زندگی کو
کون پرسا دینے آئے گا
خلا اندر خلا گنجان سیاروں کے سارے خواب
بے تعبیر رہ جائیں گے تو اس سانحے پر
کون روئے گا
زمیں زادوں کا کتبہ کون لکھے گا؟

JOIN FOR MORE!!!

(الف) تعارفِ شاعرہ:

اس نظم کی خالق معروف شاعرہ اور ماہر تعلیم یاسمین حمید صاحبہ ہیں۔ آپ ۱۸ مارچ ۱۹۵۱ء کو لاہور میں پیدا ہوئیں۔ والدین فوج میں تھے اس لیے مختلف شہروں کی تبدیلی ہوتی رہی۔ یاسمین حمید کو بچپن سے ہی گیت گانے اور شعر پڑھنے کا شوق تھا تاہم شاعری اپنی تعلیم کے مکمل ہونے کے بعد شروع کی۔ آپ نے اپنا ایک الگ تخلیقی جہان آباد کر رکھا ہے۔ آپ اپنے اشعار میں تعلی یا خود نمائی نہ کرنے کے باوجود بھی شعر کو ذات کا استعارہ بنا دیتی ہیں۔

اہم تصانیف:

آدھا دن آدھی رات — حصار بے در و دیوار — پس آئینہ

فنا بھی ایک سراب

(ب) نظم کا مرکزی خیال

موجودہ دور میں انسان دنیا تسخیر کرنے نکلا ہے۔ سیاروں اور ستاروں پر کمند ڈال رہا ہے لیکن اندر سے وہ بالکل کھوکھلا ہے۔ وہ روحانیت اور اپنی معرفت سے عاری ہے۔ اس دنیا کی ہر شے انسان کے تابع اور اسی کے مرہونِ منت ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی حقیقت کو پہچانے اور اس دنیا کا والی وارث بنے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اس دنیا کا کوئی والی وارث نہیں رہے گا، یہ دنیا لاوارث رہ جائے گی۔

JOIN FOR MORE!!!

مشکل الفاظ

لفظ	معنی	لفظ	معنی
شکست وریخت	انتشار، بربادی	نوری برس	روشنی کا ایک سال کا فاصلہ
تسخیر	قبضے میں کرنا، قابو کرنا	زمیں زادہ	زمین کا باشندہ
آشنا	دوست، رفیق، ساتھی	گلستان	باغ
چنگھاڑنا	شور مچانا، چیخنا	قریہ	گاؤں
الاو	جلتا ہوئی گھاس یا لکڑیاں	بے مصرف	بے ضرورت، بے فائدہ
پُرسا	حال پوچھنا، تعزیت	گنجان	پُرہجوم، گھنا
کتبہ	وہ عبارت جو کسی عمارت یا قبر پر بطور یادگار تحریر یا کندہ ہو		

تشریح

اس نظم میں شاعرہ یہ بتانا چاہتی ہیں کہ انسان کو مٹی سے تخلیق کیا گیا ہے اور مٹی دراصل ایک خلا ہے۔ خلا کے اندر اللہ تعالی نے اپنا آپ شامل کیا ہے تو اس میں حواس پیدا ہوئے اور انسان کی تخلیق ممکن ہوئی۔ اس دنیا کی رنگینیاں اور ساری آب و تاب انسان کے دم سے ہے

۔وہ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے آسمان تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے، مختلف سیاروں اور ستاروں پر کمند ڈال رہا ہے لیکن اپنے اندر اور باطن میں وہ بالکل خالی اور کھوکھلا ہے اور اندر سے وہ مر رہا ہے، اس کے اندر روحانیت نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کو جو شرف عطا فرمایا ہے جب تک وہ اس شرف پر پورا نہیں اترے گا تب تک وہ کامیاب نہیں ہو گا۔

انسان کا شرف یہ ہے کہ وہ اپنی معرفت حاصل کرے، اور خود کو پہچاننے کے بعد اپنے بنانے والے خدائے ذوالجلال کو پہچانے، تب وہ حقیقت میں کامیابی کے راستے پر گامزن ہو سکے گا۔ انسان کو اپنے علم پر بڑا ناز ہے لیکن حقیقت میں وہ کچھ نہیں جانتا۔ اگر وہ اپنے مقصد میں پورا نہیں اترے گا یعنی وہ خود کو اس کائنات کی خلا میں نہیں ڈھونڈے گا تو وہ رب کی معرفت بھی کسی طور حاصل نہ کر سکے گا۔ اور پھر اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد کوئی بھی اس کے گن گانے والا نہیں بچے گا۔

نظم میں انسان کے فنا اور قیامت کا منظر کھینچا گیا ہے لیکن گہرائی اس بات کی ہے کہ انسان اس دنیا کی چکا چوند کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے حالاں کہ اس کی حیثیت خلا کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اصل میں اہم وہ ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے انسان کو ودیعت کیا گیا ہے۔ یعنی اس کی روح اور اس کا کردار۔ انسان سیاروں تک تو پہنچ رہا ہے لیکن اپنے باطن کو پہنچاننے سے قاصر ہے۔ شاعر انسان کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ تم وہاں تک تو پہنچ گئے ہو لیکن جو تمھاری اندرونی موت ہوتی جا رہی ہے اس پر کون افسوس کا اظہار کرے گا اور اس پر کتبہ کون لکھے گا؟

JOIN FOR MORE!!!

مرہم

مختار کریمی

پیدائش ۱۹۲۹ء۔ وفات ۲۰۱۴

ہوا بے تیز کیوں بے تاب پھرتی ہے
کبھی صحرا، کبھی گلشن، کبھی ساحل، کبھی دریا
ہوا جو یا ہے مرہم تو نہیں ہے
کبھی ہم بھی یوں ہی بے تاب رہتے تھے
ہوا کو
کون سمجھائے
یہی زخمِ تمنا
زندگی ہے

(الف) تعارفِ شاعر:

مختار کریمی کا اصل نام مختار صدیقی اور تخلص مختار ہے۔ آپ ۱۹۲۹ء میں پیدا ہوئے۔ زندگی بھر درس و تدریس کے سلسلے سے وابستہ رہے۔ کیڈٹ کالج پٹارو (سندھ) سے بطور معلم ریٹائر ہوئے۔

مختار کریمی نئے اسلوب کے شاعر ہیں۔ آپ کی شاعری بنیادی طور پر فکر کی شاعری ہے۔ آپ واقعاتِ حیات کو ایک مفکر کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور آپ کی غزل اور نظم دونوں میں نے عہد کا شعور سانس لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مختار کریمی کو اس اعتبار سے بھی اپنے ہم

عصروں میں امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ انھوں نے اس دور کے سائنسی انکشافات اور ایجادات کی پیدا کردہ حیرتوں کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ مختار کریمی کے فن کی گہرائی اور ٹھہراو کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ چالیس سے زیادہ سال کے عرصے میں ان کے صرف دو شعری مجموعے شائع ہوئے۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ کے:

"مختار کی نظمیں، غزلیں آج کے شاعر کا حق ادا کر رہی ہیں۔ مختار تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور نفرتوں سے پیار کی طرف بڑھتا ہے۔"

اہم تصانیف:

خیال کی دستک (شعری مجموعہ) نہالِ درد (شعری مجموعہ)

دم خوردہ غزل (آپ بیتی)

(ب) نظم کا مرکزی خیال:

ہوائے تیز کی بے قراری کو انسان کی بے چینی اور بے قراری سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس طرح ہوا بے چینی کے مارے کبھی صحراؤں میں، کبھی دریاؤں میں، کبھی باغوں اور کبھی ساحل پر دربدر پھرتی ہے سکون کی تلاش میں، اسی طرح انسان بھی اپنی بے چینیوں سے تنگ آکر سکون کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ کافی ٹھوکریں کھانے کے بعد انسان کو پتہ چلتا ہے کہ زندگی نام ہی اس بے قراری اور کچھ کرتے رہنے کا ہے۔ وہ زندگی ہی کیا جس میں جمود اور ٹھہراو کا بسیرا ہو۔

مشکل الفاظ

لفظ	معنی	لفظ	معنی
بے تاب	انتشار، بربادی	جویا	ڈھونڈنے والا، کھوجی

تشریح

اس آزاد نظم میں شاعر نے انسان کی بے چینی اور بے قراری کو ہوائے تیز کی بے قراری سے تشبیہ دی ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ یہ ہوا بہت بے تاب ہے اور یہ سکون کی تلاش میں کبھی صحرا اور باغوں میں بھٹکتی پھرتی ہے، اور کبھی دریا اور ساحل کا رخ کرتی ہے۔ ہم بھی ایک زمانے میں اسی طرح سکون کو تلاش کرتے پھرتے تھے کہ کہیں سکون میسر آجائے، لیکن بہت سی دربدری کے بعد جا کے ہمیں یہ ادراک ہوا کہ زندگی تو نام ہی بے چین رہنے کا ہے۔ زندگی نام ہے اس کیفیت کا جس میں انسان نئے نئے خواب بنتا ہے اور انھیں حقیقت بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ زندگی پر سکون ہو جائے تو اس میں کچھ نیا کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی اور وہ جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔ اب یہ بات ہماری تو سمجھ میں آگئی، ہوا کو یہ بات کون سمجھائے۔

JOIN FOR MORE!!!

دو بہرے شناساؤں کی ملاقات

سید ضمیرؔ جعفری

پیدائش ۱۹۱۶ء۔ وفات ۱۹۹۹ء

(الف) تعارفِ شاعر:

سید ضمیرؔ جعفری کا پورا نام سید ضمیر حسین جعفری تھا۔ آپ اردو ادب میں طنز و مزاح کی شاعری کے سبب شہرت رکھتے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد جن شاعروں نے طنز و مزاح میں شہرت حاصل کی ان میں آپ صف اول میں شامل ہیں۔ آپ دیگر شعرا میں اس لیے بھی ممتاز ہیں کہ آپ نے مزاحیہ کے ساتھ ساتھ سنجیدہ شاعری بھی کی۔ پاکستان ٹیلی وژن کے مزاحیہ مشاعروں میں آپ اکثر نمائندگی کرتے تھے۔ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ فوج میں بھی رہے۔ میجر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ آپ کا انتقال ۱۹۹۹ء میں ہوا۔ آپ کا مزار گوجر خان میں ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

اہم تصانیف:

ضمیر حاضر | ضمیر غائب | مسدس بدحالی | مافی الضمیر

کتابی چہرے | لہو ترنگ

(ب) نظم کا مرکزی خیال:

یہ نظم مزاحیہ شاعر سید ضمیر جعفری کے طنز و مزاح کا خوبصورت نمونہ ہے۔ سید ضمیر جعفری کی مزاح سے بھرپور شاعری کا خاصہ یہ ہے کہ انھوں نے معاشرتی سطح پر ہر اس پہلو کی ترجمانی کی ہے جسے معاشرتی بگاڑ اور انسانیت سوزی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس نظم میں جعفری صاحب نے دو بہرے واقف کاروں کا مکالمہ پیش کیا ہے۔ دونوں بہرے ہونے کے سبب ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھتے۔ ایک کچھ کہتا ہے اور دوسرا اس کا کچھ اور ہی مطلب سمجھ کر اپنی دانست میں جواب دیتا ہے۔ دونوں کی دو رویہ گفتگو ایک نیا رنگِ مزاح پیدا کر رہی ہے۔

تشریحات

شعر نمبر ۱:

اُس نے کہا، آداب کرتا ہوں ، کہو کیا حال ہے؟
اِس نے کہا، تھیلے میں دو رومال ہیں، ایک تھال ہے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''دو بہرے شناساؤں کی ملاقات'' سے لیا گیا ہے۔ یہ نظم مزاحیہ شاعر سید ضمیرؔ جعفری کا شاہکار ہے۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ پہلے دوست نے دوسرے دوست کو سلام کر کے حال پوچھا تو دوسرے کو لگا کہ وہ پوچھ رہا ہے کہ

تمھارے پاس کیا کیا سامان ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ میرے تھیلے میں دو رومال ہیں اور ایک تھال بھی ہے۔

شعر نمبر ۲:

اُس نے کہا، انساں میں اب کچھ ذوقِ ہم دردی بھی ہے!
اِس نے کہا، ہم کیا کریں، کھانسی بھی ہے، سردی بھی ہے

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''دو بہرے شناساؤں کی ملاقات'' سے لیا گیا ہے۔ یہ نظم مزاحیہ شاعر سید ضمیر جعفری کا شاہکار ہے۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں پہلے دوست نے دوسرے سے کہا کہ آج کل انسانوں کے دلوں میں ذوقِ ہم دردی باقی نہ رہی۔ دوسرے کو لگا کہ اپنی کسی تکلیف اور درد کا ذکر کر رہا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں کیا کر سکتا ہوں مجھے تو خود کھانسی اور سردی لگی ہوئی ہے۔

شعر نمبر ۳:

JOIN FOR MORE!!!

اُس نے کہا، اس وقت شاید قصد ہے بازار کا
اِس نے کہا، بارہ بجے، دن ہو مگر اتوار کا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''دو بہرے شناساؤں کی ملاقات'' سے لیا گیا ہے۔ یہ نظم مزاحیہ شاعر سید ضمیر جعفری کا شاہکار ہے۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ پہلے دوست نے دوسرے سے کہا کہ ابھی آپ شاید بازار جا رہے ہیں؟ دوسرے کو لگا کہ یہ میرے ساتھ بازار جانا چاہتا ہے۔ اسی لیے اس نے جواب دیا کہ ہاں اتوار کو بارہ بجے چل سکتے ہیں۔

شعر نمبر ۴:

اُس نے کہا، منجھلے چچا کیا اب بھی ہیں ملتان میں؟
اِس نے کہا، کچھ درد سا رہتا ہے بائیں کان میں

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''دو بہرے شناساؤں کی ملاقات'' سے لیا گیا ہے۔ یہ نظم مزاحیہ شاعر سید ضمیر جعفری کا شاہکار ہے۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ پہلے دوست نے دوسرے سے پوچھا کہ کیا آپ کے منجھلے چچا اب بھی ملتان میں رہتے ہیں؟ اسے سمجھ میں نہیں آیا اسے لگا کان کے بارے کچھ بات ہو رہی ہے اسی لیے اس نے جواب دیا کہ ہاں میرے بائیں کان میں کچھ درد سا رہتا ہے۔

شعر نمبر ۵:

اُس نے کہا، بیمار ہے بیگم گزشتہ رات سے
اِس نے کہا، اچھی کہی، دل خوش ہوا اس بات سے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''دو بہرے شناساؤں کی ملاقات'' سے لیا گیا ہے۔ یہ نظم مزاحیہ شاعر سید ضمیرؔ جعفری کا شاہکار ہے۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ پہلے دوست نے دوسرے سے کہا کہ میری بیوی رات سے بیمار ہے۔ اسے لگا کہ کوئی خوشی کی بات ہے اسی لیے اس نے جواب دیا کہ مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی۔

شعر نمبر ۶:

اُس نے کہا، انگلینڈ سے افسر کا تار آیا نہیں
اِس نے کہا، پھر تو کہیں ان کو بخار آیا نہیں

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''دو بہرے شناساؤں کی ملاقات'' سے لیا گیا ہے۔ یہ نظم مزاحیہ شاعر سید ضمیرؔ جعفری کا شاہکار ہے۔

تشریح:

JOIN FOR MORE!!!

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ پہلے دوست نے دوسرے سے کہا کہ انگلینڈ سے افسر کا خط نہیں آیا اب تک۔ دوسرے کو لگا کہ کسی انسان کے آنے کی بات ہو رہی ہے۔ اسی لیے اس نے جواب دیا کہ ہو سکتا ہے اُسے بخار ہو گیا ہو اسی لیے نہیں آیا۔

شعر نمبر ۷:

اُس نے کہا، کیا آپ کو اپنی جوانی یاد ہے؟
اِس نے کہا، ہاں یاد ہے اور منہ زبانی یاد ہے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر شعر نظم ''دو بہرے شناساؤں کی ملاقات'' سے لیا گیا ہے۔ یہ نظم مزاحیہ شاعر سید ضمیرؔ جعفری کا شاہکار ہے۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ پہلے دوست نے دوسرے دوست سے پوچھا کہ آپ کو اپنی جوانی یاد ہے؟ اسے لگا کہ کسی نظم یا بات کے یاد ہونے کا پوچھ رہا ہے۔ اسی لیے اس نے جواب دیا کہ ہاں مجھے تو زبانی یاد ہے۔

گیت

نگارؔ صہبائی (محمد سعید)

پیدائش ۱۹۲۶ء۔ وفات ۲۰۰۴ء

(الف) تعارفِ شاعر:

اردو کے ممتاز گیت نگار شاعر نگارؔ صہبائی کا اصل نام محمد سعید اور تخلص نگارؔ تھا۔ وہ ۷ اگست ۱۹۲۶ء کو ناگ پور میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم مدراس اور ناگ پور سے حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۹۴۷ء میں وہ پاکستان آ گئے جہاں انھوں نے جامعہ کراچی

سے گریجویشن کیا۔

انھوں نے شاعری کی تربیت اپنے ماموں عبدالوہاب سے حاصل کی۔ ابتدا میں انھوں نے شاعری کے علاوہ افسانے بھی لکھے اور انہیں مصوری، موسیقی اور رقص کا شوق بھی رہا۔ انہوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی مگر ان کی محبوب صنف سخن گیت نگاری تھی جس میں وہ ایک منفرد اسلوب کے مالک تھے۔ نگار صہبائی ۸ جنوری ۲۰۰۴ء کو کراچی میں وفات پا گئے۔

اہم تصانیف:

ان کے گیتوں کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں:

جیون درپن   من گاگر   انت سے آگے

(ب) گیت کا مرکزی خیال:

اس گیت میں انسان کے خوابوں کا ذکر ہے۔ انسان سپنوں کی دنیا میں جیتا ہے۔ وہ اپنی ذات میں گم ہو کر بچپن ہی سے مختلف طرح کے خواب دیکھتا ہے اور پھر انھیں حقیقت کا روپ دینے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ خوابوں کی دنیا میں اتنی اونچی اُڑان اڑتا ہے جو بعض اوقات حقیقت میں ممکن بھی نہیں ہوتی لیکن اس کے ایسا کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ کامیاب وہی ہے جو اونچے اونچے خواب دیکھے، اس لیے کہ انسان جتنی کوشش کرے گا اسی قدر اس کا نصیب کھل کر سامنے آتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

بند کی تشریحات

بند نمبر ۱:

جانے کیا سپنے دیکھے تھے تُو نے اپنے بچپن میں
شام کا پہلا تارا چمکا دِیپ سے پہلے آنگن میں

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر بند گیت سے لیا گیا ہے۔ گیت کے شاعر نگار صہبائی ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
دِیپ	دیا، چراغ	آنگن	صحن

تشریح:

اس بند میں شاعر انسان کے خوابوں کا ذکر کر رہے ہیں کہ کس طرح انسان اپنے بچپن میں اونچے اونچے خواب دیکھتا ہے۔ کچھ سچ ہو جاتے ہیں اور کچھ خواب ہی رہ جاتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ آنگن کو دیا روشن کرے انسان آسمان سے تارا توڑ کر لے آتا ہے اور اس سے اپنے آنگن کو روشن کرتا ہے۔

بند نمبر۲:

اتنی اونچی من کی اٹریا امبر جس پر جھک جائے
رات کا پلو جھٹک جھٹک کر ہاتھ میں چاندی بھر لائے

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر بند گیت سے لیا گیا ہے۔ گیت کے شاعر نگار صہبائی ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
اٹریا	چھت کے اوپر کا کمرہ، بالاخانہ	امبر	آسمان، بادل

تشریح:

اس بند میں بھی شاعر انسان کے سپنوں کی دنیا کو بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انسان کے سپنے اتنے اونچے ہیں کہ ان کے آگے آسمان بھی جھک جائے۔ انسان جب خواب دیکھنے پر آتا ہے تو آسمان سے بھی اونچی اُڑان بھرتا ہے اور رات کا پلو جھاڑ کر اپنے ہاتھ میں چاند کی چاندنی بھر کے لے آتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

بند نمبر۳:

سدا سہاگن تیری رَچنا سرسوں پھول رہی من میں
رنگ ہوا میں اڑتے پھرتے کیا آنگن میں کیا بَن میں

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر بند گیت سے لیا گیا ہے۔ گیت کے شاعر نگار صہبائی ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
سہاگن	خوش قسمت، چہیتی بیوی	رَچنا	مہندی کا تیز رنگ آنا
مَن	دل، جی	بَن	جنگل

تشریح:

اس بند میں شاعر کہتے ہیں کہ انسان جب سپنوں کی دنیا میں رہتا ہے تو وہ غموں سے آزاد رہتا ہے۔ اس کے ارد گرد کا ہر رنگ گہرا ہو جاتا ہے اور یہ دنیا خوشیوں کے رنگ سے بہت رنگین ہو جاتی ہے۔ ہوا میں مختلف رنگ بکھرتے نظر آتے ہیں۔ جنگل ہو یا شہر، سب رنگوں بھرا دکھائی دیتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ خواب دیکھنا کبھی بند نہ کرے۔

بند نمبر۴:

پت جھڑ مٹی میں سوتا ہے بارش کا سناٹا ہے
پَل سے جُگ تک سفر کٹھن تھا تو نے کیسے کاٹا ہے

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر بند گیت سے لیا گیا ہے۔ گیت کے شاعر نگار صہبائی ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
پَل	لمحہ	جُگ	زمانہ، لمبی مدت

تشریح:

اس بند میں شاعر کہتے ہیں کہ جس طرح پت جھڑ سے لے کر بارش تک کا وقت انتہائی کٹھن ہوتا ہے اسی طرح انسان کی زندگی میں بھی کبھی کبھی مشکل وقت آجاتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پت جھڑ کتنا ہی زور کا ہو اس کے بعد بہار ضرور آتی ہے اسی طرح انسان کو مشکل وقت میں یہ سوچنا چاہیے کہ یہ مشکل جتنی بھی سخت ہو اس کے بعد آسانی ضرور آئے گی۔

بند نمبر ۵:

سُر سے ہنسی الگ نہ کرنا جب لے اترے جیون میں
پنچم، مدھم لگن رچائیں ایسے بھاؤ ہیں جھانجھن میں

JOIN FOR MORE!!!

حوالۂ شاعر:

پیشِ نظر بند گیت سے لیا گیا ہے۔ گیت کے شاعر نگار صہبائی ہیں۔

مشکل الفاظ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
جیون	زندگی	پنچم	ایک راگ کا نام
مدھم	دھیما، آہستہ	بھاو	قیمت، طور، طریقہ
جھانجھن	پاؤں کا زیور، پایل	رچانا	بنانا، تیار کرنا

تشریح:

اس بند میں شاعر کہتے ہیں کہ خوشیوں کے موسم کو بھرپور انداز میں جینا چاہیے۔ زندگی کی خوشیاں بہت بڑی نعمت ہوا کرتی ہیں۔ انسان ان کی جتنی قدر کرے کم ہے۔ گزرے وقتوں کی مشکلات اور پریشانیاں بھلا کر خوشی کے موسم سے خوب لطف اندوز ہونا چاہیے۔

اُسلوب (ثُلاثی)

حمایت علی شاعرؔ

پیدائش ۱۹۲۶ء۔ وفات ۲۰۱۹

کس طرح تراش کر سجائیں
نادیدہ خیال کے بدن پر
لفظوں کی سِلی ہوئی قبائیں

تعارفِ شاعر:

حمایت علی شاعر کا پورا نام میر حمایت علی اور شاعرؔ تخلص تھا۔ ۱۴ جولائی ۱۹۲۶ء کو اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ روزنامہ ''خلافت'' میں کام کیا اور ریڈیو سے وابستہ ہوگئے۔ ۱۹۶۳ء میں سندھ یونیورسٹی سے اردو میں ایم۔اے کیا۔ حمایت علی شاعرؔ نے فلموں کے لیے گانے بھی لکھے۔ شاعری میں ایک نیا تجربہ ''ثلاثی'' کا کیا جس میں تین مصرع ہوتے ہیں۔ سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے بھی منسلک رہے۔ ریڈیو پاکستان کا بھی حصہ رہے اور مختلف ذمہ داریاں انجام دیں۔

حمایت علی شاعرؔ کو بہت سے ایوارڈ بھی ملے جن میں ''نگار ایوارڈ، رائٹر گلڈ آدم جی ایوارڈ، عثمانیہ گولڈ میڈل''اور حکومتِ پاکستان کی طرف سے ''صدارتی ایوارڈ'' شامل ہیں۔

اہم تصانیف:

آئینہ در آئینہ (منظوم خودنوشت) ہارون کی آواز (شعری مجموعہ) عقیدت کا سفر (تحقیق)
تجھ کو معلوم نہیں (فلمی نغمات) میری دھرتی میرے خواب (نغمے) شخص و عکس (مضامین)
تشنگی کا سفر (طویل نظمیں) سرگم (گیتوں کا مجموعہ)

JOIN FOR MORE!!!

مرکزی خیال

ایک شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ اَن دیکھے خیالات کو الفاظ کی شکل میں دوسروں کی سوچ تک منتقل کرتا ہے۔

مشکل الفاظ

لفظ	معنی	لفظ	معنی
نادیدہ	اَن دیکھا، اوجھل	قبائیں	لمبا لباس جو کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے

تشریح:

ثُلاثی اس نظم کو کہتے ہیں جو تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس نظم میں حمایت علی شاعرؔ صاحب ایک شاعر کے فن کی تعریف کررہے ہیں۔ سب سے مشکل کام یہ ہے کہ اپنے ذہن کی کوئی بات دوسرے کے ذہن تک منتقل کی جائے۔ شاعر کہتے ہیں کہ یہ مشکل کام شعرا ہی کر سکتے ہیں۔ کیسے وہ اپنے ذہن میں پیدا شدہ خیال کو بہترین اُسلوب میں مرتَّب کرکے الفاظ کی شکل دیتے ہیں۔ اور پھر مختلف صنائع وبدائع سے مزین کرتے ہیں۔ گویا کہ خیالات ایک جسم کی مانند ہیں اور الفاظ کی مثال خوبصورت قباؤں کی سی ہے۔ لباس اگر معقول اور

خوبصورت ہو تو بدن کی خوبصورتی دوگنی ہو جاتی ہے۔

آبِ زم زم (ہائیکو)

رساؔ چغتائی (مرزا محتشم علی بیگ)

پیدائش ۱۹۲۸ء۔ وفات ۲۰۱۸

ممتا کا دم تھا
یا بچے کی ایڑی میں
آبِ زم زم تھا

تعارفِ شاعر:

رساؔ چغتائی کا اصل نام مرزا محتشم علی بیگ اور رساؔ تخلص ہے۔ ۱۹۲۸ء میں ریاست جے پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں ہجرت کر کے پاکستان آکر مختلف اداروں میں ملازمت اختیار کی۔ روزنامہ ''حریت'' کراچی سے وابستہ رہے۔ بزرگ شاعر حضرت بینش سلیمی کے شاگرد ہیں۔ حکومت پاکستان نے ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ۲۰۰۱ء میں انھیں صدارتی ایوارڈ برائے حُسن کارکردگی سے نوازا۔

پاکستان آنے کے بعد جن لوگوں سے ان کی دوستی ہوئی ان میں قمر جمیل، محبوب خزاں، عزیز حامد مدنی، قمر جلالوی، رئیس امروہوی، ساقی فاروقی، حبیب جالب اور دیگر شامل ہیں۔ فیض احمد فیض سے بھی اُن کا اچھا تعلق رہا۔ آپ کو ''غزل کی آبرو'' بھی کہا جاتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

اہم تصانیف:

- زنجیر ہمسائیگی (شعری مجموعہ)
- چشمہ ٹھنڈے پانی کا (شعری مجموعہ)
- ریختہ (شعری مجموعہ)
- تصنیف (شعری مجموعہ)
- تیرے آنے کا انتظار رہا (کلیات)

مرکزی خیال

انسان کی قوت ارادی کی رفعت و شدت کو بیان کی گیا ہے۔

تشریح

ہم سب جانتے ہیں کہ آبِ زم زم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیوں سے جاری ہوا۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام بھوک سے بلبلائے تو وہاں کھانے یا پانی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ لیکن انھوں نے اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے ہاتھ پہ ہاتھ دھرنے کے بجائے کوشش شروع کی۔ والدہ مایوس ہونے کے بجائے پانی کی تلاش میں ادھر اُدھر دوڑیں یہ جانتے ہوئے کہ کسی چیز کے کوئی آثار نہیں۔ حضرت اسماعیل نے ایڑیاں رگڑنا شروع کر دیں کہ کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا بہتر ہے۔ شاعر دونوں ماں بیٹے کی قوت ارادی کی تعریف کر رہے ہیں۔

کام (ہائیکو)

وضاحت نسیمؔ

پیدائش ۱۹۵۶ء

ذات میں اپنی گم
کام سے اپنے کام تمھیں
ہم سے اچھے تم

تعارفِ شاعر:

وضاحت نسیمؔ ۲۷ جون ۱۹۵۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ اردو ادب میں ایم۔اے کرنے کے بعد انھوں نے حبیب بینک لمیٹڈ سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ وضاحت نسیمؔ نے جاپانی بھی سیکھی۔ بعد میں انھوں نے یہ زبان جاپانی قونصلیٹ میں پاکستانی طلبہ کو سکھائی۔ ریڈیو پاکستان میں بحیثیت براڈکاسٹر کام کیا۔

اہم تصانیف:

اندھی گلی میں سورج (شعری مجموعہ) خواب دریچے (شعری مجموعہ)

JOIN FOR MORE!!!

مرکزی خیال

کامیاب انسان وہی ہے جو دوسروں کے شب و روز پر نظر رکھنے کے بجائے اپنے کام سے کام رکھے۔

تشریح

اس ہائیکو میں شاعرہ وضاحت نسیمؔ کہتی ہیں کہ وہ انسان ہمیشہ ناکام ہو جاتا ہے جو دوسروں کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے۔ یہ بہت ہی بے کار اور ناکارہ لوگوں کی نشانی ہے۔ تم اپنی ذات میں گم ہو، اپنے کام سے کام رکھے ہوئے ہو۔ تمھیں کسی اور چیز کی فکر نہیں۔ ہماری زندگی میں بہت سی افکار و آلام ہیں جن میں ہماری زندگی بری طرح الجھی ہوئی ہے۔ تم ہم سے لاکھ درجے بہتر ہو۔

خوش حال خان خٹک

پیدائش ۱۶۱۳ء۔ وفات ۱۶۸۹ء

(مترجم: پروفیسر پری شان خٹک)

تعارفِ شاعر:

پشتون شاعر اور فلسفی خوشحال خان خٹک نورالدین اکبر کے زمانے میں اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شہباز خان قبیلہ خٹک کے سردار تھے۔ ۲۷ سال کی عمر میں والد کے انتقال کے بعد آپ اپنے قبیلے کے سردار بنے۔

پشتو زبان کے شاعروں کی درجہ بندی کی جائے تو خوشحال خان خٹک کا پہلا، رحمان بابا کا دوسرا اور حمید بابا کا تیسرا نمبر ہے۔ آپ کی شاعری کی ایک بہت بڑی کتاب "کلیات خوشحال" کے نام سے موجود ہے۔ آپ کی شخصیت کی طرح آپ کی شاعری بھی ہمہ جہت ہے۔ آپ نے عشقیہ، صوفیانہ، سیاسی، مذہبی، قومی اور رزمیہ شاعری کی ہے۔

آپ نہ صرف شاعر بلکہ ایک بہت بڑے نثر نگار بھی تھے۔ آپ کی نثری کتابوں میں "سوات نامہ، باز نامہ، فضل نامہ اور دستار نامہ" قابلِ ذکر ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

اہم تصانیف:

باز نامہ دستار نامہ سوات نامہ فضل نامہ

کلامِ خوشحال خان خٹک

بند کی تشریحات

بند نمبر ۱:

اگر تمام مخلوق خدا کی ثنا کرنے لگے
اور تمام کام چھوڑ کر اسی میں مشغول ہو
تب بھی اس کی تعریف پوری طرح کر سکتا ہے
کون اس کی کون سی تعریف پوری کر سکتا ہے

تشریح:

اس بند میں شاعر کہتے ہیں کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ خدا کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ چرند پرند، انسان اور درندے سب ہی اپنے اپنے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ اگر دنیا کی تمام مخلوقات اپنے سارے کام چھوڑ چھاڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا شروع کر دے اور صبح و شام بس اللہ کی حمد و ثنا کیا کرے، تب بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف مکمل نہیں ہو سکتی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي ٱلْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَٱلْبَحْرُ يَمُدُّهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ ٱللَّهِ

ترجمہ: ''اور زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر ہے، اس کے علاوہ سات سمندر
اس کے ساتھ اور مل جائیں (اور وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات لکھیں)
تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔'' (سورۃ لقمٰن: ۲۷)

بند نمبر ۲:

باغ کے پھول عجب رنگ دکھاتے ہیں
بعض تر و تازہ ہوتے ہیں اور بعض چٹکتے ہیں
سوسَن کو ذرا دیکھیے جو ہر زبان سے
حرف اور آواز کے بغیر خدا کی تعریف کرتا ہے

تشریح:

سوسَن ایک پھول ہے جو زیادہ تر نیلا اور کبھی آسمانی، زرد یا سفید رنگ کا ہوتا ہے اس کی شاخ بلند، پتّے پتلے ہوتے ہیں اور پُھول میں پانچ سے لے دس تک کی تعداد میں پنکھڑیاں ہوتی ہیں جو زبان کے مشابہ ہوتی ہیں۔ شاعر نے اس پھول کو موضوع بنا کر تمام پھولوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ باغ میں طرح طرح کے پھول ہیں اور سب پھول ہی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ ان کی حمد و ثنا کا طریقہ کسی کو دکھائی یا سنائی نہیں دیتا لیکن وہ بنا آواز کیے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

سالانہ پرچہ جات

JOIN FOR MORE!!!

سوال نمبر ۵ : طریقۂ جواب: سبق کا خلاصہ

موزوں طریقہ: خلاصے کا مواد اصل مواد کا تقریباً ایک تہائی ہونا چاہیے۔ اس میں وہ تمام نکات بیان کیے جائیں جن پر کہانی تعمیر ہوئی ہے۔

☆ عنوانات قائم نہیں کرنے چاہئیں۔

☆ اشعار کا استعمال بالکل نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ اشعار لکھنا خلاصے کی روح کے خلاف ہے۔

مصنف کا تعارف: اس عنوان کے تحت مصنف کی ادبی حیثیت، خصوصیاتِ نثر اور چند تصانیف کا ذکر ضرور ہو۔

مثال:

سبق: عالم گیر کا انصاف

مصنف: علامہ شبلی نعمانی

مختصر تعارف: ادبی حیثیت: علامہ شبلی نعمانی نے پہلی بار تاریخ میں فلسفہ شامل کیا۔ انھیں پہلا فلسفی مؤرخ کہا جاتا ہے۔

خلاصے میں مواد اِتنا ہو جس میں اُن تمام اہم نِکات کو بیان کیا جائے جن پر قصّے کی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

جوابی خاکہ

(الف) تعارفِ مصنف:

(ب) خلاصہ:

عالم گیر کا انصاف

(الف) تعارفِ مصنف:

شبلی ۱۸۵۷ء میں اعظم گڑھ کے نزدیک بندول میں پیدا ہوئے۔ نسلاً راجپوت تھے۔ شبلی امام اعظم امام ابو حنیفہؒ سے مزاجی قربت رکھتے تھے، اسی لیے اپنے نام کے ساتھ امام صاحب کے نام نعمان بن ثابت کی نسبت سے نعمانی لکھنا شروع کیا۔ شبلی نے اپنے وقت کے جید علمائے کرام سے تعلیم حاصل کی۔

شبلی نعمانی ان لوگوں میں سے ہیں، جو سر سید احمد خان کے اثر اور فیض کی بدولت مولویت کے محدود اور روایتی دائرہ سے نکل کر ادب کے وسیع میدان میں آئے۔ انھیں سر سید کے قریبی ساتھیوں میں اور اردو کے عناصرِ خمسہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ آپ نے اسلامی شخصیات کی زندگیوں کو لکھ کر اردو زبان میں اسلامی تاریخ کا صحیح ذوق پھیلایا۔ ''الفاروق''، ''سیرتِ عائشہ'' اور ''المامون'' وغیرہ اس کی چند مثالیں ہیں۔ آپ بلند مقام شاعر اور اعلیٰ درجہ کے سخن شناس اور نقاد تھے۔ آپ کی ادبی و علمی خدمات میں اعتراف میں انگریز سرکار نے آپ کو ''شمس العلما'' کا خطاب دیا۔

JOIN FOR MORE!!!

اہم تصانیف:

الفاروق — الغزالی — المامون — شعر العجم

سیرت النبی ﷺ — سوانح مولانا روم — سیرت نعمان — موازنۂ دبیر و انیس

مقالات شبلی — اورنگ زیب پر ایک نظر

(ب) خلاصہ:

مغل بادشاہوں میں سب سے کامیاب بادشاہ اورنگزیب عالم گیر ہے۔ عالم گیر کا سب سے بڑا کارنامہ اس کا عدل اور انصاف ہے۔ عالم گیر کے انصاف کا یہ عالم تھا کہ اس میں شاہ و گدا، امیر و غریب سب کو ایک نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ حکومت کے بڑے سے بڑے افسر کی بھی عدالت میں وہی حیثیت تھی جو کہ ایک عام آدمی کی تھی، یہاں تک کہ سلطنت کے شہزادوں کو بھی کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہ تھی۔ بادشاہ کی اسی عظیم صفت کے باعث مشہور مغربی مستشرق اسٹینلی لین پول نے عالم گیر کو ''عدل کا دریائے اعظم'' قرار دیا ہے۔

عالم گیر کی بادشاہت کا مقصد جاہ و حشم کا حصول نہیں تھا بلکہ وہ بادشاہت کو ایک خدمت سمجھ کر انجام دیتا تھا۔ عام سے عام آدمی کے لیے بادشاہ تک پہنچ کر اپنی عرضی پیش کرنا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ لوگ اپنے مسائل لے کر آتے اور براہِ راست بادشاہ سے بیان کر کے ان کا حل لے کر جاتے۔ یہی وجہ تھی کہ عالم گیر لوگوں میں بہت مقبول تھا اور بڑھاپے میں باوجود ضعفِ پیری کے وہ نہایت خندہ پیشانی سے لوگوں کے مسائل حل کیا کرتا تھا۔ ڈاکٹر کریری نے اٹھتر سال کی عمر میں عالم گیر کو دیکھا تھا، وہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس نے لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے عالم گیر کے ماتھے پر شکن تک نہیں دیکھی۔

مرزا کام بخش بادشاہ کا لاڈلا بیٹا تھا۔ اس کے رضاعی بھائی پر قتل کا الزام لگا۔ جب اسے طلب کیا گیا تو مرزا کام بخش نے اسے عدالت کے روبرو پیش کرنے میں پس و پیش کیا تو عالم گیر نے مرزا کام بخش کو بھی اس کے کوکے کے ساتھ عدالت میں طلب کر لیا اور بادشاہ کے اس حکم پر فوری عمل درآمد کیا گیا۔

۱۰۷۵ء میں عالم گیر حسن ابدال کے سفر پر روانہ ہوا۔ دورانِ سفر ایک باغ میں قیام کیا۔ باغ کی دیوار کے ساتھ ایک بُڑھیا کا مکان

تھا جس میں پن چکی تھی جس سے باغ میں پانی آتا تھا۔ بادشاہ کے آدمیوں نے بادشاہ کے سکون کی خاطر پانی روک دیا جس سے بُڑھیا کا نقصان ہوا۔ بادشاہ کو علم ہوا تو فوراً پانی کھلوا دیا اور بڑھیا سے معذرت کی اور اس کے لیے ہر جانے کے طور پر اشرفیاں اور کھانا بھجوایا۔ صبح ہوئی تو پالکی بھجوا کر بڑھیا کو حرم بلوایا اور یہ جان کر کہ بڑھیا کی دو بن بیاہی بیٹیاں ہیں، ان کی شادی کے لیے روپے پیسے سے نوازا، اشرفیاں عطا کیں۔ حرم کی بیگمات اور شہزادوں نے مال و دولت کی بارش کر دی جس سے بُڑھیا اچھی خاصی امیر ہو گئی۔

عالم گیر کا انصاف دور دور تک مشہور تھا۔ وہ اپنی رعایا کے لیے کسی شفیق باپ سے کم نہ تھا۔ ہر لحظہ اس کی یہی کوشش رہتی کہ کسی بھی شخص کا رتی برابر بھی نقصان نہ ہو۔

قحطُ الرِّجال

(الف) تعارفِ مصنف:

مختار مسعود ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی شیخ عطاء محمد مرحوم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں معاشیات کے پروفیسر تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو تحریک پاکستان میں ایک بیس کیمپ کی حیثیت حاصل رہی۔ مختار مسعود نے علی گڑھ میں ہی بنیادی تعلیم حاصل کی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔اے کیا۔

اپنی تصنیف ''آوازِ دوست'' سے بہت شہرت کمائی۔ قیامِ پاکستان کے بعد سرکاری ملازمت میں شامل ہو کر حکومت پاکستان کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے پاکستان بنتے اور پھر اسے دولخت ہوتے دیکھا۔ آوازِ دوست اسی عروج و زوال کی داستان کا ایک خوبصورت، دلکش اور اثر انگیز پیرایۂ بیان ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

اہم تصانیف:

آوازِ دوست سفر نصیب لوحِ ایام

(ب) خلاصہ:

۱۹۳۸ء کا ذکر ہے میں ہائی اسکول میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ میرے والد نے ایک دن مجھے بتایا کہ ایک عظیم ہستی ہمارے گھر مہمان بن کے آنے والے ہیں۔ اس خبر کے ساتھ مجھے یہ تلقین بھی کی گئی کہ میں ان کا آٹو گراف بھی حاصل کروں۔ میرا حال یہ تھا کہ مجھے آٹو گراف لینے کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ مہمان کی آمد کی وجہ سے گھر کے تمام افراد ہی مصروف تھے لیکن میری مصروفیت سب سے بڑھ گئی کیوں کہ مجھے آٹو گراف البم کا بھی انتظام کرنا تھا۔ میں بازار کی طرف بھاگا اور ایک دکان پر مختلف طرح کے البم میں سے ایک خوبصورت البم منتخب کی اور گھر لوٹا۔ سہ پہر کے وقت چینی مسلمان عالم محمد ابراہیم شاکوچن ہمارے گھر تشریف لائے۔ میں نے ان سے آٹو گراف حاصل کیا جو کہ چینی زبان کی تین سطروں اور اس کے انگریزی ترجمے پر مشتمل تھا۔

ان کے جانے کے بعد میرا ایک نیا سفر شروع ہوا۔ آٹو گراف لینے کا سفر۔ میں اس البم کو نااہل یا متوسط لوگوں کے آٹو گراف سے بھرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس بارے میں ابا جان سے رائے مانگی تو انھوں نے نصیحت آموز لہجے میں کہا کہ آٹو گراف کے صفحات ہوں یا زندگی کے اوراق، انھیں یوں ہی نہیں بھرنا چاہیے۔ اپنی نگہِ انتخاب دوڑاؤ، عظیم لوگوں تک رسائی حاصل کرو اور ان کا آٹو گراف حاصل کرو۔ یہ ایک ذمے داری کا سفر تھا۔ اسکول میں انعامات تقسیم ہوئے تو ایک کتاب، جس کا عنوان بہادر لڑکا تھا، میرے حصے میں آئی۔ یہ ایک ہالینڈ کے بچے کی کہانی تھی جس نے دیوار کی نقب کو، جس سے گاؤں میں پانی داخل ہو رہا تھا، اپنے ہاتھ سے بند کر دیا تھا اور اسی حالت میں سردی سے اس بچے

کی موت ہوگئی۔ وہ بچہ تو اپنے سفر کی منزل کو پہنچ چکا تھا جو بہادری، جرات سے ہو کر شہادت پر پہنچی۔ لیکن میرا سفر تو ابھی شروع ہوا تھا۔

آج چونتیس سال بعد جب میں اس البم کو دیکھتا ہوں تو اس کے بہت سے صفحات آج بھی خالی ہیں۔ زندگی میں سیکڑوں لوگ ملے پھر بھی اس البم کا یوں خالی ہونا قحط الرجال کا عندیہ ہے۔

ابن عربی کے مرشد شیخ یوسف سبریلی نے ایک کالی بلی پال رکھی تھی جو شیخ کی صحبت میں رہ کر مردم شناسی کا فن سیکھ چکی تھی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس بلی جیسا ہی ہو جاؤں لیکن سوائے اس کے سیاہ رنگ کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ البتہ کوشش آج بھی جاری ہے۔ آج بھی کوئی ملتا ہے تو میں اپنے دل سے پوچھتا ہوں کہ اس کا آٹو گراف لیا جائے یا نہیں؟ اشارہ ملے تو ہی آٹو گراف البم باہر نکالتا ہوں۔

سحر ہونے تک

(الف) تعارف مصنف:

شاعر اور ناول نگار فضل احمد کریم فضلی ۴ نومبر ۱۹۰۶ء کو اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ نام فضل احمد اور فضلی تخلص تھا۔ الہ آباد اور آکسفرڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ بنگال میں کئی اہم سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان چلے آئے اور حکومت مشرقی پاکستان میں سکریٹری محکمۂ تعلیمات کے طور پر اپنی خدمات انجام دیں۔ کچھ عرصے تک وزارت امور کشمیر کے سیکریٹری بھی رہے۔ آپ نے ۱۹۵۱ء میں امریکی حکومت کی دعوت پر امریکہ کی مختلف یونیورسٹیوں میں مہمان لیکچرار کے طور پر لیکچر دیے۔

فضلی نے نظم اور نثر دونوں صورتوں میں اہم کارنامے انجام دیے۔ فضلی کی شاعری کلاسیکی رچاؤ کے ساتھ نئے سماجی شعور سے بھی ہم آہنگ نظر آتی ہے۔ انہوں نے بڑی مقدار میں قومی اور ملی موضوعات پر نظمیں بھی کہیں۔ "خونِ جگر ہونے تک" اور "سحر ہونے تک" ان کے ناول ہیں۔ یہ ناول بھی فضلی کے ایک بیدار تخلیقی ذہن کا پتہ دیتے ہیں۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد فضلی نے کراچی میں رہ کر کئی فلمیں بھی بنائیں۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۸۱ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔

اہم تصانیف:

نغمۂ زندگی (شعری مجموعہ) چشمِ غزال (شعری مجموعہ) خونِ جگر ہونے تک (ناول)

سحر ہونے تک (ناول)

(ب) سبق کا خلاصہ:

آج کلکتہ میں جشن کا سماں تھا۔ پورا شہر جھنڈیوں اور پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ لوگ تو خوش تھے ہی، ایسا لگتا تھا کہ شہر کے در و دیوار بھی بہت خوش ہیں۔ ہوڑہ اسٹیشن اور اس کے آس پاس لوگوں کا ہجوم جمع تھا۔ مقامی لوگوں کے ساتھ ساتھ دوسرے شہروں سے بھی لوگ آئے ہوئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ آج ان کے دلوں پر حکومت کرنے والے قائدِ اعظم تشریف لانے والے تھے۔ مسلم لیگ نیشنل گاڈز وردیاں پہنے ہجوم کو منظم کرنے کی کوشش میں تھے۔ ان لوگوں میں مخلص، نازش اور تسنیم سبھی شامل تھے۔ مسلم لیگ کونسل کے رکن کی حیثیت سے تسنیم کو اہمیت حاصل تھی۔ وہ عین اسٹیشن پر موجود تھے اور ان کی بدولت عرفان مُلّا اور شمس الدین بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ مجمعے میں ایک طرف لیلیٰ بھی تیز بخار کے باوجود موجود تھی اور کامریڈوں کو ہدایات دے رہی تھی۔ لتا کو اس نے ہوڑہ برج کے پاس بھیج دیا تھا تاکہ وہ جلوس کو قریب سے دیکھ سکے۔

JOIN FOR MORE!!!

تھوڑی دیر میں زمین و آسمان ''اللہ اکبر'' اور ''قائدِ اعظم زندہ باد'' کے نعروں سے گونج اٹھے جن کی آواز میلوں تک جاتی تھی۔ مسٹر اسمتھ (ایک برطانوی صحافی) قریب ہی ایک گھوڑا گاڑی کی چھت پر کھڑے تھے اور تصویریں لے رہے تھے۔ ریمزے (ایک امریکی صحافی) جس کا خیال یہ تھا کہ ہندوستان کا صرف ایک لیڈر ہے اور وہ گاندھی ہے، نے جب قائدِ اعظم کی لوگوں کے دلوں میں والہانہ محبت اور مقبولیت دیکھی تو حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ہندوستان کے مسلمان خود کو ایک مستقل قوم سمجھتے ہیں اور ان کا لیڈر قائدِ اعظم ہے۔

کچھ یوپی بہار کے لوگ بھی مجمعے میں شامل تھے۔ ان میں ایک سے شخص بات بات پر اپنے دیہاتی ساتھیوں کو معلومات فراہم کر کے ان کی داد لے رہا تھا۔ جب قائدِ اعظم زندہ باد کے نعرے لگنے لگے تو اس نے زندہ باد کو زندہ باگ کہا۔ لوگ خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے تو اس نے تشریح کی کہ بھاگ معنی راجا، مسلمانوں کا راجا۔ لیلیٰ قریب کھڑی ان کی گفتگو سن رہی تھی، طبیعت کی ناسازی کے باوجود اس شخص کی باتوں پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ شخص ایک طرح سے ٹھیک ہی تو کہتا تھا۔ قائدِ اعظم جس طرح مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں شاید ہی کسی راجا نے کی ہو۔

قائدِ اعظم کی سواری قریب سے گزری۔ لوگوں نے پھول نچھاور کیے۔ لوگ برابر قائدِ اعظم زندہ باد اور اللہ اکبر نعرے لگا رہے تھے۔ قائدِ اعظم کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ چہرے پر جمال اور جلال دونوں کے تاثرات یکساں ظاہر تھے۔ لوگوں کے جوش اور ولولے کو دیکھ کر لیلیٰ مسلمانوں کے دلوں کے حال کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اگر وہ بھی مسلمان ہوتی تو اس کا بھی ایسا ہی کچھ حال ہوتا۔ قائدِ اعظم کی سواری گزرنے کے بعد لوگ منتشر ہونے لگے۔ عرفان مُلّا نے قائدِ اعظم کا دیدار کروانے پر تسنیم کا جذباتی انداز میں شکریہ ادا کیا۔

اُدھر اسمتھ اور ریمزے کی ملاقات ہوئی۔ اسمتھ نے ریمزے سے لوگوں کے جوش و جذبے کے بارے میں اس کے تاثرات پوچھے تو وہ بولا کہ اگر میں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ منظر نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا۔ یہ سن کر اسمتھ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ اب پاکستان کو بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ دنیا کے نقشے پر ایک اور مملکت کا اضافہ ہونے والا ہے، پاکستان وجود میں آ کر ہی رہے گا۔

JOIN FOR MORE!!!

زمین

(الف) تعارف مصنفہ:

اردو فکشن کی دنیا میں ایک معتبر اور مشہور نام خدیجہ مستور کا ہے۔ خدیجہ مستور کے افسانوں کے پانچ مجموعے سامنے آئے۔ جن میں ''بوچھاڑ اور چند روز اور'' شامل ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں اپنے شہرہ آفاق ناول ''آنگن'' پر آدم جی ایوارڈ ملا۔ ان کا یہ ناول کردار نگاری، منظر نگاری اور اسلوب کے لحاظ سے منفرد ناول ہے۔ جب کہ اُن کے افسانوں کے آخری مجموعے ''ٹھنڈا میٹھا پانی'' پر انھیں ہجرہ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ڈاکٹر احسن فاروقی لکھتے ہیں:

''آنگن کسی ایک گھر کی کہانی نہیں بلکہ اس کینوس پر پورا برصغیر رنگ بکھیرتا نظر آتا ہے۔''

اہم تصانیف:

آنگن	زمین	ٹھنڈا میٹھا پانی	بوچھار
چند روز اور	تھکے ہارے		

پس منظر:

خدیجہ مستور کا یہ ناول تحریک پاکستان کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ ''زمین'' قیام پاکستان کے بعد کی ابتدائی زندگی پر لکھا جانے والا اہم ناول ہے۔ قیام پاکستان کے وقت اور اس کے بعد جو حالات سامنے آئے ان کا تذکرہ ہے۔ ناول کا مرکزی کردار ایک لڑکی ہے جس کا نام ''ساجدہ'' ہے۔ تقسیم ہند کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آنے والوں میں ساجدہ اور اس کے ابا بھی شامل تھے۔ مہاجر کیمپ میں ابا جان اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ کتاب میں موجود ناول کے حصے میں مہاجر کیمپ کا احوال اور ساجدہ کے ابا کی موت کا منظر بیان کیا گیا ہے۔

خدیجہ مستور نے اپنے پہلے ناول ''آنگن'' میں ایک موازنے کی سی کیفیت پیدا کی ہے کہ ایک بستا ہوا اور اجڑا ہوا آنگن کیسا ہوتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدیجہ مستور نے جہاں ناول ''آنگن'' کو ختم کیا تھا وہیں سے ناول ''زمین'' کا آغاز کیا ہے۔

(ب) سبق کا خلاصہ:

ساجدہ کے ابا کئی دن سے بیمار تھے۔ بیماری کے باوجود وہ حُقّہ پینے سے باز نہ آتے، جس کی وجہ سے ان کی طبیعت دن بدن بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ ایک دن ساجدہ نے ابا کو دیکھا کہ ابا کیمپ میں ادھر اُدھر کا چکر لگا کر اپنے خیمے کی طرف بڑی مشکل سے اس طرح بڑھ رہے ہیں جیسے وہ خود کو زبردستی دھکیل رہے ہوں۔ ساجدہ نے بڑھ کر لڑکھڑاتے ہوئے ابا کو تھاما تو وہ بولے کہ کھانے کی دیگیں پہنچ چکی ہیں۔ تم میری فکر چھوڑو اور جا کر کھانا لے آؤ۔ آج گوشت بنا ہے، تاخیر کی تو ساری بوٹیاں ختم ہو جائیں گی۔ لیکن ساجدہ ابا کو اس حال میں چھوڑ کر جانے پر راضی نہ تھی۔ اس نے ابا کو خیمے کے اندر لے جا کر لٹایا اور دوا دینے کی کوشش کی۔ ابا جان پیٹ پکڑ کر گر پڑے۔ دوا کو دیکھ کر انھوں نے اشارہ کیا کہ یہ دوا اب اثر نہیں کرتی ڈاکٹر سے کہو کہ دوسری دوا دے۔ یہ سن کر ساجدہ ڈسپنسری کی طرف بھاگی۔ ابا نے بہتیری کوشش کی کہ وہ پہلے کھانا کھا لے لیکن اس پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری تھی۔

وہ ڈسپنسری پہنچی تو ڈاکٹر موجود نہ تھا۔ کمپونڈر مزے سے بوٹیاں توڑ رہا تھا۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ ڈاکٹر صاحب واک کرنے گئے ہیں۔ وہ ابا کی صورتحال کمپاونڈر کو بتا کر الٹے پاؤں دوڑی۔ خیمے کے پاس پہنچی تو وہاں لوگوں کا ہجوم تھا۔ ڈاکٹر بھی سر جھکائے کھڑا تھا۔ ہجوم کو چیرتی ہوئی وہ آگے بڑھی تو لوگ اس کے ابا کے گرد کھڑے ایک دوسرے کی تسلی دے رہے تھے اور ان کی روح پرواز کر چکی تھی۔ ساجدہ کے لیے یہ خبر کسی قیامت سے کم نہ تھی۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور غم کی شدت سے نڈھال ہو کر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ اسے ہوش آیا تو ہجوم چھٹ چکا تھا۔ کچھ عورتیں ایک دوسرے کو تسلیاں دیتے دیتے سو چکی تھیں۔

آنے والی زندگی کے اندیشے ساجدہ کی آنکھوں میں گھومنے لگے۔ اس نے اپنا چہرہ ابا کے ہاتھ پر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جیسے کہہ رہی ہو کہ ابا جان! آپ بھی چلے گئے، اب میری زندگی کیسے اور کس کے سہارے کٹے گی۔

JOIN FOR MORE!!!

نئے دور کی لڑکی

(اردو ترجمہ: امداد حسینی)

(الف) تعارف مصنف:

مرزا قلیچ بیگ سندھی ادب کے ایک معروف عالم اور ایک تخلیقی مصنف تھے۔ قلیچ بیگ نے ایک مکتب سے تعلیم حاصل کی اور بعد میں گورنمنٹ ہائی سکول حیدر آباد میں داخلہ لے لیا۔ اس کے بعد ممبئی میں الفنسٹون کالج (Elphinstone College) میں داخلہ لیا۔ سندھ واپس لوٹنے کے بعد انہوں نے عدالتی امتحان پاس کیا اور محصولاتی افسر کے طور پر شکار پور میں تعینات ہوئے۔ تیس سالہ برطانوی سروس کے اختتام پر ۱۹۱۰ء میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

مرزا قلیچ بیگ نے آٹھ مختلف زبانوں میں ۴۵۷ کتابیں لکھیں اور ان کا ترجمہ کیا۔ ان میں عربی، بلوچی، انگریزی، فارسی، سندھی، سرائیکی، ترکی اور اردو زبانیں شامل ہیں۔ انھوں نے ''زینت'' کے نام سے پہلا سندھی ناول لکھا۔ مرزا قلیچ بیگ کی شاہ عبدالطیف بھٹائی کی سوانحِ حیات اور شاعری اور زندگی پر ان کی دیگر کتابیں سندھی ادب میں ایک بڑی شراکت اور سندھی زبان میں ادبی تنقید کا آغاز تصور کی جاتی ہیں۔ انہوں نے شکسپیر کے ڈراموں کی ایک بڑی تعداد کا بھی سندھی زبان میں ترجمہ کیا۔

JOIN FOR MORE!!!

اہم تصانیف:

دیوانِ قلیچ	احوال شاہ عبداللطیف بھٹائی	زینت (ناول)
لغاتِ لطیفی		

اہم کردار:

اس کہانی کا سب سے اہم کردار ایک پڑھی لکھی سمجھ دار لڑکی ''زینت'' ہے۔ اس کے علاوہ یہ کردار بھی کہانی میں شامل ہیں:

☆ مائی شہر بانو: زینت کی والدہ ☆ حامد: زینت کا بڑا بھائی ☆ بختاور: گھریلو ملازمہ

☆ فتح خان: زینت کے والد

(ب) سبق کا خلاصہ:

مائی شہر بانو اور بختاور، زینت بانو کی شادی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور زینت ان کی باتوں سے بے خبر قرآن کریم کی تلاوت کر رہی تھی۔ تلاوت سے فارغ ہو کر دو تین گھنٹے پڑھائی کرنے کے بعد کارچوب لے کر بیٹھ گئی اور ایک ٹوپی پر کڑھائی کرنے لگی۔ حامد بھی اسکول سے لوٹ چکا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر حامد اپنے ایک دوست کے پاس کچھ کتابیں لینے چلا گیا۔ بختاور سونے چلی گئی اور مائی شہر بانو، جو زینت سے بات کرنے کا موقع ڈھونڈ رہی تھی، ہاتھ میں کیلے اٹھائے زینت کے کمرے میں داخل ہوئی۔ زینت کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ سیٹھ گل محمد کا آدمی آج ڈھیر سارے میوے اور پھل دے گیا تھا۔ زینت نے ناگواری کا اظہار کیا تو شہر بانو سیٹھ گل محمد کے فضائل بیان کرنے لگی۔ زینت حیران تھی کہ آج بوا سیٹھ گل محمد کے اتنے قصیدے کیوں پڑھ رہی ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں مائی شہر بانو اصل موضوع کی طرف آئی اور سیٹھ گل محمد کے لڑکے سے زینت کے رشتے کی بات کرنے لگی۔ زینت نے ناگواری سے کہا کہ وہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے۔ شہر بانو کے پاس اس کا بھی جواب تیار تھا۔ بولی کہ آج چھوٹا ہے کل جوان ہو جائے گا۔ زینت سمجھ گئی کہ کوئی جوڑ نہ ہونے کے باوجود، سیٹھ کے مال و دولت کو دیکھ کر شہر بانو سیٹھ کے لڑکے سے اس کی شادی کروانا چاہتی ہے۔

اس نے شہر بانو کو سمجھانے کی کوشش کی کہ لالچ میں آکر یہ غلط فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ شادی تو دو برابر کے انسانوں کی ہوتی ہے، جو ہر اعتبار سے برابر ہوں۔ زینت کو یہ جان کر دھچکا لگا کہ اس کی ماں بھی اس کا رشتہ کرنے کی فکر میں ہیں اور تین رشتے زیرِ غور ہیں؛ ایک سیٹھ گل محمد کے لڑکے کا، دوسرا محمد رمضان وکیل کا جو ایک مال دار کا بگڑا ہوا لڑکا ہے اور تیسرا زینت کے ماموں زاد امیر علی کا۔ تینوں ہی رشتے اسے نا منظور تھے۔ کہنے کو امیر علی اس کے ماموں کا بیٹا تھا لیکن بقول زینت کے نکما اور نکھٹو ہونے کے ساتھ ساتھ گونگا بھی تھا۔ وہ اس دلدل میں نہیں پھنسنا چاہتی تھی۔

زینت نے شہر بانو سے التجا کی کہ وہ اسے اس مشکل سے بچالے۔ شہر بانو نے اسے ایک مرتبہ پھر سمجھانے کی کوشش کی کہ بیٹا لڑکیاں تو انتظار کرتی رہ جاتی ہیں رشتے نہیں آتے، تم تو خوش قسمت ہو کہ ایک نہیں تین رشتے لائن سے کھڑے ہیں۔ زینت اپنی بات پہ قائم تھی کہ جان بوجھ کر کسی کنویں میں کودنا کوئی عقل مندی نہیں۔ اس نے بڑی خود اعتمادی سے بوا سے کہا کہ شوہر کے امیر یا غریب ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ آمدنی چاہے جتنی بھی ہو لیکن انسان عزت اور شرافت والا ہونا چاہیے، بااَخلاق اور باکردار ہونا چاہیے، ہم عمر ہونا چاہیے، علم و ہنر والا ہونا چاہیے۔ میاں بیوی کے درمیان باہمی اعتماد سب سے ضروری ہے۔ ایسا اعتماد جس سے دونوں خوش رہیں۔ اگر باہمی اعتماد موجود ہو تو شادی کے بعد گھر، گھر نہیں رہتا، جنت بن جاتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

چار مال دار

(الف) تعارف مصنف:

سید حیدر بخش حیدؔری فورٹ ولیم کالج کے مصنفوں میں سب سے زیادہ کتابوں کے مصنف و مترجم ہیں۔ نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ شاعر بھی ہیں لیکن ان کی شہرت کا مدار نثری تصانیف پر ہے۔

ان کا نام حیدر بخش اور تخلص حیدؔری ہے۔ حیدؔری کے والد سید ابوالحسن دہلی کے باشندے تھے، مگر تلاشِ معاش میں بنارس چلے گئے تھے۔ وہیں حیدری کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ بنارس کے ناظمِ عدالت نواب علی ابراہیم خان خلیل نہایت بلند پایہ ادیب، بہت سی کتابوں کے مصنف اور بڑے اچھے شاعر تھے۔ ان کی صحبت میں حیدری نے علوم متعارفہ حاصل کیے۔ شعر و شاعری سے شوق اور ادب سے دلچسپی انھی کے طفیل حیدری کو میسر آئی۔ ایک عالم متبحر قاضی عبدالرشید سے حیدؔری نے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی اور مولوی غلام حسین غازی پوری سے حدیث، فقہ تفسیر اور تاریخ پڑھی۔

حُسن اتفاق سے انھی دنوں فورٹ ولیم کالج کے لیے ڈاکٹر گل کرسٹ کو قابل ادیبوں اور انشاپردازوں کی ضرورت تھی جو اردو میں کتابیں تالیف اور ترجمہ کریں۔ حیدؔری کو پتا چلا تو ایک قصہ ''مہر و ماہ'' کے نام سے لکھا اور بطور نمونہ لے کر کلکتہ پہنچے۔ نمونہ منظور ہوا اور حیدؔری ملازم ہو کر حصول معاش سے بے فکر ہو گئے۔ عرصے تک ملازمت کے بعد ۱۸۱۴ء سے قبل حیدؔری واپس بنارس چلے آئے اور یہیں ۱۸۲۳ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

اہم تصانیف:

قصہ لیلیٰ مجنوں	مثنوی ہفت پیکر	گلزارِ دانش	گلدستۂ حیدؔری
تذکرۂ گلشنِ ہند	گلِ مغفرت	آرایش محفل	توتا کہانی

پس منظر:

توتا کہانی ہندی الاصل قصہ ہے۔اس کی بنیاد سنسکرت کی کتاب ''شک سپ تتی'' ہے۔اس کے معنی ہیں ''طوطے کی کہی ہوئی ستر کہانیاں''۔اس کا پہلا فارسی ترجمہ عہد مغلیہ سے پہلے ہوا۔ سلطان محمد بن تغلق کے عہد (۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) میں ضیاءالدین نخشبی نے پہلے فارسی ترجمے کی زبان کو سلیس کیا۔اس ترجمے میں باون کہانیاں تھیں، نخشبی نے اس میں حک واضافہ کیا اور کتاب کا نام ''طوطی نامہ'' رکھا۔سید محمد قادری نے سترھویں صدی عیسوی میں نخشبی کے طوطی نامے کی باون کہانیوں میں سے پینتیس کہانیاں منتخب کر کے انھیں شرفا کی روزمرہ فارسی میں تحریر کیا اور اس کا نام ''توتا کہانی'' رکھا۔سید محمد قادری کے اس انتخاب کا اردو ترجمہ سید حیدر بخش حیدرؔی (جو کہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے سیکنڈ منشی تھے) نے جان گل کرسٹ کی فرمائش پر ۱۸۰۱ء میں مکمل کیا اور اسے پہلی بار فورٹ ولیم کالج نے ۱۸۰۴ء میں شائع کیا تھا۔

اس ایک کتاب میں ۳۵ کہانیاں ہیں اور ان کہانیوں میں دو اہم کردار ہیں۔ایک طوطا اور ایک شادی شدہ عورت جس کا شوہر کہیں سفر پر گیا ہوا ہے۔ عورت اپنے محبوب سے ملنا چاہتی ہے اور طوطا نہیں چاہتا کہ وہ اپنے شوہر سے بے وفائی کرے۔ طوطا روزرات کو اسے ایک انتہائی دلچسپ کہانی سنانی شروع کرتا ہے اور سناتے سناتے صبح کر دیتا ہے۔ شوہر کے آتے آتے طوطا ۳۵ کہانیاں سنا دیتا ہے۔اتنے میں شوہر لوٹ آتا ہے۔اور وہ شادی شدہ عورت جس کا نام خجستہ ہے، اپنے کیے پر شرمندہ ہو کر اپنے شوہر سے معافی مانگ لیتی ہے۔ان ۳۵ کہانیوں میں سولھویں داستان ہماری کتاب میں موجود ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ب) سبق کا خلاصہ:

ہر رات کی طرح آج رات بھی خجستہ اپنے محبوب سے ملنے کے لیے جانے لگی تو طوطے نے اسے روکنے کے لیے ایک داستان چھیڑ دی۔ داستان اتنی دلچسپ تھی کہ خجستہ کو سنتے ہی بنی۔ طوطے نے داستان کہنی شروع کی:

کسی وقت میں شہر بلخ میں چار مال دار رہتے تھے۔ اتفاقاً حوادثاتِ زمانہ نے ان چاروں کو مفلس کر دیا۔ وہ چاروں پریشان ہو کر ایک حکیم کے پاس پہنچے اور اس سے اپنا حال کہا۔ حکیم نے ان پر ترس کھا کر ان سب کو ایک ایک مہرہ دیا اور کہا کہ اس کو اپنے اپنے سرپر رکھ لو اور چلتے بنو۔ راستے میں جہاں یہ مہرہ گرے وہ زمین کھود لینا اور وہاں سے جو کچھ نکلا وہ تمھارا۔

چاروں چلے گئے۔ کافی دور جا کر ایک کا مہرہ سر سے گرا۔ اس نے کھدائی کی تو وہاں سے تانبا نکلا۔ وہ بہت خوش ہوا اور اپنے دوستوں سے کہا کہ تم بھی اس تانبے میں میرے شریک بن کر رہو۔ لیکن اس کے دوست لالچ میں آکر انکار کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ تھوڑی دور جا کر دوسرے کا مہرہ سر سے گرا۔ اس نے کھدائی کی تو وہاں سے چاندی نکلی۔ اس نے اپنے دونوں دوستوں سے کہا کہ تم چاہو تو اس چاندی میں میرے شریک بن کر رہو۔ لیکن ان دونوں کے دماغوں پر لالچ سوار تھی۔ وہ انکاری ہوئے اور اس امید میں آگے بڑھ گئے کہ ہمیں اس سے کچھ اچھا نصیب ہوگا۔ تھوڑی دور جا کر تیسرے کے سر سے بھی مہرہ گرا۔ اس نے وہاں کھدائی کی تو وہاں سے سونا نکلا۔ وہ بہت خوش ہوا اور اپنے دوست کو کہا کہ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ اس سونے میں میرے شریک بن کر رہ سکتے ہو۔ چوتھے مال دار نے کہا کہ ہر دفعہ پہلے سے کچھ بہتر نکلتا ہے۔ میری باری میں ہیرے جواہرات نکلیں گے، سو میں اس سونے کے چکر میں اپنے جواہرات کیوں گنواؤں؟ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دور جا کر اس کے سر سے بھی مہرہ گرا۔ اس نے وہاں کھدائی کی تو وہاں سے لوہا نکلا۔ وہ بہت شرمندہ ہوا کہ کاش سونے میں اپنے دوست کا شریک بن جاتا۔ یہ سوچ کر واپس پلٹا اس شخص کے پاس پہنچا جس نے سونے کی کان نکالی تھی۔ وہاں نہ تو سونا ملا اور نہ وہ شخص ملا۔ وہ چاندی والے شخص کے پاس گیا۔ اسے بھی نہ پایا۔ وہاں سے تانبے والے کے پاس گیا، لیکن وہاں بھی

اسے نہ تانبا ملا اور نہ ہی وہ شخص جس کے حصے میں تانبا آیا تھا۔ تب وہ بہت شرمندہ ہوا اور اپنی قسمت کو کوسنے لگا۔ آخر کو وہ حکیم کے ٹھکانے گیا۔ مگر وہاں حکیم بھی موجود نہ تھا۔ اب اس کے ہاتھ سوائے افسوس کرنے اور اپنے آپ کو لعن طعن کرنے کے کچھ نہ بچا۔

طوطے نے جب یہ کہانی ختم کی تو صبح ہو چکی تھی۔ یوں اس نے آج بھی خجستہ کو اپنے محبوب کے پاس جانے اور اپنے شوہر سے بے وفائی کرنے سے روک لیا۔

سر اقبالؔ مرحوم

(الف) تعارفِ مصنف:

پروفیسر رشید احمد صدیقی یوپی کے ضلع جونپور کے گاؤں مڑیا میں پیدا ہوئے۔ آپ اردو ادب کی تاریخ میں نہایت اعلیٰ درجے کے قلم کار ہیں۔ آپ کو ''استاذ الاساتذہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے طالب علمی کے زمانے سے مزاحیہ مضامین لکھنا شروع کیے۔ علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۲۲ء میں وہیں کالج میں پروفیسر ہو گئے اور جب یونیورسٹی بنی اور اردو ادبیات کا شعبہ قائم ہوا تو رشید احمد صدیقی کو صدر شعبہ بنا دیا گیا۔ ہر صنفِ ادب میں آپ نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا اور اصلاح معاشرہ کے لئے مضامین تحریر کیے۔ آپ کے بارے میں کہا گیا:

''اکبر کے بعد اردو میں طنزیاتی روح سب سے زیادہ رشید احمد صدیقی کے یہاں ہے۔'' (آل احمد سرور)

اہم تصانیف:

گنج ہائے گراں مایہ (خاکے) طنزیات و مضحکات مضامین رشید

اردو طنز و مزاح کی تنقیدی تاریخ آشفتہ بیانی میری (خود نوِشت) خنداں

ہم نفسانِ رفتہ

JOIN FOR MORE!!!

(ب) خلاصہ:

اس خاکے میں مصنف نے علامہ اقبالؔ سے اپنی ملاقاتوں کی روئیداد بیان کی ہے۔ کہتے ہیں کہ علی گڑھ اسٹیشن پر خبر سنی کہ علامہ اقبالؔ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس خبر نے جیسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا۔ نہ درودیوار اچھے لگتے تھے نہ آس پاس کے لوگ۔ نہ کچھ کھانے کا دل کرتا تھا۔ ایسا لگتا کہ زندگی میں کچھ کمی سی ہے۔ انھی خیالات کے زیرِ اثر خود کو کمرے میں بند کر کے لیٹ گیا۔ آنکھوں میں ماضی کے مناظر جھلملانے لگے جب مجھے ان سے ملاقاتیں کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

یہ ۱۹۲۵ء کی ایک صبح تھی جب میں علامہ اقبالؔ سے ملنے لاہور گیا تھا۔ وہ سوٹ پہنے کسی مقدمے کی پیروی کے لیے جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ شخصیت رعب دار لیکن شفقت سے بھرپور تھی۔ تھوڑی دیر ساتھ بیٹھے اور حال احوال پوچھا۔ بھاری بھرکم آواز اور وجاہت سے معمور شخصیت نے مجھے بہت متاثر کیا۔ ان کی شخصیت میں عالمانہ بردباری کی لطافت اور علم و فضل کی گہرائی دونوں بہ یک وقت دکھائی دیتے تھے۔ اسی دن شام میں دوبارہ علامہ سے ملاقات ہوئی۔ ایک نوجوان شاعر بھی موجود تھا جو اپنا فارسی کلام سنا رہا تھا۔ اس نوجوان کی طبیعت میں تعلّی کچھ زیادہ تھی۔ تھوڑی دیر میں کچھ اور لوگ بھی آ گئے۔ علامہ خاموش بیٹھے اس شاعر کو سنتے رہے اور پھر بیزار ہو کر اٹھ کر چلے گئے۔ علامہ کے جاتے ہی اور بہت سے لوگ بھی رخصت ہو گئے۔ صرف چند ایک باقی رہے۔ تھوڑی دیر میں اندر سے باہر تشریف لائے، چہرے پر بیزاری کے آثار اب بھی نمایاں تھے۔ یقیناً اس کی وجہ وہ نوجوان شاعر تھا۔ بیٹھ کر فرمانے لگے اللہ پاک کسی کو نعمت دے تو

اسے شکر کرنے کا سلیقہ بھی آنا چاہیے ورنہ وہ نعمت، لعنت بن جاتی ہے۔ خیر تھوڑی دیر میں طبیعت کا تکدُّر چھٹا۔ سب سے ان کے حالات دریافت کرتے اور ان کے مسائل جاننے کی کوشش کرتے۔ کچھ دیر میں مجلس برخاست ہوگئی۔

اگلے دن دوبارہ علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آج کہیں جانا نہ تھا تو بڑے اطمینان سے تشریف فرما تھے۔ میرے ذہن میں کچھ اشکالات تھے وہ ان کے سامنے رکھے اور انھوں نے نہایت خوش دلی سے ایک ایک بات کو واضح کیا۔ مشکل سے مشکل مسئلے کو نہایت آسانی سے حل کرنا جانتے تھے۔ ان کے علم و فضل اور شخصیت کے رکھ رکھاو نے مجھے بہت متاثر کیا۔ انھیں صرف شاعر ماننا زیادتی ہے، وہ علم و حکمت کا منبع تھے۔ اپنے خیالات و افکار کا بہت کم حصہ انھوں نے اپنی شاعری میں منتقل کیا ہے۔

اب معجزے یا کرامت کا دور تو نہیں ہے، لیکن محبت میں آج بھی بہت طاقت ہے۔ اگر کسی کی تکلیف اور پریشانی میں اس سے محبت کا معاملہ کیا جائے اور خلوص سے عیادت اور دادرسی کی جائے تو سامنے والے کی تکلیف بہت حد تک اس رویے سے ہی زائل ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں ان کے مرض الموت میں اگر میں ان کے قریب ہوتا تو شاید میری محبت ان کی تکلیف میں کچھ کمی کا باعث بن جاتی۔

چمنے کہ تا قیامت....

JOIN FOR MORE!!!

(الف) تعارفِ مصنف:

ڈاکٹر اسلم فرخی ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو لکھنؤ، میں پیدا ہوئے۔ ان کا سابق وطن فتح گڑھ، ضلع فرخ آباد تھا۔ انھوں نے ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جو صدیوں سے علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ ایسے ادبی ماحول کا اثر اسلم فرخی پر پڑنا فطری تھا یا یہ کہیے کہ ذوقِ سخن ان کو خاندانی ورثے میں ملا۔

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کا شمار ملک کے ممتاز دانشوروں میں ہوتا تھا۔ وہ استاد، شاعر، صاحب طرز نثر نگار، محقق، نقاد، بچوں کے ادیب اور ممتاز براڈ کاسٹر کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی نے براڈ کاسٹر کی حیثیت سے بھی بڑی خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر صاحب ریڈیو پاکستان کراچی سے بہ حیثیت مسودہ نگار چھ سال منسلک رہے ہیں۔ انھوں نے غزلیں اور نظمیں بھی لکھیں لیکن پھر بھی اپنے آپ کو شاعر نہیں کہتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ نہ شاعری میری شناخت بنی اور نہ تحقیق۔ میری پہچان خاکہ نگاری کے علاوہ وہ کام ہے جو میں نے حضرت سلطان المشائخ کے حوالے سے کیا ہے۔ آپ کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے چیئرمین اور رجسٹرار بھی رہے۔

اہم تصانیف:

گلدستۂ احباب	رونقِ بزم جہاں	آنگن میں ستارے	سات آسمان
نظم رنگ	دبستان نظام	فرید و فردِ فرید	مولانا حسرت موہانی

(ب) خلاصہ:

۱۹۵۰ء کی بات ہے، مجھے ایم۔ اے کرنے کا شوق ہوا۔ اردو کالج کا شعبۂ اُردو اساتذہ کے اعتبار سے شاندار تھا اس لیے اس کا انتخاب کیا۔ شعبۂ اُردو کے صدر ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان صاحب تھے۔ میرے ایک دوست جو ڈاکٹر صاحب کے واقف کار تھے ان سے خواہش ظاہر کی کہ ڈاکٹر صاحب سے ملوادیں۔ چناں چہ ایک شام ہم دونوں کالج گئے۔ دروازے پر ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ لمبے چوڑے قد کے باوجود طبیعت میں عاجزی، چہرے پر داڑھی سجی ہوئی، آنکھوں میں چمک اور شرم و حیا، سر پر ترکی ٹوپی، سادہ سوتی شیروانی، گندمی رنگت، الغرض ہر وہ خوبی جو شخصیت کو جاذب نظر بنادے۔ میں ابھی ان کی شخصیت کے سِحر کے اثر سے نکلا نہ تھا کہ میرے دوست نے بتایا کہ یہی

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ہیں۔ یہ سن کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ڈاکٹر صاحب سے مل کر داخلے کا ارادہ اور بھی مصمم ہو گیا۔

کلاس شروع ہوئی۔ پہلے ہی دن ڈاکٹر صاحب کے مطالعے اور علم و فضل نے ایسا متاثر کیا کہ اپنے علم و فضل کی ساری خوش فہمی ہوا ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا مجھ پہ ایسا اثر ہوا کہ دوسرے دوستوں کو بھی اردو کالج میں داخل کروا دیا۔ ایک دن ڈاکٹر صاحب کے گھر جانا ہوا اور پھر ملاقاتوں کا سلسلہ بن گیا۔ چائے تو چھوٹی بات، اکثر کھانا ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کھایا۔ خود دستر خوان لگاتے اور خوب کھلاتے۔ گھر میں کوئی نہ ہو تو چائے وغیرہ بھی خود ہی بنا کر پلاتے۔ طلبہ پر بہت شفیق اور مہربان تھے۔ ہمیشہ دوسروں کے کام آنے کی تلقین فرماتے۔ اپنے بزرگوں کا حد سے زیادہ احترام کرتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب خندہ جبیں بھی تھے اور حسِ مزاح بھی خوب تھی۔ ایک دفعہ ایک دوست کی بہن کے لیے یونیورسٹی کے ایک استاد کا رشتہ آیا۔ خط کے مطابق وہ صاحب پروفیسر بھی تھے اور ڈاکٹر بھی۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ نہ پروفیسر تھے نہ ہی ڈاکٹر، مزید یہ کہ پہلے سے شادی شدہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب صاف الفاظ میں برائی نہ کر سکتے تھے اس لیے لکھا کہ میری دعا ہے کہ یہ صاحب پروفیسر بھی بن جائیں اور پی۔ ایچ۔ ڈی بھی کر لیں اور دوسری شادی بھی انھیں راس آئے۔

اگر کسی مسئلے کے بارے میں علم نہ ہو تو صاف کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ میرا میدان نہیں ہے آپ کسی اور سے رجوع کر لیں۔ ڈاکٹر صاحب کا لباس ہمیشہ سادہ ہوتا تھا۔ سادی ٹوپی، سادی شیروانی اور کٹھے کا پاجامہ۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے اور کوشش کرتے کہ سلام میں سبقت لی جائے۔

JOIN FOR MORE!!!

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

(الف) تعارفِ مصنف:

سیّد احمد شاہ بخاری خالص مزاح کے علم بردار قلم کار ہیں۔ آپ نے اس مشکل ترین صنفِ ادب میں خامہ فرسائی کی اور قارئین سے زبردست دادِ تحسین وصول کی۔ آپ نے اپنے مضامین میں مزاح نگاری کو نہایت خوبصورت انداز میں استعمال کیا۔ آپ کی ذہانت کی عکاس آپ کی وہ تحریریں ہیں جن میں واقفیت، حسنِ تعمیر، علمی ظرافت، زیرِ لب تبسم، شوخی، طنز اور مزاح کا بھرپور عکس نظر آتا ہے۔ پطرس کے زورِ قلم کا کل اثاثہ ۱۵۵ صفحات کا کتابچہ المعروف بہ "مضامینِ پطرس" ہے۔ ان چند مضامین نے اردو ادب کی صنفِ مزاح میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور پطرس اس حلقے میں سب سے ممتاز ہو گئے۔ اُن کے قلم کی تخلیق دائمی شہرت اور عظمت کا سبب بنی اور انھوں نے اپنے ہم عصر مزاح نگاروں کے درمیان ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ بقول آل احمد سرور:

> **"پطرس نے بہت تھوڑے مضامین لکھے، مگر پھر بھی ہماری چوٹی کے مزاح نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔**
> **اتنا تھوڑا سرمایہ لے کر بقائے دوام کے دربار میں بہت کم لوگ داخل ہوئے ہیں۔"**

(ب) سبق کا خلاصہ:

امتحان قریب آئے تو ہمیں پڑھنے کی فکر ہوئی۔ ہاسٹل میں ہمارے پڑوسی لالا کرپاشنکر صبح سویرے اٹھا کرتے تھے۔ ہم نے ان سے کہا کہ اگر وہ ہمیں بھی سویرے جگا دیں تو ان کی نوازش ہو گی۔ وہ تو جیسے تیار بیٹھے تھے فوراً تیار ہو گئے۔ دوسرے دن اٹھتے ہی دروازہ دھڑ دھڑانا شروع کر دیا۔ کچھ دیر تو ہمیں لگا کہ کوئی زلزلہ آ گیا شاید، پھر کچھ حواس بحال ہوئے تو حقیقت کھلی۔ بہت آوازیں دیں کہ لالا جی شکریہ! میں اٹھ گیا ہوں! وغیرہ وغیرہ!! لیکن وہ تھے کہ دروازے پر مکے برسائے جا رہے تھے، گویا کسی سوتے ہوئے کو نہ جگا رہے ہوں

بلکہ کوئی مردہ جِلا رہے ہوں۔ آخر کو اٹھ کر ہم نے لیمپ جلایا تو انھیں تسلی ہوئی کہ ہم جاگ گئے ہیں۔

ہم نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھا تو ستارے جھلملاتے نظر آئے۔ ہم نے خوش ہو کر خود سے کہا کہ آج ہم نیا منظر دیکھیں گے۔ آج سورج کو نکلتے ہوئے دیکھیں گے۔ لیکن جب مختلف زاویوں سے باہر دیکھا تو صبح صادق تو کیا صبح کاذب کا بھی کوئی نشان نظر نہ آیا۔ جب کچھ نہ سوجھا تو ہم نے لالا جی سے ہی پوچھا کہ کیا بات ہے آج ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا ہے۔ لالا جی بولے کہ رات کے تین بجے تو اندھیرا ہی ہو گا کوئی روشنی تھوڑا ہی ہو گی۔ تین بجے کا نام سن کر ہمیں جیسے کرنٹ سا لگا۔ ہمیں لگا سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ ہم نے تصدیق کے لیے دوبارہ پوچھا تو کہنے لگے پورے تین تو نہیں بجے، سات آٹھ منٹ اوپر ہوں گے۔ یہ سن کر ہم آپے سے باہر ہو گئے اور لگے لالا جی کو لعن طعن کرنے۔ دل تو چاہتا تھا کہ لالا جی کا حال، بے حال کر دیں لیکن خود کو بڑی مشکل سے سمجھایا اور دوبارہ جا کر سو رہے۔

حسبِ معمول دس بجے اٹھے، بارہ بجے منھ دھویا اور چار بجے چائے پی کر سیر کو نکلے۔ شام کو واپس ہاسٹل پہنچے، موسم کی خوشگواری کے سبب گنگناتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے تو پڑوسی نے حیرت سے دیکھا اور ٹوک دیا کہ آپ اپنے سُر تال سنبھالیے ہماری پڑھائی میں مخل ہوتے ہیں۔ پڑوسی کی پڑھائی میں اس دلچسپی کو دیکھ کر ہم بہت شرمندہ ہوئے اور خود کو نصیحت کی کہ ایسے کی جاتی ہے پڑھائی، اور ایک ہم ہیں کہ ذرا فکر نہیں۔ اسی پشیمانی میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ خدایا! پڑھائی کرنے میں ہماری مدد کر اور ہمت عطا فرما۔

پختہ ارادہ کر کے مطالعے کی میز پر بیٹھے۔ کتابیں ترتیب سے رکھیں اور سونے کے لیے لیٹ گئے۔ سوتے سوتے خیال آیا کہ لالا جی کو جگانے کا کہہ دیتے ہیں۔ اگرچہ دل خوف زدہ تھا لیکن ہم نے ڈرتے ڈرتے لالا جی سے کہا کہ ہمیں چھ بجے جگا دیجیے گا۔ وعدے کے مطابق لالا جی نے ہمیں چھ بجے جگا دیا۔ جگانے کا انداز وہی تھا، یعنی مکوں کی برسات۔ خیر ہم نے لالا جی کا شکریہ ادا کیا۔ لالا جی کے جانے کے بعد ہمیں ایسا لگا کہ ہم جاگ رہے ہیں لیکن حقیقت میں ہم دوبارہ سو چکے تھے۔ البتہ لالا جی پر یہ ہم نے یہ عیاں نہ ہونے دیا کہ ہم دس بجے اٹھے تھے۔ سارا دن ان کا شکریہ ادا کرتے رہے۔ لالا جی خوش ہو کر بولے اس کا مطلب یہ کہ میں روزانہ آپ کو چھ بجے جگا دیا کروں؟ ہم نے پُر اعتماد لہجے میں ہامی بھری اور اگلی صبح کے مطالعے کے لیے کتابیں علیحدہ نکال کر سو گئے۔

اگلی صبح لالا جی نے ہمیں جگایا تو ہم پہلی آواز پر ہی چوکنا ہو گئے اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ دل سے کہا کہ ہم نے بلاوجہ صبح اٹھنے کو ہَوَّا بنا رکھا تھا یہ تو بہت آسان کام ہے۔ اگر ہم چاہیں تو سستی اور کاہلی کب ہمارے قریب پھٹک سکتے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

کرکٹ

(الف) تعارف مصنف:

اردو میں مزاح نگاری کی بات کی جائے تو بہت سے نام ذہن میں آتے ہیں جن میں بطور خاص امتیاز علی تاج، مرزا فرحت اللہ بیگ، پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی، شوکت تھانوی اور ابن انشا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ان کے بعد اردو کے ایک اہم مزاح نگار مشتاق احمد یوسفی کا نام آتا ہے۔ مشتاق احمد یوسفی کی ولادت ۴ ستمبر ۱۹۲۳ء کو متحدہ ہندوستان کے شہر ٹونک، راجستھان کے ایک تعلیم یافتہ خاندان میں ہوئی۔ ان کے والد محترم جناب عبدالکریم خان یوسفی جے پور بلدیہ کے صدر نشین تھے اور بعد میں جے پور قانون ساز اسمبلی کے اسپیکر مقرر ہوئے۔ یوسفی بنیادی طور پر ایک بینکر تھے۔ اردو ادب میں اپنے تخلیقی سفر کا آغاز قیام پاکستان کے بعد کیا۔ ان کا پہلا تخلیقی شاہکار ''چراغ تلے'' کی صورت میں ۱۹۶۱ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس مجموعے کی

اشاعت ہمارے ادب میں تازہ ہوا کے ایک تازہ جھونکے جیسی تھی، جس نے اردو کے مزاحیہ ادب کو ایک نئی راہ دکھائی۔ یوسفی کا ایک امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے مزاح پیدا کرنے کے لیے نئے نئے کردار تراشے۔ یہ سب کردار انھوں نے اپنے معاشرے سے لیے اور ان کی مضحک حرکتوں کو بالخصوص مزاح کا نشانہ بنایا۔

اہم تصانیف:

۱۔ چراغ تلے	۲۔ خاکم بدہن	۳۔ زرگزشت
۴۔ آبِ گم	۵۔ شامِ شعرِ یاراں	

اہم کردار۔ مرزا عبدالودود:

یوسفی نے اپنے تخلیقی سفر کے دوران ان گنت مزاحیہ کردار تخلیق کیے ہیں یا یوں کہیے کہ ان کے کھٹے میٹھے مضامین کرداروں کا نگار خانہ ہیں۔ لیکن ان سب میں، سب سے اہم اور مرکزی کردار مرزا عبدالودود بیگ ہے۔ مرزا عبدالودود بیگ کو یوسفی کے مزاح کے نظام شمسی میں سورج کی حیثیت حاصل ہے۔

(ب) سبق کا خلاصہ:

JOIN FOR MORE!!!

مرزا عبدالودود کرکٹ کے بہت بڑے مداح ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کا کہنا ہے کہ کرکٹ بہت تیزی سے ہمارا قومی کھیل بنتا جا رہا ہے۔ ہماری رائے اس سے مختلف ہے۔ ہم نے کبھی کرکٹ کھیلی نہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اس پر رائے زنی نہ کر سکیں۔ ہم ہندوستانیوں سے کرکٹ کی پرانی وابستگی ہے۔ سرسید کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ علی گڑھ کے طلبہ جب کرکٹ کھیلتے تو وہ میدان کے کنارے جائے نماز بچھا کر ان کے حق میں دعا کیا کرتے تھے۔

کرکٹ انگریزوں کی ایجاد ہے۔ وہ اسے صرف مشغلہ نہیں بلکہ مشن سمجھتے ہیں۔ رہی بات ہماری تو ہمارے ہاں کرکٹ نہ تو مشغلہ ہے نہ ہی مشن، بلکہ اچھی خاصی سزا ہے۔ بلکہ کرکٹ کے چاہنے والے تو اب اسے کسی پیچیدہ سائنس سے تشبیہ دیتے نہیں تھکتے۔ اچھے بھلے تفریحی مشغلے کو جس طرح ہم نے ایک پیشے کی حیثیت دی ہے، ایسا تو کرکٹ ایجاد کرنے والوں نے بھی نہ سوچا ہوگا۔

ایک دفعہ کرکٹ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ اچھا کھیل وہ ہے جس میں دماغ پر کم سے کم زور پڑے اور جسم کی لگاوٹ زیادہ ہو۔ کرکٹ میں ایسا نہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کی یہی مشکل ہے کہ وہاں تعلیم بہت آسان اور کھیل بہت پیچیدہ ہو گئے ہیں اس لیے کمزور طالب علم کھیل سے بھاگ کر تعلیم کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ سیانے کہتے ہیں کہ پڑھائی کے وقت پڑھائی اور کھیل کے وقت کھیل، لیکن ہمارا کہنا ہے کہ کھیل کے وقت کھیل اور کام کے وقت بھی کھیل۔

خیر اصل بات یہ ہے کہ ایک دفعہ ٹیسٹ میچ کی ہنگامہ آرائی زوروں پر تھی۔ لوگ دو حصوں میں بٹ گئے تھے؛ ایک تو وہ جو اپنے گھر پر بیٹھ کر کمنٹری سن رہے تھے دوسرے وہ جو بے چارے ہوٹلوں اور پان کی دکانوں کے سامنے کھڑے ہو کر کمنٹری سن رہے تھے۔ پاکستان ایک میچ جیت چکا تھا جس کی وجہ سے لوگوں کا جوش آسمان سے باتیں کر رہا تھا اور کرکٹ کے خلاف ایک لفظ کہنا بھی غداری کے مترادف تھا۔ ہماری شامت کہ ہم نے ایسے موقع پر مرزا سے کہہ دیا کہ کرکٹ تو رئیسوں کا کھیل ہے۔ پانچ دن تک ایک ہی کھیل کوئی غریب تو نہیں کھیل سکتا اور کھیل کے اتنے طول سے دلچسپی بھی کم ہو جاتی ہے۔ مرزا بھڑک اٹھے اور بولے کہ آپ کوئی دوسرا کھیل بتا دیجیے۔ ہم بولے اس سے بہتر تو بیس بال ہے۔ مرزا نے کہا دونوں ایک ہی ہیں۔ ہم نے کہا ٹینس؟ مرزا نے کہا کہ ٹینس یورپ میں بیمار مردوں اور تن درست عورتوں کا کھیل سمجھا جاتا ہے۔ کھیل ایسا ہونا چاہیے جس میں پورا جسم حرکت میں ہو، کچھ ورزش تو ہو۔ ہم نے کہا پھر

ہاکی کو لے لیجیے۔ہاکی کے نام سے چڑ گئے اور بولے ہمارا مسئلہ ہی یہی ہے کہ قومی ٹیم کسی بھی کھیل میں جیت جائے تو بس اسے قومی کھیل بنا لیتے ہیں۔ ہم نے دلیل دی کہ ہاکی کی مقبولیت عوام میں بہت زیادہ ہے۔ بولے کہ لوگوں کا ہجوم جمع کرنا کون سا مشکل ہے۔ اگر کوئی پان کی پیک تھوک کر اسے غور سے دیکھنے لگے تو اس پر بھی لوگوں کا ہجوم جمع ہو جائے، لہٰذا یہ کوئی دلیل نہ ہوئی۔ ہم نے کہا فٹ بال؟ مرزا کہنے لگے فٹ بال دیہاتیوں کا کھیل ہے، اشراف تو بس کرکٹ ہی کھیلتے ہیں۔

JOIN
FOR
MORE!!!

سوالات و جوابات

JOIN
FOR
MORE!!!

اِعداد و ترتیب: محمد حارث باسم

سوالات وجوابات

سیرت محمدی ﷺ کی جامعیت

سوال: خدا کی محبت اور پیار کا مستحق بننے کے لیے ہر مذہب نے کیا تدبیر بتائی ہے؟

جواب: اسلام سے قبل آنے والے تمام مذاہب نے خدا کا مقرّب بندہ بننے کے لیے ایک ہی تدبیر بتائی، اور وہ یہ تھی کہ اس مذہب کے شارع نے جو عمدہ نصیحتیں کی ہیں ان پر عمل کیا جائے۔ لیکن اسلام نے ایک قدم آگے کا کام کیا اور شریعت کے تمام احکامات اپنے نبی ﷺ سے عملی طور پر کروا کے دکھائے۔

سوال: ابوسفیان نے فتح مکہ کے موقع پر کیا دیکھا اور حضرت عباس نے کیا فرمایا؟

JOIN FOR MORE!!!

جواب: فتح مکہ کو موقع پر جب ابوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے دیکھا کہ اسلام کا لشکر مختلف جھنڈوں کے سائے میں امنڈتا چلا آرہا ہے تو انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: ''عباس! تمھارا بھتیجا تو بڑا بادشاہ بن گیا ہے۔'' جواب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابوسفیان! یہ بادشاہی نہیں نبوت ہے''۔

سوال: عدی بن حاتم نے کیسے اسلام قبول کیا؟ واقعہ بیان کیجیے۔

جواب: عدی بن حاتم، جو کہ قبیلہ طے کے مشہور رئیس حاتم طائی کے فرزند تھے، جب نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو صحابہ کی عقیدت مندیوں اور جہاد کے سامان کو ایک ساتھ دیکھ کر وہ یہ فیصلہ نہیں کرسکے کہ یہ نبوت ہے یا بادشاہت! اچانک ایک غریب لونڈی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنی حاجت عرض کی تو آپ ﷺ اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس ظاہری جاہ وجلال میں یہ عاجزی دیکھ کر عدی کو یقین ہوگیا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں۔ اور وہ اسلام لے آئے۔

سوال: کن سلاطین واُمرا کو دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ کیے گئے؟

جواب: سن ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے جن سلاطین واُمرا کو خطوط بھیجے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆... قیصر روم کی بارگاہ میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ

☆... خسرو پرویز شہنشاہِ ایران کے دربار میں عبداللہ بن حذیفہ سہمی رضی اللہ عنہ

☆... مقوقس عزیزِ مصر کے یہاں حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

☆... حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ

☆... شام کے رئیس حارث غسانی کے پاس حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ

☆... رُءسائے یمامہ کے درباروں میں سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ

سوال: نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت کی جامعیت اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

جواب: نبی کریم ﷺ کی سیرتِ پاک جامع ہے۔ یعنی ہر طبقے کے شخص کے لیے آپ ﷺ کی سیرت میں رہنمائی موجود ہے۔ بادشاہ ہو یا فقیر، غریب ہو یا امیر، سب آپ ﷺ کی سیرت سے یکساں طور پر مستفید ہو سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ وہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں کا مطالعہ کرے تو اسے باری باری سب کو پڑھنے کی ضرورت نہیں، بس ایک نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کر لینے سے وہ تمام انبیائے کرام کی سیرتوں کو جان جائے گا اس لیے کہ پچھلے تمام انبیا کی سیرتوں کی خوبیاں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی سیرت میں جمع فرما دی ہیں۔ چاہے ایوب علیہ السلام کا صبر ہو یا ابراہیم علیہ السلام کا جلال، موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہو یا یوسف علیہ السلام کا جمال، سب آپ ﷺ کی سیرت میں موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے حسن کے بارے میں فرماتی ہیں:

لَوَّامِيْ زُلَيْخَا لَو رَأَيْنَ جَبِينَهٗ لَقَطَعْنَ قُلُوبَهُنَّ بِأَيْدِيْهِنَّ

یعنی زلیخا کی جن سہیلیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹی تھیں، اگر وہ میرے محبوب ﷺ کا چہرہ دیکھتیں تو اپنے دل کاٹ ڈالتیں۔

JOIN FOR MORE!!!

عالم گیر کا انصاف

سوال: اورنگ زیب عالم گیر کا سب سے بڑا کارنامہ بیان کیجیے۔

جواب: اورنگ زیب عالم گیر کا سب سے بڑا کارنامہ ان کا انصاف ہے، جس میں امیر و غریب، بادشاہ و فقیر اور دوست و دشمن سب برابر تھے۔ یہاں تک کہ انصاف کے معاملات میں شہزادوں سے بھی عام آدمیوں جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔

سوال: لین پول نے اورنگ زیب کو عدل کا دریائے اعظم کیوں کہا؟

جواب: لین پول نے اورنگ زیب عالم گیر کو انصاف کا عظیم دریا اس لیے قرار دیا کہ عالم گیر کے دربار میں انصاف حاصل کرنا بالکل بھی دشوار نہیں تھا۔ بل کہ شاہی دربار میں ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی بات بھی بادشاہ ایسے ہی سنتے تھے جیسے بڑے سے بڑے افسر کی بات سنی جاتی تھی۔

سوال: عالم گیر نے اپنے چہیتے بیٹے مرزا کام بخش کو "کوکہ" کے ساتھ قید کرنے کا حکم کیوں دیا؟

جواب: مرزا کام بخش عالم گیر کا چہیتا بیٹا تھا۔ اس کے کوکے پر قتل کا الزام تھا۔ کوکہ رضاعی بھائی کو کہتے ہیں۔ مرزا کام اپنے رضاعی بھائی کو خود سے الگ نہیں ہونے دے رہا تھا تو بجائے اس کے کوکے کو معاف کرنے کے عالم گیر نے انصاف کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے مرزا کام کو بھی اس کے رضاعی بھائی کے ساتھ قید کرنے کا حکم دے دیا۔

سوال: حسن ابدال کے سفر میں عالم گیر نے بڑھیا کی کیوں اور کس طرح مدد کی؟

جواب: سفر کے دوران بادشاہ نے ایک باغ میں قیام کیا۔ باغ کی دیوار کے ساتھ ایک بڑھیا کا مکان تھا اور اس میں ایک پن چکی تھی۔ پن چکی کے چلنے سے باغ میں پانی آتا تھا۔ بادشاہ کے آدمیوں نے باغ کو پانی سے محفوظ رکھنے کے لیے پانی روک دیا جس سے پن چکی رک گئی اور بڑھیا کا نقصان ہوا۔ عالم گیر کو پتا چلا تو اس نے بڑھیا سے معذرت کی اور اشرفیاں اور کھانا بھجوایا۔ اگلی صبح شاہی حرم

میں بلوا کر شاہی بیگمات کے ذریعے زر و جواہر سے مالا مال کر دیا۔ بڑھیا کی دو بن بیاہی بیٹیاں تھیں، تین چار روز بعد بڑھیا کو بلا کر اس کی بیٹیوں کی شادی کا خرچ دیا۔

سوال: اچھے حکم راں کے لیے منصِف ہونا کیوں ضروری ہے؟

جواب: کسی بھی معاشرے کی صحیح سمت میں ترقی کے لیے عدل و انصاف کا قیام نہایت ضروری ہے۔ اور انصاف اسی صورت قائم ہو سکتا ہے جب کہ حکم ران منصِف ہو۔ اگر حکم ران منصف نہ ہو تو پورا معاشرہ بد عنوانیوں اور لا قانونیت کی نذر ہو جاتا ہے۔

خوش طبعی

سوال: محمد حسین آزاد نے ظرافت کو ایک شخص کیوں قرار دیا ہے؟

جواب: محمد حسین آزادؔ نے تمثیلی طور پر ظرافت کو ایک شخص قرار دیا ہے تا کہ اس کی خوبیاں بیان کی جا سکیں۔ اور وہ خوبیاں پڑھنے والوں کو آسانی سے سمجھ میں آ سکیں۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال: خوش طبعی کے خاندان کا بانی کون ہے؟

جواب: خوش طبعی کے خاندان کا بانی سچ ہے۔ اس خاندان میں سچ کے علاوہ، حسنِ بیاں، حسنِ ادب اور خندہ پیشانی بھی موجود ہیں۔

سوال: خوش طبع کیوں اہلِ محفل کو ہنسائے بغیر نہ رہتا تھا؟

جواب: خوش طبع کی ماں "خندہ جبیں" تھی جو کہ ہر وقت ہنستی رہتی تھی۔ اسی کی نسبت سے خوش طبع بھی، چاہے کسی بھی حال میں ہو، اہلِ محفل کو ہنسائے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

سوال: آپ کے خیال میں اصل خوش طبعی کی پہچان کیا ہے؟

جواب: اصل خوش طبعی کی پہچان یہ ہے کہ اس میں ادب کا لحاظ رکھا جائے۔ وہ کسی بھی صورت طنز کی شکل اختیار نہ کرے اور کسی کی بھی طبیعت پر گراں نہ گزرے۔ اس کے لیے حسنِ بیان بھی بہت ضروری ہے۔

سوال: مصنف نے خوش طبع کی کیا خصوصیات بیان کی ہیں؟

جواب: مصنف نے خوش طبع کی جو خصوصیات بیان کی ہیں ان میں ایک تو یہ وہ بہت ہی رنگا رنگ طبیعت کا مالک تھا۔ اس کے علاوہ اس کی طبیعت میں کسی قدر لچک تھی۔ وہ اپنے مزاج کو موقع محل کے اعتبار سے تبدیل کر لیا کرتا تھا۔ کبھی تو نہایت سنجیدہ اور معقول ہو جاتا اور کبھی بالکل مسخرہ بن جاتا۔

سوال: ظرافت اصلی اور ظرافت نقلی میں فرق کی وضاحت کیجیے۔

جواب: ظرافت اصلی اور ظرافت نقلی میں وہی فرق ہے جو انسان اور بندر میں ہے۔ بندر بھی انسان کی نقل کر کے انسان جیسا رتبہ حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوتا۔ اسی طرح ظرافتِ نقلی، ظرافت اصلی جیسی حرکتیں کرتی ہے۔ اگر ظرافت میں سچائی، خندہ پیشانی اور حسنِ بیان جیسی خوبیاں موجود ہوں تو وہ اصلی ہے اور یہ سب نہ ہوں تو اسے وہی جعل ساز بہروپیا سمجھنا چاہیے۔

قحط الرِّجال

سوال: مصنف نے قحط الرجال میں زندگی کو ارزاں کیوں کہا ہے؟

جواب: کسی بھی معاشرے کا سب سے بڑا زوال یہ ہے کہ اس میں کام کے لوگ نایاب یا معدوم ہو جائیں۔ اسی کو قحط الرجال کہتے ہیں۔ ایسے معاشرے کے لوگوں کی زندگی بہت سستی ہوتی ہے کیوں کہ وہ اپنی شناخت کھو دیتے ہیں اور غلامی کی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

سوال: مہمان کی آمد سے مصنف کی مصروفیت دوسروں سے کیوں زیادہ بڑھ گئی؟

جواب: مصنف کے والد نے ان کو بتایا کہ ان کے گھر چین کے ایک مسلمان عالم تشریف لانے والے ہیں اور انھوں نے ان سے آٹو گراف لینا ہے۔ اس وجہ سے مصنف کی مصروفیت دوسروں کی نسبت زیادہ بڑھ گئی کہ نہ تو ان کے پاس آٹو گراف البم تھی اور نہ آٹو گراف لینے کا کوئی تجربہ تھا۔

سوال: مصنف کے والد نے ان کو آٹو گراف البم کے صفحات کے بارے میں کیا ہدایت کی؟

جواب: مصنف کے والد کے آٹو گراف البم کے صفحات کو زندگی کے سادہ اوراق سے تشبیہ دی۔ اور یہ کہا کہ چاہے آٹو گراف البم کے صفحات ہوں یا زندگی کے، انھیں ایروں غیروں سے نہیں بھرنا چاہیے۔ بل کہ زندگی اور آٹو گراف البم میں کسی شخص کو شامل کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ اس قابل بھی ہے یا نہیں۔

سوال: مصنف نے ولندیزی بچے کو اپنے کس سفر کی پہلی منزل قرار دیا ہے اور کیوں؟

جواب: مصنف نے اس ولندیزی بچے کو، جس نے سمندری پشتے کے سوراخ پر ہاتھ رکھ کر رات گزار دی جس سے اس کی موت واقع ہو گئی، اپنے سفر کی پہلی منزل قرار دیا ہے۔ یہ سفر اپنی زندگی میں لوگوں کو شامل کرنے کا سفر ہے۔ اس لیے کہ وہ بچہ اپنے عظیم مرتبے کی وجہ سے بخوبی اس لائق تھا کہ اسے اپنی آٹو گراف البم اور زندگی میں شامل کیا جائے۔

سوال: ولندیزی بچے کی کہانی سے کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: ولندیزی بچے کی کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دوسروں کی جان بچانے کے لیے اپنی جان بھی گنوانی پڑے تو دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ قومی مفاد کو ہمیشہ اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح دینا چاہیے۔ اور زندگی کے معاملات میں بزدلی کے بجائے بہادری اور بے خوفی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

سوال: مصنف نے شیخ یوسف سبریلی کی بلی کی کون سی خاصیت اپنانے کی کوشش کی اور کیوں؟

جواب: شیخ یوسف سبریلی کی بلی حضرت شیخ کے ساتھ رہ کر اس قابل ہو گئی تھی وہ لوگوں کے باطن کو پہچان لیا کرتی تھی۔ وہ بے ہنر اور بے کار لوگوں سے نفرت کرتی تھی اور بے غرض اور درویش صفت لوگوں سے محبت کرتی تھی۔ مصنف کہتے ہیں کہ میں نے بہت کوشش کی کہ مجھے بھی یہ ملکہ حاصل ہو جائے، مگر یہ ہو نہ سکا۔

سوال: اس سبق میں آٹو گراف کا کیا مقصد بیان کیا گیا ہے؟

جواب: اس سبق میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آٹو گراف کا مقصد صرف البم کو بھرنا نہیں ہے۔ بل کہ ایک ایک ورق پر ایسے لوگوں کے آٹو گراف جمع کرنے ہیں جو واقعۃً اس لائق ہوں اور صرف آٹو گراف لینا ہی کافی نہیں بل کہ جس شخصیت کا آٹو گراف حاصل کیا ہے

JOIN FOR MORE!!!

اس کی شخصیت کی خوبیوں کو اپنی ذات میں شامل کر کے اس کے نقشِ قدم پر چلنا بھی ضروری ہے۔

سوال: مردُم شناسی سے کیا مراد ہے؟

جواب: مردُم شناسی سے مراد یہ ہے کہ آدمی کی خوبی یا خامی پہچان لی جائے، انسان کی فطرت یا خاصیت کو پہچان لیا جائے۔ مردم شناسی بہت مشکل کام ہے۔ اور یہ برس ہا برس کے تجربے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

مشاعرہ

سوال: مشاعرے کے لیے کیا شرط ہوتی ہے؟

جواب: مشاعرے کے لیے ضروری ہے کہ بہت سے لوگ شعر پڑھیں اور ایک دوسرے کو اشعار سنائیں۔ اگر ایک شخص اشعار سنائے تو اسے مشاعرے کے بجائے شعری نشست یا شعری تقریب وغیرہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔

سوال: شاعری ایک شاعر سے کن کن چیزوں کا مطالبہ کرتی ہے؟

جواب: شاعری ایک شاعر سے مطالبہ کرتی ہے کہ اسے غور و فکر، علم و فضل اور مطالعہ و مشاہدہ پر عبور حاصل ہو۔ اس کے علاوہ وہ زبان کے اصول و قواعد اور عروض و قوافی سے بھی واقف ہو۔ یہ تمام چیزیں اسی وقت کار آمد ہو سکتی ہیں جب آدمی مذاقِ سلیم بھی رکھتا ہو۔

سوال: مشاعرے میں شریک شعرا اور سامعین کو کن چیزوں کی پابندی کرنا پڑتی ہے؟

جواب: مشاعرے میں شریک شعرا اور سامعین کو مشاعرے کے آدابِ مجلسی کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ عام سماجی زندگی میں کسی شخص کا کتنا ہی بلند مقام کیوں نہ ہو، جب وہ مشاعرے میں شریک ہو گا تو اسے مشاعرے کے تمام آداب کو ملحوظِ خاطر رکھنا ہو گا۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو بد ذوق اور غیر مہذب کہلائے گا۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال: لفظ "مشاعرہ" کے مترادفات لکھیے۔

جواب: معنوی اعتبار سے لفظ "مشاعرہ" کے مترادفات میں:

☆ ...... مراختہ (وہ محفل جس میں ریختہ یعنی اردو کے اشعار پڑھے جائیں)

☆ ...... مسالمہ (دوستی اور صلح کی محفل، کنایۃً مشاعرہ)

☆ ...... مناظمہ (وہ محفل جس میں نظمیں پڑھی جائیں)

☆ ...... مغازلہ (وہ محفل جس میں غزلیں پڑھی جائیں)، قابلِ ذکر ہیں۔

سوال: طرحی مشاعرہ کن شعرا کی یادگار ہے؟

جواب: مشاعرے کی تمام اقسام میں قدیم ترین طرحی مشاعرہ ہے۔ طرحی مشاعرے کا مطلب ہے کہ تمام شعرا کو خاص زمین میں شعر کہنے کا پابند کیا جائے۔ اور کوئی مصرعۂ طرح دیا جائے جس کی زمین سب شعرا کو اشعار کہنے ہوں۔ یہ مشاعرہ حاتمؔ اور مظہر جانِ جاناں کی یادگار ہے۔

سوال: مشاعروں کے انعقاد، ان میں شرکت اور سماعت سے ہمیں کون کون سے انفرادی و اجتماعی فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

جواب: مشاعروں کے انعقاد سے سماج میں خوشگوار تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ اس کے ذریعے مختلف عقیدوں اور مختلف نظریات کے لوگ

ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔اس کے علاوہ مشاعرے شائستگی اور تہذیب کا درس دیتے ہیں اور لوگوں کو آدابِ مجلسی سکھاتے ہیں۔

ادب آموزوں کے نام

سوال: مذکورہ سبق میں شیخ سعدی کی کون سی کتاب کا ذکر کیا گیا ہے اور کیوں؟

جواب: مذکورہ سبق میں شیخ سعدی کی کتاب ''گلستان'' کا ایک فقرہ نقل کیا گیا ہے جس میں حضرت لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے ادب کس سے سیکھا تو انھوں نے جواب دیا: بے ادبوں سے۔

سوال: بے ادبوں سے ادب کیسے سیکھا جا سکتا ہے؟

جواب: بے ادبوں سے ادب ایسے سیکھا جا سکتا ہے کہ جو کام وہ کریں اسے بے ادبی سمجھ اس سے اجتناب کیا جائے۔اور جس بات سے وہ احتراز کریں اس کو ادب سمجھ کر اسے اپنا لیا جائے۔

سوال: مصنف نے نیک نامی سے زیادہ عقل و علم کو کیوں ضروری قرار دیا ہے؟

جواب: نیک نامی سے زیادہ عقل و علم کو اس لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ نیک نامی تو ظاہری شے ہے جبکہ عقل و علم باطنی خوبیاں ہیں۔ اس کے علاوہ نیک نامی آنے جانے والی شے ہے جب کہ علم و عقل میں استقلال ہے۔

سوال: اکبر الٰہ آبادی کی وجہ شہرت کیا تھی؟اور سبق میں کیا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: اکبر الٰہ آبادی کی وجہ شہرت ان کی طنزیہ شاعری تھی۔اس سبق میں ان کی شہرت کے حوالے سے ایک حکایت نقل کی گئی ہے کہ جب اکبرؔ مشہور ہو گئے تو ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ اکبرؔ میرا شاگرد ہے۔لوگوں نے اس بارے میں اکبرؔ سے پوچھا تو آپ نے کہا کہ بہت عرصے سے ایک مولوی صاحب مجھے علم سکھاتے تھے اور میں انھیں عقل سکھاتا تھا۔دونوں ہی اپنے کیے میں ناکام رہے، نہ مجھے علم آیا اور نہ انھیں عقل آئی۔

سوال: عقل اور علم کے متعلق کوئی پانچ اقوال / محاورے تحریر کیجیے۔

جواب: ۱۔ علم کی جستجو جس رنگ میں بھی کی جائے، عبادت کی ایک شکل ہے۔

۲۔ علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب۔

۳۔ ناقدروں کو علم دینا علم کی ناقدری ہے۔

۴۔ علم انصاف کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔

۵۔ علم کے بغیر انسان اللہ کو نہیں پہچان سکتا۔

JOIN FOR MORE!!!

لاہور میں ادیبوں کی کالونی

سوال: ادیبوں کی کالونی کس شہر میں تعمیر ہونا تھی؟

جواب: ادیبوں کی کالونی لاہور میں تعمیر ہونا تھی۔

سوال: کالونی کی تعمیر میں کس نے رکاوٹ ڈالی تھی؟

جواب: کالونی کی تعمیر میں ٹاؤن پلانر نے رکاوٹ ڈالی۔

سوال: جو ادیب نہ ہوں انھیں اپنے آپ کو ادیب ثابت کرنے کے لیے کیا جتن کرنا پڑتے ہیں؟

جواب: جو ادیب نہ ہوں انھیں ادب میں خواہ مخواہ دلچسپی لینی پڑتی ہے۔ ادبی محافل میں بیٹھنا پڑتا ہے، ان کے مضامین سننے پڑتے ہیں اور گاہے گاہے اپنی رائے کا اظہار بھی کرنا پڑتا ہے۔

سوال: کالونی کے ادبی زون اور سیاسی زون سے کیا مراد ہے؟

JOIN FOR MORE!!!

جواب: جب ایک طبقے کے بہت سے لوگ ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو وہاں دفتری سیاست شروع ہو جاتی ہے۔ ادیبوں کی کالونی میں بھی ایسے ہی کچھ معاملے کا اندیشہ تھا۔ چونکہ بہت سے ادیب ایک جگہ جمع ہوں گے تو وہ ایک ساتھ نہ رہ سکیں گے۔ اس لیے ان کے دو حلقے بنانا ضروری ہو جائے گا۔ ہر حلقہ دوسرے کے خلاف سیاست کرے گا۔ اس طرح ایک حلقہ ادبی کہلائے گا اور دوسرا سیاسی زون بن کر رہ جائے گا۔

سوال: معمارِ شہر اور مفکر کالونی کے مجسموں کو نصب کرنے پر کن کن اندیشوں کا اظہار کیا گیا ہے؟

جواب: مصنف کہتے ہیں کہ یہاں کالونی میں ہر شخص بلند پایہ اور عظیم المرتبت ہے۔ کوئی معمارِ شہر ہے تو کوئی مفکر کالونی۔ اب مسئلہ یہ درپیش ہوگا کہ اگر معمارِ شہر کا مجسمہ نصب کیا گیا تو مفکرِ کالونی ناراض ہوں۔ ان کا مجسمہ نصب کیا تو کوئی دوسرا ناراض ہو جائے گا۔ اس لیے کہ سب حضرات اتنی وقعت رکھتے ہیں کہ ہر ایک کا مجسمہ نصب کیا جاسکے۔ ظاہر ہے کہ سب کے مجسمے تو نصب ہو نہیں سکتے اور کسی ایک کا نصب کرنے میں دوسروں کی ناراضی کا اندیشہ ہے۔

سوال: ادیبوں کی کالونی میں عورتوں کی لڑائیاں کیوں دل چسپ ہوں گی؟

جواب: ادیبوں کی کالونی میں عورتوں کی لڑائی اس لیے دلچسپ ہو گی کہ ہر عورت دوسری عورت کو اس کے شوہر کی ادبی خدمات کے لحاظ سے برا بھلا کہے گی۔ مثلاً پہلی کہے گی کہ تمھارے خاوند نے تو پچھلے پانچ سال سے کوئی شعر ہی نہیں لکھا۔ جواب میں دوسری کہے گی کہ تمھارا خاوند تو ادبی شاعر نہیں، فلمی شاعر ہے۔ وغیرہ۔

سوال: کالم نگار کے خیال میں ادیبوں کی کالونی میں کون کون سے مسائل پیش آسکتے ہیں؟

جواب: کالم نگار کے خیال میں ادیبوں کی کالونی میں مندرجہ ذیل مسائل پیش آسکتے ہیں:

۱۔ بہت سے ادیب ایک جگہ ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

۲۔ معمارِ شہر کا مجسمہ نصب کرنے پر ہنگامے کا اندیشہ ہے۔

۳۔ شعر و نظم اور افسانے سنانے والے بہت ہوں گے، سننے والے کم ہوں گے۔

۴۔ شہریوں کی نیند کو محفوظ بنانے کے لیے رات کی محافلِ شعر و سخن پر پابندی لگانی پڑے گی۔

سوال: اس کالونی میں کون سی دوسری بڑی مصیبت کا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: ادیبوں کی کالونی میں دوسری بڑی مصیبت یہ بیان کی گئی ہے کہ شعر و سخن سنانے والے تو بہت ہوں گے لیکن سننے والے کم ہوں گے۔ اگر کسی شاعر کارات کے دو بجے شعر موزوں ہو گیا تو وہ سب کے دروازے کھٹکھٹا کر سب کو سنائے گا۔

میرا البم

سوال: مصنف کو کاغذات کے ڈھیر میں سے کیا کیا ملا؟

جواب: مصنف کو کاغذات کے ڈھیر میں سے ایک پرانا پیکٹ ملا جس میں تصویروں کا ایک البم تھا۔

سوال: البم کے پہلے صفحے پر کس کی تصویر دکھائی دی اور یہ تصویر کس موقعے پر بنوائی گئی تھی؟

جواب: البم کے پہلے صفحے پر مصنف کی اپنی تصویر تھی جو مصنف نے ایم۔اے کی ڈگری حاصل کرنے پر بنوائی تھی۔ کافی دیر بعد مصنف اس تصویر کو پہچان سکے۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال: والدہ کی تصویر دیکھ کر مصنف نے کن تاثرات کا اظہار کیا ہے؟

جواب: والدہ کی تصویر کو دیکھ کر مصنف ماضی کے جھروکوں میں داخل ہو گئے جہاں ان کی والدہ ان کے بڑے بھائی کے ساتھ چارپائی پر بیٹھی کھانا کھا رہی ہیں۔ اور ایک خوش گوار لمحے کو مصنف نے کیمرے کی آنکھ سے قید کر لیا ہے۔

سوال: انشائیہ نگار نے البم کو "یوسف گم گشتہ" کیوں کہا؟

جواب: انشائیہ نگار نے اپنی تصویروں کے البم کو "یوسفِ گم گشتہ" اس لیے کہا کہ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کافی عرصہ گم رہے اور ان کے والد کو بہت انتظار کے بعد دوبارہ ملے، اسی طرح مصنف کا البم بہت عرصے سے گم تھا اور ہزارہا کوششوں کے باوجود نہ مل سکا تھا۔

سوال: انشائیہ نگار کے خیال میں البم کی سب سے بڑی خوبی کیا ہے؟

جواب: مصنف کے خیال میں البم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے دامن میں ماضی کے زندہ لمحوں کو قید کر لیتا ہے۔ اگر البم میں موجود تصویروں میں ماضی کی یادیں نہ ہوں تو وہ البم نہیں رہتا بلکہ تصویروں کا مردہ خانہ بن جاتا ہے۔

سوال: انسان اپنے ماضی کو اس قدر عزیز کیوں رکھتا ہے؟

جواب: انسان زندگی کے جس مرحلے میں بھی ہو اسے اپنا ماضی یادگار معلوم ہوتا ہے اور وہ اسے بہت عزیز رکھتا ہے۔ ماضی کی کوئی بھی چیز اس کے ہاتھ لگ جائے تو اسے بہت حفاظت سے رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اس سے اس کی یادیں وابستہ ہیں۔ چاہے وہ کوئی چیز ہو یا ماضی میں ساتھ رہنے والا انسان، انسان کو بہت محبوب ہوتا ہے۔ بقول جون ایلیا ؎

ہم نے جانا تو ہم نے یہ جانا
جو نہیں ہے وہ خوبصورت ہے

سحر ہونے تک

سوال: قائد اعظم کے جلسے کے لیے کیا کیا تیاریاں ہو رہی تھیں؟

جواب: قائد اعظم کے جلسے کے لیے لوگوں کی بھیڑ جمع تھی۔ بڑھے، جوان، بچے، مرد، عورت، نہ صرف کلکتہ، بل کہ بنگال، بہار اور یُو پی سے امنڈ آئے تھے۔ ہر طرف مسلم لیگ کے سبز جھنڈے دکھائی دیتے تھے۔ مسلم لیگ نیشنل گارڈز وردیوں میں ملبوس ہجوم کو منظم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سوال: مذکورہ متن میں کتنی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے اور کیوں؟

جواب: مذکورہ متن میں مسلمانوں کے علاوہ، ہندو، سکھ، عیسائی، اینگلو انڈین، امریکن اور انگریزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے ساتھ یہ تمام لوگ بھی قائد اعظم کو دیکھنے اور تصویر کھینچنے کے لیے جمع تھے۔

سوال: لیلیٰ کا جلسے میں کیا کام تھا؟

جواب: جلسے میں لیلیٰ کا کام یہ تھا کہ کامریڈوں کو جلسے کے مختلف حصوں میں بھیج رہی تھی۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال: ریمزے کے ذہن میں قائد اعظم کا خاکہ کیسا تھا؟

جواب: پہلے پہل ریمزے کو ایسا لگتا تھا کہ شاید ہندوستان کی آزادی کے مسئلے کو الجھانے کے لیے مسلمانوں کا سوال کھڑا کیا گیا ہے ورنہ ہندوستان کا صرف ایک ہی لیڈر ہے اور وہ گاندھی ہے۔ لیکن جب اس نے جلسے میں قائد کا جاہ و جلال اور لوگوں کی ان سے والہانہ محبت و عقیدت دیکھی تو وہ اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو گیا۔

سوال: پاکستان کے بارے میں اسمتھ کے کیا خیالات تھے؟

جواب: جلسے کی شان و شوکت اور لوگوں کے جوش و خروش کو دیکھ کر اسمتھ کا یہ خیال اور بھی پختہ ہو گیا تھا کہ اب تو پاکستان بن کے ہی رہے گا۔ دنیا کے نقشے پر ایک اور مملکت کا اضافہ ہونے والا ہے۔

سوال: "قدرت بھی درختوں کی شکل میں مسلم لیگ کے سبز جھنڈے ہی اڑا رہی ہے"۔ اس عبارت سے مصنف کی کیا مراد ہے؟

جواب: اس عبارت میں تمثیلی انداز میں مسلم لیگ کے سبز جھنڈوں کو درختوں کے پتوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فضا میں مسلم لیگ کے اتنے جھنڈے لہرا رہے تھے جیسے قدرت نے مسلم لیگ کے سر پر اپنا ر کھ دیا ہو اور وہ تمام جھنڈے نہ ہوں بل کہ درختوں کے پتے ہوں۔

زمین

سوال: ساجدہ اپنے ابا کے پاس واپس آئی تو اس نے کیا دیکھا؟

جواب: ساجدہ اپنے ابا کے پاس واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ ابا کے گرد لوگوں کا ہجوم جمع ہے اور ڈاکٹر بھی سر جھکائے کھڑا ہے۔ ساجدہ کو آتا دیکھ کر لوگ ابا کے پاس سے ہٹنے لگے۔

سوال: ساجدہ ابا کو کھانا لینے کے لیے کیوں نہیں جانے دینا چاہتی تھی؟

جواب: ساجدہ کو معلوم تھا کہ ابا بہت بیمار ہیں۔ کھانا لینے جائیں گے تو وہاں رش میں دھکم پیل ہو گی جس سے ابا کی طبیعت مزید بگڑنے کا

اندیشہ ہے۔اس لیے ساجدہ ابا کو کھانا لینے کے لیے نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔

سوال: کمپاؤنڈر کی گفتگو سے کیا ظاہر ہو رہا تھا؟

جواب: کمپاؤنڈر کی گفتگو سے خود غرضی ظاہر ہوتی ہے۔ادھر ساجدہ کے ابا بیمار پڑے ہیں، وہ ابا کی بیماری سے ہلکان ہو رہی ہے اور کمپاؤنڈر بے حسی کے عالم میں نان بوٹیاں توڑ رہا ہے۔

سوال: ساجدہ کو دیکھ کر ڈاکٹر نے کیا کہا؟

جواب: ساجدہ کو دیکھ کر ڈاکٹر نے شرمندگی کے مارے سر جھکا لیا اور معذرت بھرے لہجے میں کہا : ''مجھے اپنے جرم کا احساس ہے۔ میں ڈیوٹی پر تھا۔اگر میں واک پر نہ گیا ہوتا......(تو یہ سب نہ ہوتا)۔''

سوال: میت کے پاس بیٹھے لوگوں کا کیا رویہ تھا؟

جواب: میت کے پاس بیٹھے تمام لوگ افسردہ تھے اور ساجدہ کو تسلی دے رہے تھے۔جب فرطِ غم میں ساجدہ بے ہوش ہو گئی تو لوگوں نے اسے سنبھالا دیا۔

سوال: جانے والی بات سناتے ہوئے ابا کی آنکھوں میں چمک کیوں آجاتی تھی؟

جواب: ساجدہ اپنے ابا کے ساتھ دوسرے مہاجرین کی طرح مہاجر کیمپ میں بسیرا کیے ہوئی تھی۔اس کے ابا کو امید تھی کہ ایک دن اس کیمپ سے نکل کر ہم اپنے گھر ضرور جائیں گے۔اسی لیے جانے کی بات کرتے ہوئے ابا خوش ہو جاتے تھے اور ان کی آنکھوں میں چمک آجاتی تھی۔

JOIN FOR MORE!!!

نئے دور کی لڑکی

سوال: حامد جو کتابیں دیکھنے گیا، ان میں کیا چیز تھی؟

جواب: حامد اپنے دوست علی رضا کے پاس کتابیں دیکھنے گیا تھا۔ان کتابوں میں ولایت کی عمارتوں اور کارخانوں کی تصویریں تھیں۔

سوال: ''اونٹ کو گھنٹی باندھنے'' کا کیا مطلب ہے؟

جواب: یہ ضرب المثل ہے اور اصل ضرب المثل ہے ''اونٹ کے گلے میں بلی'' اور اس کا مطلب ہے بڑی عمر کے مرد سے کمسن لڑکی کا نکاح ہونا، یا دو بے جوڑ چیزوں کا یک جا ہونا۔

سوال: شہر بانو کے پاس بختاور کس مقصد سے آئی تھی؟

جواب: شہر کے بانو کے پاس بختاور اس کی بیٹی زینت کے لیے سیٹھ گل محمد کے بیٹے سے شادی کرنے پر راضی کرنے آئی تھی۔

سوال: زینت بی بی کے لیے بختاور نے کس کس گھر سے رشتہ آنے کا خیال ظاہر کیا؟

جواب: بختاور زینت بی بی کے لیے سیٹھ گل محمد کے گھر سے اور محمد رمضان وکیل کے گھر سے رشتہ آنے کا خیال ظاہر کیا۔

سوال: گھر کس وجہ سے جنت بن جاتا ہے؟

جواب: اگر میاں بیوی کے درمیان ایسا باہمی اعتماد ہو جس سے دونوں کو خوشی حاصل ہو۔ دونوں آگے بڑھیں اور خوش گوار زندگی گزاریں تو اس اعتماد کی وجہ سے گھر جنت بن جاتا ہے۔

سوال: ''بیٹیاں تو آنگن کی چڑیاں ہوتی ہیں''اس مثل میں زینت کے لیے کیا اشارہ ہے؟

جواب: اس مثل میں زینت کے لیے یہ اشارہ ہے کہ جس طرح آنگن کی چڑیا تھوڑی دیر رک کر اُڑ جاتی ہے اسی طرح گھر کی بیٹی صحیح وقت آنے پر باپ کے گھر سے سدھار جاتی ہے اور اپنے گھر کی ہو جاتی ہے۔

چار مال دار

سوال: اس داستان میں چار مال دار کس شہر کے رہنے والے تھے؟

جواب: اس داستان میں چار مال دار شہر بلخ کے رہنے والے تھے۔ بلخ افغانستان کے چونتیس صوبوں میں سے ایک صوبے کا نام ہے۔

سوال: اس داستان میں خجستہ کون ہے؟

جواب: اس داستان میں خجستہ رئیس کے بیٹے مدن سین کی بیوی ہے جس کا نام سنسکرت کہانی میں ''پربھاوتی''، اور فارسی کہانی میں خجستہ ہے۔

سوال: خجستہ نے توتے کو ''سبز پوش'' کیوں کہا؟

JOIN FOR MORE!!!

جواب: ''سبز پوش'' اسے کہتے ہیں جس نے سبز لباس پہنا ہو۔ خجستہ نے توتے کو سبز پوش اس کے ہرے رنگ کی وجہ سے کہا۔

سوال: دوسرے شخص کے زمین کھودنے سے کیا نکلا؟

جواب: دوسرے شخص کے زمین کھودنے سے چاندی نکلی۔

سوال: جواہر کی کان کا لالچ کس کو تھا؟

جواب: جواہر کی کان کا لالچ چوتھے مال دار کو تھا، لیکن اس کی قسمت کہ جب اس نے زمین کھودی تو لوہا نکلا۔

سوال: جو لوگ دوستوں کی بات نہیں مانتے، ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟

جواب: جو لوگ دوستوں کی بات نہیں مانتے وہ ہمیشہ پچھتاتے ہیں۔ جیسے اس داستان میں چوتھے مال دار کے ساتھ ہوا۔ اچھا بھلا اس کو سونے کا مالک بننے کا موقع ملا تھا لیکن اس نے دوست کی بات نہیں مانی اور پچھتانا پڑا۔

مولانا حسرتؔ موہانی

سوال: یہ خاکہ کس مشہور شخصیت کے بارے میں ہے؟

جواب: یہ خاکہ اردو کے مشہور شاعر رئیس المتغزلین مولانا حسرتؔ موہانی کے بارے میں ہے۔

سوال: اس سبق میں کون کون سی مشہور شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: اس سبق میں مولانا حسرتؔ موہانی کے علاوہ سردار پٹیل، مولانا ابوالکلام آزادؔ اور مولانا ظفرؔ علی خان کا ذکر کیا گیا ہے۔

سوال: حسرتؔ موہانی کا خاکہ اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

جواب: حسرتؔ موہانی بہت سادہ مزاج اور سادہ لباس انسان تھے۔ لیکن کس قیامت کے آدمی تھے۔ جس بات کو اپنے نزدیک حق سمجھتے تھے اس کو بغیر کسی تامل کے، بغیر ہموار کیے، بغیر مصلحت یا موقع کے انتظار کے، سامنے افلاطون ہو یا فرعون، سب کے سامنے کہہ ڈالنا

حسرؔت کے لیے معمولی بات تھی۔ ایسانڈر، محبت کرنے والا اب کہاں سے آئے گا۔ مذہب اور سیاست میں کٹر ہونے کے باوجود شاعری میں حد درجہ شیریں نوا، شریف النفس اور زندگی میں درویش صفت اور تیغ اصیل تھے۔ آپ ہندوستانی پارلیمنٹ کے ممبر تھے لیکن اندازِ درویشانہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ راستہ اکثر پیدل ہی طے کیا کرتے تھے۔ پارلیمنٹ میں ایسی دوٹوک اور بے لاگ تقریر کرتے کہ بام و در گونج اٹھتے۔

سوال: رسالہ "اردوے معلیٰ" نے مولانا حسرؔت موہانی کی ادارت میں کیا خدمات سرانجام دیں؟

جواب: مولانا حسرؔت موہانی کے جاری کردہ رسالے "اردوے معلیٰ" نے اردو ادب کی بیش بہا خدمت کی۔ عام لوگوں میں شعر و ادب کو اُجاگر کرنے میں اس رسالے نے کلیدی کردار ادا کیا۔ اس میں بہت سے اچھے تنقیدی اور ادبی مضامین چھپتے رہے۔ اس کے علاوہ اس رسالے میں بہت سے غیر معروف شعرا کے کلام کو تشہیر دی گئی۔ اسی طرح وہ شعرا جن کے کلام نایاب ہو چکے تھے ان کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔

سوال: مولوی عبدالحق کی تحریر کی کوئی دو خوبیاں بیان کریں۔

جواب: مولوی عبدالحق کی تحریر کی پہلی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تحریروں استدلالی انداز اختیار کیا۔ وہ دلیل سے وزن پیدا کرتے ہیں اور منطقی ربط کے ساتھ اپنی بات آگے بڑھاتے ہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ مولوی صاحب محض عبارت آرائی اور انشاپردازی نہیں کرتے چنانچہ ان کا علمی و فکری اسلوب تحریر نہایت مناسب اور موزوں ہے۔ جس طرح وہ ایک متوازن نقاد تسلیم کیے جاتے ہیں اسی طرح ان کا طرزِ تحریر بھی متوازن اور معتدل ہوتا ہے اور مقصدیت کی شان رکھتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

سر اقبال مرحوم

سوال: ڈاکٹر اقبالؔ کے انتقال کی خبر سن کر مصنف کا ردعمل کیا تھا؟

جواب: ڈاکٹر اقبالؔ کے انتقال کی خبر سن کو مصنف کو یوں لگا کہ وقت رُک سا گیا ہے۔ نہ نہانا اچھا معلوم ہوا، نہ کھانے پینے میں جی لگا۔ گھر آکر تھوڑی دیر کمرہ بند کر کے لیٹ گئے۔

سوال: مصنف نے علامہ اقبالؔ کی گفتگو کی کون کون سی خوبیاں بیان کی ہیں؟

جواب: مصنف کہتے ہیں کہ علامہ اقبالؔ جب بات کرتے تو اس خود اعتمادی کے ساتھ بولتے کہ اندازِ گفتگو سے عالمانہ بردباری کی لطافت اور علم و فضل کی گہرائی دونوں بہ یک وقت دکھائی دیتے تھے۔ بقول مصنف ایسی خود اعتمادی کم کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

سوال: علامہ اقبالؔ کی شخصیت اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

جواب: علامہ محمد اقبالؔ کی شخصیت بارعب اور مردانہ وجاہت سے بھرپور تھی۔ آواز بھاری بھرکم اور گونج دار تھی۔ اندازِ گفتگو نہایت عالمانہ اور خود اعتمادی سے معمور تھا۔ اپنے عزیز و اقارب کے لیے نہایت شفیق اور مہربان تھے۔ نبی کریم ﷺ کے عشق میں مبتلا تھے۔ جیسے جیسے زندگی میں آگے بڑھتے گئے عشقِ رسول ﷺ بھی بڑھتا گیا۔ علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ مشکل سے مشکل مسئلے کو بڑی آسانی سے حل کر لیا کرتے تھے۔ علامہ کو صرف شاعر کہنا درست نہیں وہ ایک عظیم مفکر اور بلند پایہ عالم تھے۔

سوال: علامہ اقبالؔ نے مصنف سے ملاقات میں کن موضوعات پر گفتگو کی تھی؟

جواب: علامہ اقبالؔ نے مصنف سے ملاقات میں علی گڑھ کے بارے میں گفتگو کی، اس کے علاوہ نظریۂ فوقُ البشر کو واضح کیا اور ان میں جو اشکالات تھے ان کی خوب وضاحت کی۔

سوال: کون سی خصوصیت کو مصنف نے شاعر کی بڑائی قرار دیا ہے؟

جواب: مصنف کے خیال میں علامہ اقبالؔ کا عالمانہ اندازِ گفتگو، فطری خوش طبعی اور خود اعتمادی ان کی سیرت کے سب سے گراں قدر پہلو تھے۔

سوال: علامہ اقبالؔ کا کلام عام شاعروں سے کیوں مختلف نظر آتا ہے؟

جواب: علامہ اقبالؔ کا کلام دوسرے شعرا کے مقابلے میں مختلف اس لیے نظر آتا ہے کہ دوسرے شعرا اپنے کلام میں افسانوی اور فرضی باتیں کرتے ہیں جب کہ علامہ اقبالؔ حقیقت پسندی کا دامن تھامے رکھتے ہیں اور محض تفنن طبع کے لیے شاعری نہیں کرتے بل کہ قوم کی بیداری کے لیے شاعری کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے خود بھی اس کا اظہار کیا ہے:

مرے ہم صفیر اسے بھی اثرِ بہار سمجھے
انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ!

چمنے کہ تا قیامت...

JOIN FOR MORE!!!

سوال: اس سبق میں کس شخصیت کا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: اس سبق میں ممتاز روحانی شخصیت، محقق اور ماہر لسانیات ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ ناگ پور یونیورسٹی اور جامعہ سندھ کے شعبۂ اُردو کے صدر رہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب کا حلیہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

جواب: ڈاکٹر صاحب کی شخصیت بڑی پر رونق تھی۔ آپ کا قد اونچا لمبا تھا لیکن عاجزی سے جھکے ہوئے تھے۔ جسم کافی صحت مند تھا۔ یعنی یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب ''بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ''(یعنی علم اور جسم دونوں میں وسیع) تھے چہرے پر داڑھی سجی ہوئی تھی۔ آنکھیں شرم وحیا سے معمور تھیں اور علم کی روشنی سے منور تھیں۔ آنکھوں میں ایک چمک تھی جو اربابِ علم کی نشانی ہے۔ ہمیشہ سادہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔ چاہے شیر وانی ہو یا کرتا، سادہ اور سفید رنگ کا ہوتا تھا۔ ساتھ میں لٹھے کا پاجامہ پہنتے تھے۔ شیر وانی کا کپڑا بھی بالکل سادہ ہوا کرتا تھا۔ سر پر ہمیشہ ٹوپی رکھا کرتے تھے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب کا طریقہ تدریس کس طرح کا تھا؟ مفصل تحریر کیجیے۔

جواب: ڈاکٹر صاحب نہایت شفیق اور ہنس استاد تھے۔ زُہد اور تقویٰ اپنی جگہ پر تھا لیکن طلبہ اور اساتذہ کے ساتھ بے تکلفی بھی تھی۔ یہاں تک کہ طلبہ کے ساتھ ان کی غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی ساتھ دیتے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب نے خط کا جواب کس انداز میں دیا؟

جواب: ڈاکٹر صاحب جامعہ سندھ سے منسلک تھے۔ جامعہ کے ایک استاد کے بارے میں رشتے کے لیے استفسار کیا گیا۔ رقعے کے مطابق وہ صاحب پروفیسر بھی تھے اور ڈاکٹر بھی۔ لیکن حقیقت میں نہ ڈاکٹر تھے نہ پروفیسر، اور پہلے سے شادی شدہ بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے انتہائی خندہ پیشانی اور حسِّ مزاح سے بھرپور ایسا جواب لکھا جس سے بہ ظاہر ان صاحب کی برائی بھی نہ ہو اور اصل حقیقت بھی متعلقہ خاندان تک پہنچ جائے:

"میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ان صاحب کو پی۔ایچ۔ڈی بھی کروادے اور پروفیسر بھی بنوادے
اور دوسری شادی بھی انھیں راس آئے۔"

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی

سوال: لالا کرپاشنکر جی سے کیا درخواست کی گئی؟

جواب: لالا کرپاشنکر جی سے درخواست کی گئی کہ امتحان کے دن قریب آرہے ہیں آپ جلدی اٹھتے ہیں ہمیں بھی صبح سویرے جگادیں۔

سوال: لالا جی نے جگانے کے لیے کیا انداز اپنایا؟

جواب: لالا جی نے جگانے کے لیے کمرے کے دروازے زور زور سے دھڑ دھڑائے اور دروازے پر مکوں کی بارش کردی۔

سوال: زبردستی جگائے جانے پر مصنف کے تاثرات کیا تھے؟

جواب: مصنف کو جب یہ پتہ چلا کہ انھیں صبح کے تین بجے جگادیا گیا ہے تو ان کے غصے کا کوئی عالم نہ رہا۔ خیر وہ غصہ پی گئے اور کمالِ ضبط سے کام لیا۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال: مصنف کے معمولاتِ زندگی میں موجود نقائص کی نشان دہی کیجیے۔

جواب: مصنف کے معمولات میں سب سے بڑا نقص تو بے ترتیبی ہے۔ کسی کام کا کوئی وقت مقرر نہیں جس سے زندگی کے معمولات نقائص کا شکار ہیں۔ اس کے علاوہ رات کو دیر سے سونا اور صبح دیر سے اٹھنا اور کھانا باہر سے کھا کر آنا موٹے موٹے نقائص ہیں۔

سوال: اس سبق سے پانچ جملے منتخب کیجیے جو آپ کے نزدیک طنز و مزاح کا بہترین نمونہ ہوں۔

جواب:
1. "وہ حضرت بھی معلوم ہوتا ہے نفلوں کے بھوکے بیٹھے تھے۔"
2. "دل تو چاہتا تھا کہ عدم تشدد و تشدد کو خیر باد کہہ دوں۔"
3. "ہم تو خود ہی انتظار میں تھے کہ یہ خواب ختم ہو لے تو بس جاگتے ہیں۔"
4. "محض اس شبہے کہ بنیاد پر صبح سے شام تک ضمیر کی ملامت سنتا رہا۔"
5. "اگر صبح کی بجائے صبح صبح شام ہوا کرتی تو دن کیا بری طرح کٹا کرتا۔"

سوال: آپ کے خیال میں کون سی عادت مصنف کو پڑھائی سے دور رکھنے کا باعث تھی؟

جواب: کاہلی، سستی اور غفلت کی وجہ سے مصنف پڑھائی سے دور رہتے ہیں۔

سوال: کاہلی، سستی اور غفلت سے پہنچنے والے چند نقصانات بیان کیجیے۔

جواب: سستی اور کاہلی کے چند نقصانات درج ذیل ہیں:

☆ ...... سستی فرض عبادتوں کی ادائیگی میں جہنم کی سزا کا حق دار بنا دیتی ہے۔

☆ ...... سستی وکاہلی کی وجہ سے ہمارے گھر والے ہم سے ناراض ہو سکتے ہیں۔

☆ ...... بروقت کام نہ کرنے پر ہمیں لوگوں کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑ سکتی ہے۔

☆ ...... دفتری کام جمع ہونے کی وجہ سے ٹینشن میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

☆......ترقی کا سفر آہستہ آہستہ طے ہونے کے ساتھ رک رک کر کارکردگی کو کمزور کر سکتا ہے۔

☆...... سستی کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد و اعتبار ختم ہو سکتا ہے۔

☆...... سستی کا مریض خود کو ناکام سمجھنے لگتا ہے جس کی وجہ سے وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

کرکٹ

سوال: سرسید احمد خان کے متعلق کون سی روایت مشہور تھی؟

جواب: سرسید احمد خان کے متعلق یہ روایت مشہور تھی کہ سرسید کرکٹ کو پسند کیا کرتے تھے حتیٰ کہ علی گڑھ کے لڑکے جب کرکٹ کھیلتے تو سرسید میدان کے کنارے جائے نماز بچھا کر بیٹھ جاتے اور دعا کرتے رہتے کہ الٰہی میرے بچوں کی لاج رکھنا۔

سوال: کسی دانا کا کرکٹ کے بارے میں قول بتائیے۔

JOIN FOR MORE!!!

جواب: کرکٹ کے بارے میں دانا کا قول ہے کہ کرکٹ اب کھیل نہیں رہا، سائنس بن گیا ہے۔

سوال: اچھے کھیل کی کیا خوبی ہے؟

جواب: اچھے کھیل کی خوبی یہ ہے کہ اس میں سارا بدن استعمال ہو۔ ہاتھ پیر بھی چلیں اور باقی اعضا بھی استعمال میں ہوں۔

سوال: اس سبق میں کتنے کھیلوں کا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: اس سبق میں کرکٹ کے علاوہ بیس بال، ٹینس، ہاکی اور فٹ بال کا ذکر کیا گیا ہے۔

سوال: ”تماشے میں جان تماشائیوں کی تالی سے پڑتی ہے نہ کہ مداری کی ڈگڈگی سے۔“ اس اقتباس کو اپنے لفظوں میں تحریر کیجیے۔

جواب: اس اقتباس کا مطلب یہ ہے کہ کھیلنے والا جتنا بھی اچھا کھیل پیش کرلے، کھیل میں جان تماشائیوں کی تالیوں سے آتی ہے۔ تماشائیوں کے جوش کو دیکھ کر ہی کھلاڑی میں جوش پیدا ہوتا ہے۔

شعری اصطلاحات

JOIN
FOR
MORE!!!

شعری اصطلاحات

(۱) مصرع:

مصرعے کے لغوی معنی ہیں ''کواڑ''، یعنی دروازے کا ایک پٹ۔ شعر کی ایک سطر مصرع کہلاتی ہے۔ ایک شعر میں دو مصرعے ہوتے ہیں۔ دو پٹ مل کر ایک دروازہ بنتا ہے اسی طرح دو مصرعے مل کر ایک شعر بنتا ہے۔

مثال:

ع...... پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

ع...... گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں

ع...... بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ع...... شرم تم کو مگر نہیں آتی

JOIN FOR MORE!!!

(۲) شعر:

لفظ شعر ''شعور'' سے لیا گیا ہے۔ دراصل شعر وہ موزوں کلام ہے جو شاعر نے قصداً کیا ہو اور خیالات و جذبات کے اظہار کے لیے مناسب الفاظ سے آراستہ ہو۔ شعر دو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

(۳) ردیف:

ردیف کے لغوی معنی ہیں **گھڑ سوار کے پیچھے بیٹھنے والا۔**

شعری اصطلاح میں ردیف سے مراد وہ لفظ یا الفاظ کا مجموعہ ہے جو غزل یا نظم کے ہر شعر کے آخر میں قافیے کے بعد مکرر آئیں اور بالکل یکساں ہوں۔

مثال(۱):

ے جذبۂ شوق کدھر کو لیے جاتا ہے مجھے

پردۂ راز سے کیا تم نے پکارا ہے مجھے

اس شعر میں ''**ہے مجھے**'' ردیف ہے کیونکہ یہ قافیہ کے بعد دہرایا جا رہا ہے اور تبدیل نہیں ہو رہا۔

مثال(۲):

ے دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے

آخر اس درد کی دوا کیا ہے

اس شعر میں ''**کیا ہے**'' ردیف ہے۔

(۴) قافیہ:

قافیہ کے لغوی معنی ہیں **ہم آواز الفاظ**۔

شعری اصطلاح میں قافیے سے مراد وہ ہم آواز الفاظ ہیں جو غزل یا نظم کے ہر شعر کے آخر میں ردیف سے پہلے استعمال ہوں۔ غزل کے مطلع میں دونوں مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے اور باقی اشعار کے مصرعۂ ثانی میں قافیہ پایا جاتا ہے۔

مثال (۱):

؎ جذبۂ شوق کدھر کو لیے جاتا ہے مجھے
پردۂ راز سے کیا تم نے پکارا ہے مجھے

اس شعر میں **جاتا** اور **پکارا** قافیہ ہیں۔

مثال (۲):

؎ دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

JOIN FOR MORE!!!

اس شعر میں **ہوا** اور **دوا** قافیہ ہیں۔

(۵) صنعت تضاد:

اس صنعت کو صنعت تقابُل بھی کہتے ہیں۔ صنعت تضاد شاعری میں اس صفت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے ایک شعر میں دو یا دو سے زائد ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو اپنے مفہوم کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں تو یہ خوبی صفتِ تضاد کہلاتی ہے۔ مثلاً: زمین اور آسمان، اندھیرا اور اُجالا۔

مثال (۱):

؎ صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

اس شعر میں **صبح** اور **شام** متضاد الفاظ ہیں اس لئے اس شعر میں صنعت تضاد استعمال کی گئی ہے۔

مثال (۲):

؎ ایک سب آگ، ایک سب پانی
دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

اس شعر میں **آگ** اور **پانی** آپس میں متضاد الفاظ ہیں۔

(۶) مطلع:

مطلع لفظ طلوع سے تعلق رکھتا ہے جس کے لغوی معنی ہیں **"طلوع ہونے کی جگہ"**۔

شعری اصطلاح میں غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہا جاتا ہے۔ جس طرح سورج کے طلوع ہونے سے دن کا آغاز ہوتا ہے بالکل اسی طرح مطلع سے غزل کا آغاز ہوتا ہے۔ عام طور پر مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات غزل کے دوسرے شعر میں بھی یہی خوبیاں ہوتی ہیں، اسے **"حُسنِ مطلع"** کہتے ہیں۔

مثال(۱):

ے
ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے

مثال(۲):

ے
دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تری یاد تھی اب یاد آیا

(۷) مقطع:

مقطع کا لفظ قطع سے تعلق رکھتا ہے جس کے معنی توڑنا یا کاٹنا کے ہیں۔ مقطع کے لفظی معنی ہیں ''ختم ہونے کی جگہ''۔

شعری اصطلاح میں غزل کے آخری شعر کو مقطع کہا جاتا ہے۔ چونکہ مقطع پہ غزل کا اختتام ہوتا ہے اسی وجہ سے اسے مقطع کہا جاتا ہے۔ مقطع میں عام طور پر شاعر اپنا شعری نام بھی استعمال کرتا ہے جسے تخلص کہا جاتا ہے۔

مثال(۱):

JOIN FOR MORE!!!

ے
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

مثال(۲):

ے
وقت اچھا بھی آئے گا ناصرؔ
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

(۸) صفتِ تلمیح:

تلمیح کے لغوی معنی ہیں اِشارہ کرنا۔

شعری اصطلاح میں تلمیح سے مراد ہے کہ کلام کے دوران کسی واقعے کی طرف، کسی شخصیت کی طرف یا قرآنی آیت و حدیث کی طرف اشارہ کیا جائے۔ تلمیح کے استعمال سے شعر کے معنوں میں وُسعت اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ مطالعۂ شعر کے بعد پورا واقعہ قاری کے ذہن میں تازہ ہو جاتا ہے۔

مثال(۱):

ے
کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

اس شعر میں اُس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش کی تو اس خواہش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تجلی ظاہر کی جس کی تاب نہ لاتے ہوئے آپ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے اور کوہِ طور جل کر سیاہ ہو گیا۔

مثال(۲):

ے
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

مندرجہ بالا شعر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ بادشاہ نمرود آپ علیہ السلام کو آگ میں جلا دینے کی دھمکی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے آگے سجدہ کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنے کے بجائے آگ میں کود پڑتے ہیں اور یہ آگ آپ علیہ السلام کے لیے گلشن بن جاتی ہے۔

(۹) صفتِ مبالغہ:

مبالغہ کے لغوی معنی ہیں حد سے بڑھنا۔

شعری اصطلاح میں مبالغہ اس صفت کا نام ہے جس کے ذریعے کسی بات کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا جائے۔ اگر مبالغہ صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو شعر کا حسن نکھر جاتا ہے۔

مثال (۱):

ے مینھ تو بوچھار کا دیکھا ہے برستے تم نے؟
اسی انداز سے تھی اشک فشانی اس کی

اس شعر میں میرؔ نے آنسو بہانے کو بارش کے مماثل قرار دینے کے لئے مبالغہ استعمال کیا گیا ہے جو درحقیقت ناممکن ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

مثال (۲):

ے کل رات ہجرِ یار میں رویا میں اس قدر
چوتھے فلک پہ پہنچا تھا پانی کمر کمر

اس شعر میں شاعر نے آنسوؤں کے لئے مبالغہ استعمال کیا ہے اور ایسی بات بیان کی ہے جو حقیقتاً ممکن نہیں۔

(۱۰) تشبیہ:

تشبیہ کا تعلق لفظ مشابہت سے ہے جس کے معنی ہیں کسی خصوصیت میں ایک جیسا ہونا۔ اصطلاح میں تشبیہ سے مراد ہے کہ دو مختلف چیزوں کو کسی مشترکہ صفَت کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مانند قرار دیا جائے۔ اس سے کلام میں حسن، جدت اور نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔

ارکانِ تشبیہ:

اراکینِ تشبیہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ **مُشَبَّہ** : جس شے یا شخص کو تشبیہ دی جائے اسے ''**مُشَبَّہ**'' کہتے ہیں۔

۲۔ **مُشَبَّہ بِہٖ** : جس شے یا شخص سے تشبیہ دی جائے اسے ''**مُشَبَّہ بِہٖ**'' کہتے ہیں۔

۳۔ **حرفِ تشبیہ** : تشبیہ دینے کے لیے جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ ''**حرفِ تشبیہ**'' کہلاتا ہیں۔

۴۔ **وجہِ تشبیہ** : مشترک خوبی جو دونوں میں موجود ہو، یعنی جس کی وجہ سے تشبیہ دی جارہی ہو اسے ''**وجہِ تشبیہ یا وجہِ شبہ**'' کہتے ہیں۔

مثال (۱):

ے اُڈی آتی ہیں آج یوں آنکھیں
جیسے دریا کہیں مچلتے ہیں

مندرجہ بالا شعر میں آنسو کو دریا سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ارکان تشبیہ یہ ہیں۔

مشبہ: آنسو، مشبہ بہ: دریا، حرفِ تشبیہ: جیسے، وجہ تشبیہ: زیادتیِ بہاو۔

مثال(۲):

ے نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اِک گلاب کی سی ہے

اس شعر میں میرؔ محبوب کے ہونٹوں کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ ارکان تشبیہ یہ ہیں:

مشبّہ: محبوب کا لب، مشبّہ بہ: گلاب کی پنکھڑی،

حرفِ تشبیہ: کی سی، وجہ تشبیہ: نازکی/گلابی رنگت۔

(۱۱) استعارہ:

استعارہ کے لغوی معنی ہیں ادھار لینا۔ شعری اصطلاح میں استعارہ وہ صفت ہے جس کے تحت کسی لفظ کو اس کے حقیقی معنوں سے ہٹ کر کسی اور شے سے مشابہت کی وجہ سے اس کے مجازی معنوں میں استعمال کیا جائے۔ جیسے بچے کو چاند یا بہادر شخص کو شیر کہہ دینا۔

اجزائے استعارہ:

JOIN FOR MORE!!!

استعارہ کے اجزاء درج ذیل ہیں۔

۱۔ **مُستعار لہٗ** : وہ شخص یا چیز جس کے لیے کوئی لفظ مستعار (ادھار) لیا جائے۔

۲۔ **مُستعار منہٗ** : وہ شخص یا چیز جس سے مستعار (ادھار) لیا گیا ہو۔

۳۔ **وجہ استعارہ** : وہ مشترک خوبی جو **مستعار لہٗ** اور **مستعار منہ** دونوں میں پائی جاتی ہو۔

مثال(۱):

ے پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا
شاید کہ مرا حال اسے یاد نہ آیا

اس شعر میں صیاد اپنے حقیقی معنوں سے ہٹ کر استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد محبوب ہے، محبوب کے لیے صیاد کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس شعر کے اجزائے استعارہ یہ ہیں:

مستعار لہٗ: محبوب، مستعار منہ: صیاد، وجہ استعارہ: ظلم و ستم

مثال(۲):

ے مرے خورشید کہیں تو بھی اُٹھا اپنی نقاب
بہرِ نظارہ تڑپتی ہے نگاہِ بے تاب

اس شعر کے پہلے مصرعے میں استعارہ استعمال کیا گیا ہے اور محبوب کے لئے خورشید (سورج) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

تشبیہ اور استعارہ میں فرق:

تشبیہ اور استعارہ میں یوں فرق کیا جاسکتا ہے:

- استعارہ تشبیہ سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔
- تشبیہ میں ایک چیز کو دوسری جیسا قرار دیا جاتا ہے جبکہ استعارہ میں ایک چیز کو ہو بہو دوسری چیز مان لیا جاتا ہے۔

○ تشبیہ میں **مشبہ** اور **مشبہ بہ** دونوں کا ذکر ہوتا ہے جبکہ استعارہ میں **مستعارلہٗ** نہیں لکھا جاتا صرف **مستعارمنہٗ** کا ذکر ہوتا ہے۔

(۱۲) حسن تعلیل:

تعلیل کے لفظی معنی ہیں وجہ متعین کرنا یا وجہ بیان کرنا۔ تو حُسن تعلیل کا مطلب ہو گا اچھے انداز میں وجہ بیان کرنا۔

اصطلاح میں حسن تعلیل سے مراد یہ ہے کہ کسی بات کی ایسی وجہ بیان کی جائے جو کہ حقیقت میں اس کی وجہ نہ ہو۔ لیکن وہ غیر اصل وجہ اس خوبی سے بیان کی جائے وہ اصل وجہ کے مقابلے میں زیادہ دل کش اور پُر لطف معلوم ہو۔

مثال(۱):

ے پیاسی تھی جو سپاہِ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فُرات کی

ساحل سے موجوں کا ٹکرانا ایک فطری عمل ہے لیکن شاعر نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت امام حسینؓ کے جاں نثار مجاہد تین دن سے پیاسے تھے۔ ان کے غم اور اُن تک نہ پہنچنے کی شرم سے نہر فرات کی موجیں ساحل سے ٹکرا رہی ہیں۔

مثال(۲):

ے سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

اس شعر میں پھول نکلنے کی وجہ خوبصورت انسان کا زمین میں دفن ہونا بتایا گیا ہے جو کہ یقیناً خلافِ حقیقت ہے۔

(۱۳) صنعتِ تکرار:

تکرار یا تکریر ایسی صنعت کو کہتے ہیں جس میں ایک ہی لفظ کے بار بار استعمال سے شعر میں خوبی پیدا کی جائے۔

JOIN FOR MORE!!!

مثال(۱):

ے پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

مثال(۲):

ے چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر
اور اٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر

(۱۴) مراعاۃالنظیر:

مراعاۃ کے لفظی معنی ہیں رعایت رکھنا اور نظیر کے لفظی معنی ہیں مثل یا مماثل۔

شعری اصطلاح میں کلام میں ایک لفظ کی مناسبت سے دیگر الفاظ کا ذکر کرنا مراعاۃ النظیر کہلاتا ہے۔ جیسے باغ کی مناسبت سے پھول، کانٹے اور پتے وغیرہ کا ذکر کرنا، یا زندان یعنی جیل کی مناسبت سے زنجیر، قید اور داروغہ وغیرہ کا ذکر کرنا۔

مثال(۱):

ے پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اس مثال میں باغ کی مناسبت سے پتا، بوٹا اور گل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

مثال(۲):

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تُو، کھیتی بھی تُو، باراں بھی تُو، حاصل بھی تُو

اس مثال میں دہقان یعنی کسان کی مناسبت سے دانہ، کھیتی، باراں وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

(۱۵) کنایہ:

کنایہ کہ لفظی معنی ہیں ''اشارہ یا چھپی ہوئی بات''۔

اصطلاح میں اس سے مراد وہ کلمہ ہے جس کے معنی مبہم اور پوشیدہ ہوں اور ان کا سمجھنا کسی قرینے کا محتاج ہو اور اپنے حقیقی معانی کے بجائے مجازی معنی میں اس طرح استعمال ہوا ہو کہ اس کے حقیقی معنی بھی مراد لیے جا سکتے ہیں یعنی بولنے والا ایک لفظ بول کر اس کے مجازی معنی کی طرف اشارہ کر دیتا ہے اور اس کی مراد بھی ان ہی مجازی معنوں سے ہوتی ہے، تاہم اگر حقیقی معنی بھی مراد لیے جائیں، تو بھی صحیح ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

مثال(۱):

چاک پردے سے یہ غمزے ہیں تو اے پردہ نشیں!
ایک میں کیا کہ سبھی چاک گریباں ہوں گے

اس مثال میں ''چاک گریباں'' سے مراد عاشق ہے، اس کے ساتھ ساتھ اگر اس سے مراد واقعی گریبان کا چاک ہونا بھی لیا جائے تو وہ بھی درست ہے۔

مثال(۲):

صبح آیا نظر جانبِ مشرق نظر
اک نگارِ آتشیں رُخ، سر کھلا

اس شعر میں ''نگارِ آتشیں رخ'' سے مراد محبوب کا چہرہ ہے، لیکن اگر اس سے مراد سورج بھی لیا جائے تو درست ہوگا اس لیے کہ اس میں یہ صفات موجود ہیں۔ صبح کو جانبِ مشرق نظر آنا، نگار یعنی محبوب کی طرح خوب صورت ہونا، آتشیں رُخ یعنی چہرے کا سرخ اور گرم ہونا اور سر کھلا یعنی سر جیسا گول اور کھلا ہونا۔

کنایہ اور مجاز میں فرق:

کنایہ اور مجاز میں دو فرق ہیں۔

(۱) پہلا یہ کہ کنایہ میں حقیقی اور مجازی دونوں معانی مراد لیے جا سکتے ہیں جب کہ مجاز میں صرف مجازی معنی مراد ہوتے ہیں حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے۔ (۲) دوسرا یہ کہ مجاز میں حقیقی اور مجازی معانی میں کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے جب کہ کنایہ میں دونوں معانی میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(۱۶)مجازِ مرسَل:

مجاز کے لفظی معنی ہیں ''گزرنے کی جگہ''اور مرسَل ''قاصد'' کو کہتے ہیں۔

اصطلاح میں یہ وہ لفظ ہے جو اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو، اور حقیقی اور مجازی معنوں میں آپس میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو۔ مثلاً ''الحمد'' پڑھنے سے مراد پوری سورۂ فاتحہ ہے۔ بادل برسنے سے مراد بارش ہے، دریا بہنے سے مراد صرف پانی بہنا ہے وغیرہ۔

مثال(۱):

رنگ پیراہن کا، خوشبو زلف لہرانے کا نام
موسمِ گل ہے تمھارے بام پر آنے کا نام

اس مثال میں ''موسمِ گل'' کی ترکیب میں گل سے پورا موسمِ بہار مراد ہے۔

مثال(۲):

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زُباں میں اثر کہاں

اس شعر میں زباں سے گفتگو اور بات چیت مراد ہے۔

استعارہ اور مجازِ مرسَل میں فرق:

استعارہ اور مجاز مرسَل دونوں میں ہی لفظ اپنے حقیقی معنی کے بجائے اپنے مجازی معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ استعارہ میں حقیقی معنی اور مجازی معنی میں تشبیہ کا تعلق ہوتا ہے جبکہ مجازِ مرسَل میں حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی دوسرا تعلق ہوتا ہے۔ جیسے کل بول کر جز مراد لینا، جز بول کر کل مراد لینا، سبب بول کر مسبب مراد لینا وغیرہ۔

JOIN FOR MORE!!!

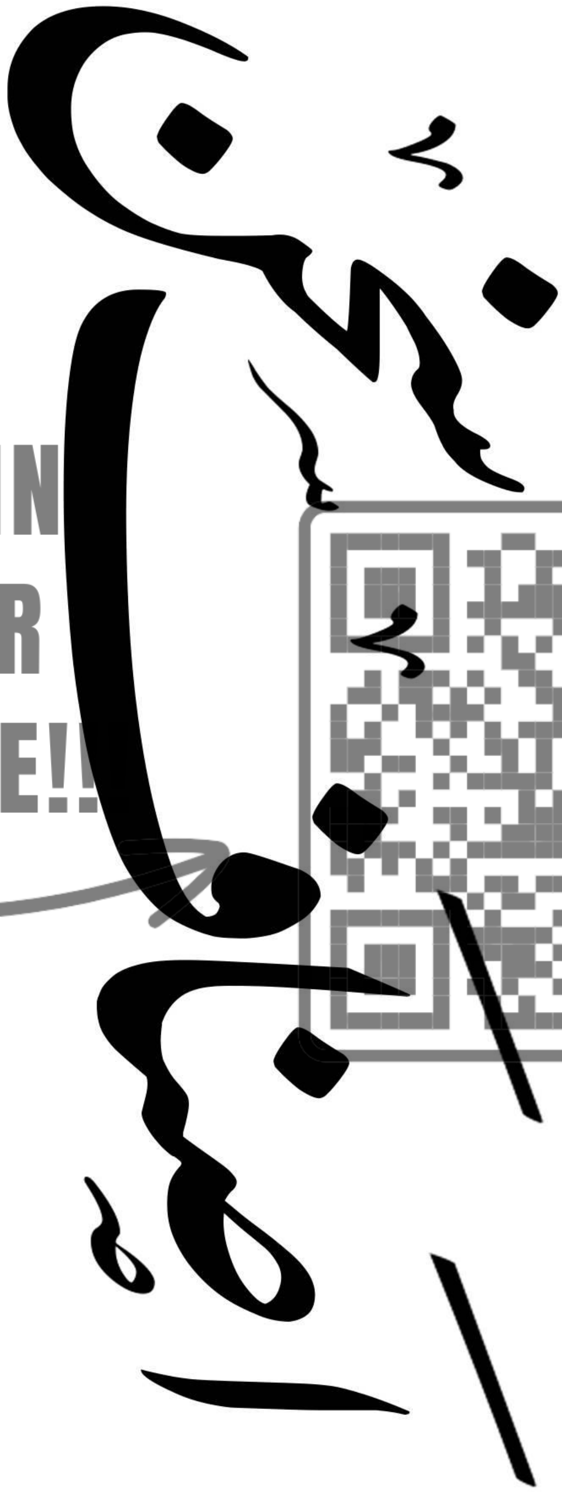

JOIN
FOR
MORE!!

اصنافِ سخن

JOIN FOR MORE!!!

(۱) مضمون:

کسی موضوع کو دلیلوں، مثالوں اور حوالوں سے تشریح و توضیح کے ساتھ مناسب ترتیب اور موزوں الفاظ میں پیش کرنا مضمون کہلاتا ہے۔ مضمون کئی طرح کے ہو سکتے ہیں، جیسے کہ ادبی مضامین، اخلاقی مضامین اور تاریخی مضامین وغیرہ۔

مضمون کی اقسام:

نفس مضمون کے لحاظ سے مضمون کی تین اقسام ہو سکتی ہیں:

۱۔ بیانیہ: سوانح، تاریخی واقعات، حادثات وغیرہ۔
۲۔ فکریہ: فکری اور استدلالی موضوعات، اخلاقیات، مباحثے وغیرہ۔
۳۔ تعریفیہ: کسی جگہ یا چیز یا مناظر قدرت سے متعلق۔

مضمون کے مدارج:

مضمون ہمیشہ تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

۱۔ تمہید: مضمون کی تمہید نہایت مختصر اور جامع ہونی چاہیے۔
۲۔ نفس مضمون: اس حصے کو تمام مضمون میں مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔
۳۔ نتیجہ: اختتامیہ نہایت موثر اور دل پذیر ہونا چاہیے۔

(۲) ناول:

ناول اطالوی زبان کے لفظ ''Novella'' سے نکلا ہے۔ اردو میں ناول انگریزی کے وسیلے سے آیا ہے۔ اس کے معنی نیا اور عجیب کے ہیں۔ لیکن صنف ادب میں ناول ان قصوں کو کہا جاتا ہے جن میں ''داستان'' کی طرح فرضی اور مافوق الفطرت واقعات پیش کرنے کے بجائے انسانی زندگی میں روزانہ پیش آنے والے معاملات اور واقعات کو دلچسپ انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ ناول کی اگر جامع تعریف کی جائے تو وہ کچھ یوں ہو گی کہ:

''ناول ایک نثری قصہ ہے جس میں پوری ایک زندگی بیان کی جاتی ہے۔''

ناول کے عناصرِ ترکیبی میں کہانی، پلاٹ، کردار، مکالمے، زماں و مکاں، اسلوب، نکتۂ نظر اور موضوع وغیرہ شامل ہیں۔ اردو نثر کو ناول نگاری سے روشناس کرانے کا سہرا ڈپٹی نذیر احمد کے سر ہے جنھوں نے ''مراۃ العروس، توبۃ النصوح، ابن الوقت اور فسانہ مبتلا'' جیسے اصلاحی ناول لکھے۔

اجزائے ترکیبی:

۱۔کہانی ۲۔پلاٹ ۳۔کردار ۴۔مکالمے ۵۔پس منظر

۶۔اسلوب ۷۔نقطۂ نگاہ

(۳)داستان:

داستان اردو افسانوی ادب کی قدیم ترین صنف ہے۔داستان بنیادی طور پر سننے سنانے یعنی بیان کا فن ہے۔اس کے موضوعات میں عشق اہم ترین موضوع ہے۔داستانیں تحریری شکل میں آنے سے قبل سنائی جاتی تھیں۔داستان گوئی کی گزشتہ صدیوں میں محفلیں آراستہ ہوتی تھیں۔داستان گو داستان بیان کرتا تھا۔داستان اس ماحول کی پیداوار ہے جہاں لوگوں کے پاس فرصت اور اطمینان کی افراط تھی،لوگ غمِ روزگار سے بے نیاز تھے،فکرِ آخرت سے آزاد تھے۔اس لیے اپنی تفریح کا سامان داستانوں سے فراہم کرتے تھے۔داستان گو واقعات کو اپنے تخیلات سے اس حد تک دل چسپ بنا دیتے تھے کہ سامعین حیرت واستعجاب کے فضا میں غرق ہو جاتے تھے۔داستان اور داستان گو کی کامیابی اس میں تھی کہ وہ سامعین کی دل چسپی اور توجہ کو قائم رکھے،وہ داستان میں ایسے ناقابلِ یقین واقعات کو شامل کرتا تھا جو سامعین کے عالمِ خیال میں بھی نہ آئے ہوں۔قصہ میں حسن وعشق کی خوش نمائیوں،خیر وشر کی لڑائیوں اور مافوق الفطرت عناصر کو شامل کر کے حیرت واستعجاب کی فضا پیدا کر کے پیش کرنے کا نام داستان ہے۔

عناصرِ ترکیبی:

۱۔طوالت ۲۔پلاٹ ۳۔کردار نگاری ۴۔مافوق الفطرت عناصر

۵۔منظر نگاری ۶۔اسلوب

داستان اور ناول میں فرق:

داستان اور ناول میں درج ذیل طریقوں سے فرق کیا جا سکتا ہے:

۱۔ناول بہت زیادہ پیچیدگیوں کو پیش کرتا ہے جب کہ داستان سادہ اور جامع ہوتی ہے۔

۲۔ناول کا مقصد تفریحِ طبع ہے جب کہ داستان ایک تعلیم کو منتقل کرنے پر مرکوز ہے۔

۳۔ناول پڑھنے کے لیے اور داستان سنانے کے لیے لکھی جاتی ہے۔

۴۔ناول انگریزی صنف ہے جو اردو میں داستان کے بعد رائج ہوئی ہے جب کہ داستان کو اردو نثر کی اولین صنف کہا جاتا ہے۔

(۴)کالم:

کالم یا کالم نویسی فرانسیسی لفظColumnaاور لاطینی زبان کے لفظ Colomneسے ماخوذ ہے۔جس کے معنی ''کھمبا یا ستون'' کے ہیں۔اخبار نویسی کے اس فن کی ابتدا جنگ اول کے آخری وقتوں میں ہوئی۔کالم اخباری زبان کی قدروں کی شناخت کرتا ہے۔جتنی اچھی خبر ہو گی اتنا ہی کالم اچھا ہو گا۔کالم نویس کسی واقعے،حادثے وغیرہ کو اپنی علمی استعداد اور مشاہدے کے ذریعے کالم میں زیرِ تحریر لاتا ہے۔ماضی کے مشہور کالم نگاروں میں چراغ حسن حسرتؔ،عبدالمجید سالک،نصر اللہ خان،وقار انبالوی،ابراہیم جلیس اور شوکت تھانوی قابلِ ذکر ہیں۔

کالم نگاری کی اقسام:

ویسے تو کالم نگاری کی کئی اقسام ہیں۔لیکن بنیادی یہی ہیں۔جن سے اور قسمیں بنتی ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

۱۔ فکاہیہ کالم (مزاحیہ انداز) ۲۔ سنجیدہ کالم ۳۔ اقتباسی کالم
۴۔ علامتی کالم

(۵) انشائیہ:

مضمون کا ایک ایسا ہلکا پھلکا انداز جس میں بے ساختہ بے تکلفانہ کسی موضوع پر اظہار خیال کیا جائے تو اسے انشائیہ قرار دیا جاتا ہے۔ انشائیہ کے لیے انگریزی میں Essay کا لفظ رائج ہے۔ انشائیہ میں مضمون کی خصوصیات نہیں ہوتیں بلکہ انشائیہ نگار اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کو ہلکے پھلکے اور شگفتہ انداز میں اپنی تحریر کا موضوع بناتا ہے جس کی وجہ سے مضمون اور انشائیہ میں موجود فرق کو محسوس کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ محمد حسین آزاد کو بعض محققین پہلا انشائیہ نگار تسلیم کرتے ہیں جن کے انشائیوں کا مجموعہ ''نیرنگ خیال'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے لیکن بعض کا خیال ہے کہ انگلستان کے سفر کے بعد سرسید احمد خاں کی تحریروں سے اس صنف کا باقاعدہ آغاز ہوا جس کا مطالعہ انہوں نے لندن کے اخبارات اور انگریزی رسالوں میں کیا تھا۔ رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' میں سرسید کے ایسے بے شمار مضامین ہیں جن میں بے تکلفی، بے ساختہ پن اور فکر کی گہرائی موجود ہیں۔ مضامین سرسید کے نام سے سرسید کے انشائیے شائع ہو چکے ہیں۔ سرسید کے بعد نذیر ناصر، فراق دہلوی، خواجہ حسن نظامی اور دوسرے قلم کاروں نے انشائیہ کی صنف میں مزید اضافے کیے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

(۶) خاکہ:

انگریزی ادب میں خاکہ کے لیے Sketch کا لفظ مروّج ہے۔ خاکہ کے معنی کچا نقشہ، ڈھانچہ یا لکیروں کی مدد سے بنائی ہوئی تصویر کے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں خاکہ سے مراد وہ تحریر ہے جس میں نہایت مختصر طور پر اشارے کنائے میں کسی شخصیت کا ناک نقشہ عادات واطوار اور کردار کو سیدھے سادے انداز میں مبالغے کے بغیر اس طرح پیش کیا جائے کہ اس کی چلتی پھرتی تصویر سامنے آجائے اور اس کے افکار و خیالات بھی اُبھر کر سامنے آجائیں۔ خاکہ در حقیقت ایک مضمون کی حیثیت رکھتا ہے۔ خاکہ میں کسی ایک شخصیت کی زندگی کے اہم نکات کی دل چسپ انداز میں نشاندہی کی جاتی ہے۔ خاکہ نگاری میں طویل سوانح سے زیادہ دل چسپ مواد پیش ہوتا ہے اور ویسے بھی اختصار نویسی کے اس دور میں خاکے کو سوانح پر ترجیح دی گئی ہے۔ خاکہ نگار شخصیت کی مرقع کاری کا کام انجام دیتا ہے۔ خاکہ میں شخصیت کے منفی اور مثبت دونوں رویوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

محمد حسین آزاد کی مشہور کتاب ''آب حیات'' میں خاکہ کے ابتدائی نقوش پائے جاتے ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کی ''ڈپٹی نذیر احمد کی کہانی: کچھ ان کی کچھ میری زبانی'' کو اردو کی پہلی طویل خاکہ نگاری کی کتاب قرار دیا گیا ہے۔ مولوی عبدالحق کی تصنیف ''چند ہم عصر'' اردو میں خاکہ نگاری کے اولین نمونوں میں سے ہے۔ رشید احمد صدیقی نے ''گنج ہائے گراں مایہ''، شاہد احمد دہلوی نے ''دلّی کی اہم شخصیتیں''، اشرف صبوحی نے ''دلّی کی عجیب وغریب شخصیتیں'' لکھ کر خاکہ نگاری کو فروغ دیا۔

(۷) طنز و مزاح:

طنز سے مراد طعنہ، ٹھٹھہ، تمسخر یا رمز کے ساتھ بات کرنا ہے جب کہ مزاح سے خوش طبعی، مذاق یا ظرافت مراد لیا جاتا ہے۔ عام طور پر ''طنز'' اور ''مزاح'' کے الفاظ کو ملا کر بطور ایک مرکب کے استعمال کیا جاتا ہے مگر یہ دو مختلف المعانی الفاظ ہیں۔ مزاح کے لفظی معنی ہنسی مذاق، جب کہ طنز کے معنی طعنہ یا چھیڑ کے ہیں۔ دونوں کی اپنی اپنی حدود ہیں لیکن اس کے باوجود اکثر ایک دوسرے کے متوازی بھی چل رہے ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو ان کی سرحدیں ایک دوسرے سے ایسے ملی ہوتی ہیں کہ ان کو الگ کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ طنز ایک طرح کی تنقید ہے۔ ادب میں طنز کی اہمیت اس کی مقصدیت کے باعث ہے، اسی لیے اس کی تلخی گوارا کر لی جاتی ہے۔ مقصد کے بغیر طنز و

مزاح کی تخلیق ممکن نہیں۔

طنز ومزاح میں فرق:

طنز اور مزاح میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ ایک مزاح نگار مزاح کا حصہ بن کر اس سے محظوظ ہو رہا ہوتا ہے، جب کہ طنز نگار سارے ماحول سے الگ تھلگ ہو کر اور اپنے آپ کو بچا کر چوٹ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ طنز میں ایک گونہ جارحیت اور ایذار سانی کا عنصر موجود ہوتا ہے اور مزاح میں انسان دوستی کا شائبہ پایا جاتا ہے۔

(۸) تمثیل:

تمثیل سے ایسا انداز تحریر مراد ہے جس میں تشبیہات واستعارات سے کام لیا جاتا ہے۔ اس میں موضوع پر براہ راست بحث کرنے کی بجائے اسے تخیلاتی اور تصوراتی کرداروں، روزمرہ کے مسائل حیات اور انسان کے عقائد و تجربات سے ہوتا ہے۔ عموماً اسے کسی خاص روحانی یا اخلاقی مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور انسان کے اخلاق وجذبات کا تزکیہ واصلاح کا سامان فراہم کیا جاتا ہے۔

مولانا محمد حسین آزادؔ نے اردو نثر میں تمثیل نگاری کا آغاز اس وقت کیا جب اس قسم کے طرز تحریر سے اکتا کر ادیب آگے بڑھ چکے تھے اور اس کی جگہ سادگی اور حقیقت نگاری نے لے لی تھی۔ ویسے تو آزادؔ کی کوئی بھی تصنیف تمثیل نگاری کے تخیل افروز اسلوب سے خالی نہیں، لیکن ان کی جو اس طرز خاص کی نمائندہ تحریر کہی جاسکتی ہے وہ ''نیرنگ خیال'' ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(۹) حمد:

حمد ایک عربی لفظ ہے، جس کے معنی ''تعریف کرنے'' کے ہیں۔ اصطلاح میں حمد اس نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ کی صفات اور عظمت وقدرت کا بیان ہوتا ہے اور اس کی ہمہ پہلو تعریف کی جاتی ہے۔ خدا کی حمد وثنا اسی قدر مختلف ومتنوع ہے جس قدر یہ کائنات وسیع ہے۔ حمد باری تعالیٰ کے لیے کوئی خاص وزن یا بحر مقرر نہیں، یہ کسی بھی وزن میں بیان کی جاسکتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ:

- تعریف رسمی نہ ہو بلکہ عشق خداوندی میں ڈوب کر کی جائے۔
- الفاظ پاکیزہ اور شستہ ہوں۔
- ادب واحترام کا خاص لحاظ رکھا جائے۔
- حمد وثنا کے ساتھ ساتھ خیر وعافیت مانگی جائے۔

حمد اردو شاعری کی قدیم ترین صنف ہے۔ حمد باری تعالیٰ ہر زبان اور ہر مذہب میں پائی جاتی ہے۔

(۱۰) نعت:

نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی تعریف بیان کرنے کے ہیں۔

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت، تعریف و توصیف، شمائل و خصائص کے نظمی اندازِ بیاں کو نعت یا نعت خوانی یا نعت گوئی کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں نعت کے لیے لفظ ''مدحِ رسول'' استعمال ہوتا ہے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں بہت سے صحابہ کرام نے نعتیں لکھیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔ نعت لکھنے والے کو نعت گو شاعر جبکہ نعت پڑھنے والے کو نعت خواں یا ثناخواں کہا جاتا ہے۔ حمد کی طرح نعت کی بھی کوئی خاص ہیئت مقرر نہیں ہے البتہ نعت گو شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ درج ذیل باتوں کا خاص خیال رکھے:

- تعریف رسمی نہ ہو بلکہ عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر کی جائے۔

- الفاظ پاکیزہ اور شستہ ہوں۔
- ادب واحترام کا خاص لحاظ رکھا جائے۔
- غلو سے کام نہ لیا جائے۔

نعت بھی اردو شاعری کی قدیم ترین صنف ہے۔ تقریباً تمام شعرا نے مدحت رسول ﷺ بیان کی ہے۔ مولانا ظفر علی خان کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جنھیں "نعت گو شاعر" کہا جاتا ہے۔

(۱۱) غزل:

غزل عربی زبان کا لفظ ہے اور غزال سے نکلا ہے۔ غزال ہرن کو کہتے ہیں۔ غزل اس آواز کو کہا جاتا ہے جو ہرن کے گلے سے اس وقت نکلتی ہے جب وہ شیر کے خوف سے بھاگ رہی ہوتی ہے۔ قدیم زمانے میں عورتوں سے باتیں کرنے کو غزل کہا جاتا تھا۔

اصطلاحِ شاعری میں غزل سے مراد وہ صنفِ نظم ہے جس کا ہر ایک شعر الگ مضمون کا حامل ہو اور اس میں عشق و عاشقی کی باتیں بیان ہوئی ہوں خواہ وہ عشق حقیقی ہو یا عشق مجازی۔ لیکن آج کل غزل میں عشق و عاشقی کے علاوہ دنیا کا کوئی بھی موضوع زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ اس کا آغاز فارسی زبان سے ہوتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں اس کے عربی زبان سے تعلق سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ عربی صنف قصیدہ میں موجود تشبیب سے ہی غزل کی ابتدا ہوئی۔

JOIN FOR MORE!!!

غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف یا صرف ہم قافیہ ہوتے ہیں اور باقی اشعار میں سے دوسرا مصرع قافیہ میں پہلے شعر کی پابندی کرتا ہے۔ آخری شعر میں عام طور پر شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، اسے مقطع کہا جاتا ہے۔ غزل کے اشعار میں موضوع کے حوالے سے کوئی ربط نہیں ہوتا اور ہر شعر کا موضوع اور مضمون الگ الگ ہوتا ہے۔

(۱۲) نظم:

نظم ایک نہایت بسیط و وسیع اصطلاح ہے۔ اس کے لغوی معنی "موتی پرونا، آراستہ کرنا" وغیرہ ہیں۔

اصطلاحاً نظم ایسی صنفِ سخن ہے جو کسی بھی موضوع کو تسلسل سے بیان کرتی ہے جس میں موضوع یا عنوان کی تفصیل ہوتی ہے۔ یہ کسی خاص موضوع پر لکھی جاتی ہے۔

اس لحاظ سے نظم کا میدان غزل سے زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ غزل کا ایک شعر ایک ہی جذبہ کو بیان کرتا ہے مگر نظم میں موضوع کی پوری وضاحت ہوتی ہے۔ نظم وہ صنفِ سخن ہے جس کی مثالیں دکن کے پہلے صاحبِ کلیات شاعر قلی قطب شاہ سے لے کر عہد جدید تک کثرت سے ملتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے جدید نظم نگاری کی ابتدا کی لیکن اس کو ترقی اور استحکام محمد حسین آزاد، حالی، اسماعیل میرٹھی وغیرہ کے ہاتھوں ملا۔

نظم کی اقسام:

ہیئت کے اعتبار سے نظم کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ پابند نظم: ایسی نظم جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترتیب میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہو۔

۲۔ نظم معرّا: ایسی نظم جس کے تمام مصرعے برابر ہوں مگر اس میں قافیے کی پابندی نہ ہو۔

۳۔ آزاد نظم: ایسی نظم جس کے تمام مصرعوں کا وزن ایک نہ ہو۔ نظم کے مختلف مصرعے چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان میں بحر عام طور پر ایک ہوتی ہے۔ مصرعوں میں ارکان کی تعداد کم زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

۴۔ نثری نظم: نثری نظم میں ردیف، قافیے اور وزن کی پابندی نہیں ہوتی۔ یہ چھوٹی بڑی نثری سطروں پر مشتمل ہوتی ہے۔

مشہور نظمیں:

اردو میں بہت سی نظمیں مشہور ہیں لیکن مندرجہ ذیل نظمیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

- آدمی نامہ، ہنس نامہ (نظیرؔ اکبر آبادی)
- شکوہ، جواب شکوہ (ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؔ)
- مسدس مدو جزرِ اسلام (الطاف حسین حالیؔ)
- شاہنامہٗ اسلام (حفیظؔ جالندھری)

(۱۳) مُسمَّط:

مسمط عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی ہیں، موتیوں کو لڑیوں میں پرونا، موتیوں کی لڑی۔

اصطلاح میں اس سے مراد وہ نظم ہے جس کا ہر بند ایک مقررہ تعداد کے مصرعوں پر مشتمل ہو۔ ایک بند میں مصرعوں کی تعداد تین سے لے کر دس تک ہو سکتی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

اس طرح مصرعوں کی گنتی کے لحاظ سے مسمط کی آٹھ قسمیں بنتی ہیں:

۱۔ مثلث: اگر ہر بند میں تین مصرعے ہوں۔
۲۔ مربع: اگر ہر بند میں چار مصرعے ہوں۔
۳۔ مخمس: اگر ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں۔
۴۔ مسدس: اگر ہر بند میں چھ مصرعے ہوں۔
۵۔ مسبع: اگر ہر بند میں سات مصرعے ہوں۔
۶۔ مثمن: اگر ہر بند میں آٹھ مصرعے ہوں۔
۷۔ متسّع: اگر ہر بند میں نو مصرعے ہوں۔
۸۔ معشّر: اگر ہر بند میں دس مصرعے ہوں۔

(۱۴) منقبت:

منقبت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی تعریف، توصیف، صفَت و ثنا، خاندانی فضیلت و برتری، ہنر یا بڑائی کے ہیں، منقبت کی جمع ''مناقب'' ہے۔ اصطلاح میں منقبت سے مراد ایسی نظم ہے جس میں صحابہ کرامؓ، اولیاے عظام اور بزرگانِ دین کے اوصاف بیان کیے جائیں۔

قدیم اُردو شاعری کی روایت رہی ہے کہ خدا اور رسولؐ کے بعد صحابہ کرام کی شان و فضیلت اور نیکوکاروں کی سیرت و عظمت کے مضامین بیان کیے جاتے تھے۔ اُردو زبان کے قدیم شعرا میں سب سے مقدم سلطان قلی قطب شاہ کے کلام میں حمد و نعت کے بعد منقبت کا کافی حصہ شامل ہے۔ بعد ازاں سوداؔ اور میرؔ نے تواتر کے ساتھ مذہبی جوش میں لبریز ہو کر منقبت میں متعدد قصائد لکھے ہیں۔ منقبت لکھنے والوں میں نظیرؔ آبادی، میر انیسؔ، مرزا دبیرؔ، مرزا غالبؔ، امیرؔ مینائی، احمد رضا بریلوی، محسنؔ کاکوری اور جعفرؔ بلوچ کے نام شامل ہیں۔

(۱۵) ثلاثی:

ثلاثی اردو شاعری کی وہ صنف ہے جس میں تین مصرعے ہوتے ہیں اور یہی تین مصرعے پوری نظم کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس صنف میں بحر و قافیہ کی قید نہیں ہوتی۔ کسی بھی بحر و قافیہ میں ثلاثی لکھی جاسکتی ہے۔ جدید دور میں جاپانی صنفِ شعر ہائیکو ثلاثی کی قریبی شکل ہے۔

(۱۶) ہائیکو:

یہ ایک قدیم جاپانی صنف ہے۔ یہ تین سطروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ہائیکو کا پہلا اور تیسرا مصرع ہم وزن ہوتے ہیں اور درمیانی مصرع نسبۃً طویل ہوتا ہے۔اس کی بناوٹ پانچ، سات اور پانچ صورتی ارکان (Syllabes) کے وزن پر قائم ہوتی ہے۔ ہائیکو کی خوبی اختصار اور کفایت لفظی ہے۔

(۱۷) گیت:

لغت میں گیت سے مراد ''راگ''، ''سرور'' اور ''نغمہ'' کے ہیں۔اس لیے گیت کو گانے کی چیز سمجھا جاتا ہے۔اس کا موسیقی سے بہت گہرا تعلق ہے۔اس میں سُر اور تال کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

یہ ایسی صنعتِ شعر ہے جس میں ایک عورت، مرد کو مخاطب کرکے اظہارِ محبت کرتی ہے۔ گیت میں جذبات اور احساسات خصوصاً ہجر اور فراق کی کیفیت بڑے والہانہ انداز سے لکھی جاتی ہے۔ بعض گیتوں میں محبت کا اظہار مرد کی طرف سے بھی ہوتا ہے۔ مگر گیت کا بنیادی مزاج یہی ہے کہ وہ محبت میں مبتلا ایک عورت کے دل کی پکار ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

☆......☆......☆

JOIN
FOR
MORE!!!

گرامر کی اصطلاحات

لفظ کی اقسام:

لفظ کی دو قسمیں ہیں۔

کلمہ　　　مہمل

کلمہ کی تعریف:

ایسا لفظ جو اپنے اندر مخصوص مفہوم و معنی رکھتا ہو، اسے ''کلمہ'' کہتے ہیں۔ جیسے: گھر، کرسی وغیرہ۔

مہمل کی تعریف:

ایسا لفظ جو بولنے میں تو آتا ہو لیکن اس کا کوئی معنی نہ ہو، اسے ''مہمل'' کہتے ہیں۔ جیسے: وانی، شائے، ووٹی۔

JOIN FOR MORE!!!

کلمہ کی اقسام:

کلمہ کی تین اقسام ہیں:

اسم　　　فعل　　　حرف

اسم کی تعریف:

اسم وہ کلمہ ہے جو کسی شخص، کسی جگہ یا کسی چیز وغیرہ کا نام ہو اور تنہا اپنی معنی دے، لیکن اس میں کوئی زمانہ نہ پایا جائے۔ جیسے: علی، لاہور، کتاب وغیرہ۔

فعل کی تعریف:

فعل وہ کلمہ ہے جس میں کسی خاص زمانے میں کسی کام کا کرنا یا ہونا پایا جائے اور تنہا اپنی معنی دے۔ جیسے: پڑھا، لکھتا ہے، کھائے گا وغیرہ۔

حرف کی تعریف:

حرف وہ کلمہ ہے جو تنہا کچھ معنی نہ دے بلکہ دوسرے کلمات کے ساتھ مل کر اپنا معنی دے۔ جیسے: کو، سے، پر وغیرہ۔

بناوٹ کے لحاظ سے اسم کی اقسام

بناوٹ کے لحاظ سے اس کی تین اقسام ہیں:

۱۔اسم مصدر ۲۔اسم مشتق ۳۔اسم جامد

۱۔اسم مصدر کی تعریف:

مصدر کے لفظی معنی ''نکلنے کی جگہ'' کے ہیں۔اسم مصدر وہ اسم ہے جو خود تو کسی اسم سے نہ بنا ہو مگر اس سے آگے دوسرے اسم بنائے جائیں۔ جیسے: جانا، رونا، گانا وغیرہ۔

۲۔اسم مشتق کی تعریف:

مشتق، شقّ سے نکلا ہے جس کے معنی ''ٹوٹنے'' کے ہیں۔اسم مشتق وہ اسم ہے جو کسی مصدر سے نکالا گیا ہو۔ جیسے: کھانا(مصدر) سے کھاؤ(مشتق)، جانا(مصدر) سے گیا(مشتق)، رونا(مصدر) سے رونے والا(مشتق) وغیرہ۔

۳۔اسم جامد کی تعریف:

جامد، جُمود سے نکلا ہے جس کے معنی ''سخت، ٹھوس یا جما ہوا'' کے ہیں۔اسم جامد وہ اسم ہے جو نہ خود کسی اسم سے بنا ہو اور نہ اس سے کوئی اسم بن سکے۔ جیسے: چاندی، کرسی، پہاڑ وغیرہ۔

JOIN FOR MORE!!!

اسم مصدر کی اقسام:

بناوٹ کے لحاظ سے اسم مصدر کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ مفرد مصدر ۲۔ مرکب مصدر

۱۔ مفرد مصدر:

وہ واحد اسم جو صرف مصدر ہی کے معنی میں استعمال ہو۔ جیسے: آنا، جانا، رونا، لینا وغیرہ۔اس کو ''مصدرِ اصلی'' بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ مرکب مصدر:

وہ اسم جو کسی مصدر کے شروع میں کوئی دوسرا لفظ لگا کر بنایا جائے۔ جیسے: کہانی پڑھنا، سچ لکھنا، ٹھوکر کھانا وغیرہ۔اس کو ''مصدرِ جعلی'' بھی کہا جاتا ہے۔

متعلق فعل:

وہ تمام الفاظ جو فعل کے معنوں کی وضاحت کرتے ہیں یا فعل کی مختلف کیفیات کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، متعلق فعل کہلاتے ہیں۔ جیسے: خالد اچانک کراچی چلا گیا۔ زاہد خوب پڑھائی کرتا ہے۔ان جملوں میں ''اچانک اور خوب'' فعل کی وضاحت کر رہے ہیں لہٰذا یہ متعلق فعل کہلائیں گے۔ متعلق فعل کو ''تمیز'' بھی کہا جاتا ہے۔

معاون/امدادی فعل:

وہ فعل جو اصل فعل کے ساتھ آ کر فعل کے معنی میں زور یا کلام میں کوئی خوبی پیدا کرتا ہے اسے امدادی فعل کہتے ہیں۔جب کسی جملے میں دو فعل استعمال ہوں تو ان میں دوسرا فعل امدادی فعل ہوتا ہے۔ جیسے مار ڈالنا، کھا لینا وغیرہ۔ مثلاً اگر یوں کہا جائے کہ ''علی رات کو دیر تک پڑھتا رہتا ہے''، اس میں پڑھنا اور رہنا دو افعال ہیں؛ پہلا اصلی اور دوسرا امدادی فعل ہے۔اسے ''فعلِ معاون'' بھی کہتے ہیں۔

مرکب اور اس کی اقسام

الفاظ کے مجموعے کو مرکب کہتے ہیں۔ مرکب کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ مرکب تام ۲۔ مرکب ناقص

مرکب تام:

مرکب تام وہ مرکب ہے جس سے سننے والے کو پورا مطلب سمجھ میں آجائے۔ اسے جملہ بھی کہتے ہیں۔ جیسے: علی روزانہ اسکول جاتا ہے۔

مرکب ناقص:

مرکب تام وہ مرکب ہے جس سے سننے والے کو پورا مطلب سمجھ میں نہ آئے۔ جیسے: علی کی کتاب۔

مرکب ناقص کی اقسام:

مرکب ناقص کی بہت سی اقسام ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

مرکب عطفی:

ایسے مرکب کو کہتے ہیں جس میں دو الفاظ کو حروف عطف کے ذریعے ملایا جائے۔ جیسے حامد اور علی، صفیہ اور عبیدہ وغیرہ۔

مرکب توصیفی:

ایسے مرکب جو صفت اور موصوف سے مل کر بنیں، مرکب توصیفی کہلاتے ہیں۔ جیسے: سفید پھول، بہادر لڑکا، نیک استاد۔ ان مثالوں میں سفید، بہادر، نیک، ایسے الفاظ ہیں جو صفت ہیں۔ اور پھول، لڑکا، استاد، ان کے موصوف ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

مرکب اضافی:

ایسے مرکب کو کہتے ہیں جس میں ایک چیز کی نسبت دوسری چیز کی طرف کی جائے۔ جیسے علی کی کتاب، اسلم کا گھر وغیرہ۔

مرکب اشاری:

مرکب اشاری وہ مرکب ہے جو اشارہ اور مشار الیہ سے مل کر بنے۔ مثلاً: یہ لڑکا، وہ جانور، یہ کتاب، وہ پنسل، وہ قلم، یہ کرسی۔ ان مثالوں میں ''یہ'' اور ''وہ'' کلمات اشارہ ہیں۔ اور لڑکا، جانور، کتاب، غیرہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان کو ''مشارِ الیہ'' کہتے ہیں۔

روزمرہ، محاورہ اور ضرب المثل

روزمرہ، محاورے اور ضرب الامثال کسی بھی زبان کا حسن ہوتے ہیں۔ خاص کر اردو زبان کے محاورے اس کا سب سے دلچسپ حصہ سمجھے جاسکتے ہیں جو کسی بھی صورتحال کو چند الفاظ میں بیان کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

روزمرہ:

اس سے مراد ایسے فقرے ہیں جن کی شکل متعین ہے اور جو مخصوص معنی میں بولے جاتے ہیں بعض اوقات ایک لفظ کا بھی روزمرہ ہو سکتا ہے۔ روزمرہ بیان کے اس اسلوب اور بول چال کو کہتے ہیں جو اہل زبان استعمال کرتے ہیں اس کے خلاف استعمال غلط سمجھا جاتا ہے جیسے ''گوارا'' کی ضد ''ناگوارا'' لانا جبکہ روزمرہ ''ناگوار'' ہے۔

محاورہ:

محاورہ کے لفظی معنی ہیں ''بات چیت کرنا''۔

خاص اہل زبان کی بات چیت کو محاورہ کہا جاتا ہے۔ محاورہ دو یا دو سے زائد الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے۔ کسی مصدر کو اس کے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کیا جائے۔ جیسے ''کھانا'' ایک مصدر ہے، اس کا حقیقی ترجمہ یہ ہے کہ کوئی چیز بطور خوراک یا دوا منھ کے راستے سے پیٹ تک پہنچانا، لہٰذا ''روٹی کھانا''، ''دوائی کھانا''، ''چاول کھانا'' محاورات نہیں ہیں اور اگر اس ''کھانا'' کو مجازی طور پر استعمال کیا جائے جیسے غم کھانا، ہوا کھانا، دماغ کھانا، پیسے کھانا تو یہ سب محاورات کہلائیں گے۔

ضرب المثل:

وہ قول یا جملہ جو کسی کہاوت کے طور پر مشہور ہو اسے ''ضرب المثل'' کہتے ہیں۔ اس کی جمع ضرب الامثال ہے۔

- ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا (اپنی نااہلی کو دوسروں پر ڈالنا)۔
- بھینس کے آگے بین بجانا (بات کا اثر نہ ہونا)
- سانپ بھی مر جائے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے (یعنی مقصد بھی پورا ہو جائے اور نقصان بھی نہ ہو)
- بھوکے کو مٹھی بھر چاول بھی کافی ہے (ضرورت مند کیلئے تھوڑی سی چیز بھی کافی ہے)

JOIN FOR MORE!!!

روزمرہ اور محاورے میں فرق:

۱۔ روزمرہ حقیقی معنوں میں ہوتا ہے جب کہ محاورہ مجازی یا غیر حقیقی معنوں میں ہوتا ہے۔ مثلاً آنکھوں سے ''اُترنا'' محاورہ ہے اور ''چھت سے اُترنا'' روزمرہ ہے۔

۲۔ محاورہ، قواعد کی حدود میں آتا ہے جب کہ روزمرہ، قواعد سے بالاتر ہوتا ہے۔

۳۔ محاورہ میں اہلِ زباں بھی تبدیلی نہیں کر سکتے جب کہ روزمرہ اہلِ زباں کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔

۴۔ محاورے میں ایک اسم اور ایک فعل کا ہونا ضروری ہے جب کہ روزمرہ میں یہ شرط نہیں ہے۔

نثر نگاری پر تبصرہ

JOIN FOR MORE!!!

طریقۂ جواب: نثر نگار کے طرزِ تحریر کی خصوصیات

۲۰ نمبر کے اس سوال کے جواب کے لیے صدرِ ممتحن کے ہدایت ناموں کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اُن کا حاصل درج ذیل ہو گا:

(الف) عمدہ تمہید:

(ب) دس سے بارہ خصوصیات، تکرار نہ ہو، ہر خصوصیت کی وضاحت کے لیے مناسب الفاظ (مگر شعری مثال کی طرز پر نثری ٹکڑے تحریر کرنے کی ضرورت نہیں)

(ج) تین، چار مستند ناقدین کی آرا۔

جوابی خاکہ

ابتدائیہ:

JOIN FOR MORE!!!

کلام کی خصوصیات:

۱۔ ----------

۲۔ ----------

۳۔ ----------

ناقدین کی آرا:

۱) ----------

"----------"

۲) ----------

"----------"

۳) ----------

"----------"

نثر نگاری پر تبصرہ

علامہ سید سلیمان ندوی

ابتدائیہ:

سید سلیمان ندوی اس عہدِ عظیم کے عالم ہیں جس میں مسلمانوں نے ہر شعبے میں ترقی کی۔ آپ کا تعلق دبستانِ شبلی سے ہے۔ آپ کا ادب و سخن علمِ دین کا وقار بھی رکھتا ہے اور ادب کا حسن بھی، اردو انشاپردازی میں آپ کی وجہ سے فکر و فہم کے نئے گوشے روشن ہوئے۔ آپ علم و فن کے ایسے روشن چراغ ہیں جس کی تب و تاب ہمیشہ برقرار رہے گی۔

اسلوب تحریر:

JOIN FOR MORE!!!

سید صاحب کا اندازِ تحریر بے مثل تھا۔ شبلی کی نظرِ کرم نے انھیں اور کندن بنا دیا تھا۔ سید صاحب کے نزدیک زبان و خیال، فکر کے ابلاغ کا ذریعہ ہے۔ چناں چہ انھوں نے کوشش کی کہ ان کی تحریر سادہ، رواں اور عام فہم ہو۔

طرزِ تحریر کی خصوصیات:

سید سلیمان ندوی کے طرزِ تحریر کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں :

(۱) مقصدیت:

سلیمان ندوی ادب میں مقصدیت کے قائل تھے۔ انہیں احساس تھا کہ حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ادب کے مقاصد بھی بدلتے ہیں چنانچہ شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"اب زمانہ سلاطین کے درباری شعرا کا نہیں بلکہ قومی اور ملی شاعروں کا ہے۔ جو بادشاہوں کے مدحیہ قصیدوں کی جگہ ملک و قوم کے جذبات کی ترجمانی کریں۔"

(۲) علمی متانت:

ان کی تحریروں میں علمیت نے ایک خاص متانت و تمکنت پیدا کر دی ہے۔ مولانا کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ان کا علم و دانش ہمیں ان کی تحریروں میں بھی نظر آتا ہے۔

(۳) سادگی اور سلاست:

سید صاحب کی تحریروں میں سادگی اور سلاست ہے مگر وہ خشک اور بے جان نہیں بلکہ اس میں شگفتگی اور لطافت کی پائی جاتی ہے۔ وہ ایک معلم اور مدرس کی طرح تشریحی اور تفہیمی انداز اختیار کرتے ہیں۔ سیرت نبوی میں جہاں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی جامعیت بیان کی ہے وہاں بھی اندازِ بیان سہل اور سادہ ہے۔ عکسِ تحریر پیش ہے :

"اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقدس شوہر کی حیاتِ پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسنؓ و حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو۔"

(۴) سنجیدگی اور شائستگی:

سید صاحب نے علمی اور ادبی جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا تو عالمانہ سنجیدگی اور شائستگی کو برقرار رکھا۔ خواہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہو یا سیرتِ عائشہؓ،ان کا شائستہ انداز اور سنجیدگی و دلچسپی برقرار رہتی ہے۔

(۵) استدلالی انداز:

چونکہ سید صاحب ایک دانشور، عالم دین اور سیاسی لیڈر بھی تھے۔ لہذا ان کی تحریروں میں منطقیانہ طرزِ استدلال ملتا ہے۔ زبان و بیان کی بحث ہو یا سیاسی معاملات ہوں یا مذہبی مباحثہ ہو، وہ ہر جگہ موضوع کو دلیل سے واضح کرتے ہیں۔ وضاحت کا پیرایہ اختیار کرتے ہیں۔ اور اپنی بات میں دلیل سے وزن پیدا کرتے ہیں۔ خصوصیت سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خطباتِ مدارس میں یہ رنگ بہت نمایاں ہیں۔

(۶) دلکشی اور رعنائی:

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا موضوع سنجیدگی، علمی متانت اور تمکنت کا تقاضا کرتا ہے۔ مگر سید صاحب کے قلم نے اپنے دلکش اور دلچسپ اندازِ بیان کی وجہ سے اسے بھی دلکشی و رعنائی عطا کر دی ہے۔ سیرت کی ایک ایک سطر اس بات کی گواہ ہے کہ لکھنے والا عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے اس کے لہجے کو شیرینی، دلکشی و رعنائی عطا کی ہے۔ اظہار کی یہ دلکشی ہی ان کی تحریر کا حسنِ لازوال ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(۷) خلوص و دیانت:

مذہب ہو، تاریخ و سیاست ہو، سید صاحب نے جس موضوع پر اظہار خیال کیا نہایت خلوص و دیانت کے ساتھ اس کے تمام تقاضوں کو پورا کیا۔ اپنے نقطۂ نظر کو قارئین تک دیانت داری اور صداقت سے پہنچانے کی خاطر انھوں نے اپنے قلم کو کسی تعصب یا معاصرانہ چشمک سے آلودہ نہیں ہونے دیا اور پاک و صاف طرزِ بیان کو اپنا طرۂ امتیاز بنایا۔

(۸) تحقیق و جستجو:

علومِ اسلامیہ کے تمام شعبوں میں سید صاحب نے تحقیق و جستجو کا حق کمالِ عمدگی سے ادا کیا۔ ان کی تحریریں اپنے موضوعات کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں۔ خواہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہو یا سیرتِ عائشہؓ، ارض القرآن ہو یا عربوں کی جہاز رانی، عمر خیام ہو یا درس الادب ان کی علمی دیانت، صداقت، تحقیق اس اعلیٰ پائے کی ہے کہ آنکھ بند کر کے ان کے تحقیقی نتائج پر اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

(۹) فلسفیانہ موضوعات:

سید سلیمان ندوی کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ مشکل ترین فلسفیانہ موضوعات کو بھی بڑے دلکش انداز میں بیان کرتے ہیں۔ انھیں نہ صرف آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے بلکہ قاری لطف اندوز بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ انھوں نے حساس موضوعات کو چنا ہے مگر بڑی روانی اور بے ساختگی کے ساتھ، اور عبارت و موضوعات کا تسلسل برقرار رہتا ہے۔

(۱۰) جامع مضامین:

ندوی صاحب جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کے تمام پہلوؤں پر بھرپور نگاہ ڈالتے ہیں اور وہ باتیں اجاگر کرتے ہیں جو عام نگاہوں سے اوجھل ہوتی ہیں۔ وہ اپنے موضوع کے معاملے میں کوئی تشنگی باقی نہیں چھوڑتے۔ ان کی تصانیف سے قاری کو زبردست معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ جب تک وہ موضوع کی تمام تفصیلات کو سمجھ نہیں لیتے، غالباً اس وقت تک اس پر کچھ نہیں لکھتے ہیں مکمل عبور

حاصل کرنے کے بعد ہی قلم اٹھاتے ہیں۔

ناقدین کی آرا:

☆.... شاعر مشرق علامہ اقبال کہتے ہیں :

"علوم اسلامی کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سلیمان ندوی کے اور کوئی نہیں۔"

☆.... پروفیسر وقار عظیم کہتے ہیں :

"سلیمان ندوی کا اسلوب محققانہ ہے وہ کسی جگہ اپنے اس انداز سے دستبردار نہیں ہوتے۔"

☆.... ڈاکٹر ممتاز حسین کہتے ہیں :

"ان کا وجود علم و فضل کا ایک دریا ہے جس سے سینکڑوں نہریں نکلی ہیں۔"

☆.... مولانا عبدالماجد دریا آبادی کہتے ہیں :

"سید صاحب ایک صاحب طرز ادیب تھے۔"

حرفِ آخر:

ان ہی تمام صفات و خصوصیات کی بناپر انھیں وہ ناقابل فراموش مقام حاصل ہوا جس کی بدولت ان کی ادبی، سیاسی، مذہبی اور علمی کاوشوں کو ادب میں پذیرائی ملی اور جس کی بدولت ان کا کام ہمیشہ زندہ جاوید رہے گا۔ اس قدر شہرت، عزت و عظمت کے باوجود انہوں نے ہمیشہ شبلی کی شاگردی کو اپنے لئے باعثِ اعزاز و امتیاز جانا اور اس پر ہمیشہ فخر کیا جو ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

علامہ شبلی نعمانی

تعارف:

مشرقی یوپی کے ضلع اعظم گڑھ کے ایک معمولی گاؤں میں ۱۸۶۷ء میں وہ بچہ پیدا ہوا جسے آگے چل کر شمس العلما علامہ شبلی نعمانی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ شبلی نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی اور مزید تعلیم کا شوق انھیں ملک کے مختلف مقامات پر لے گیا۔

شبلی نے مختلف موضوعات پر کثیر تصانیف چھوڑی ہیں، جن میں سے مشہور ترین یہ ہیں:

(۱) المامون (۲) الغزالی (۳) شعر العجم (۴) سیرۃ النبی ﷺ (۵) الفاروق

اس کے علاوہ فارسی اور اردو کے مجموعہ ہائے کلام، مضامین و مقالات کی کئی جلدیں اور دو ایک عربی تصانیف بھی ان کی یادگار ہیں۔

طرزِ تحریر:

انیسویں صدی اردو زبان کی بقا اور زندگی کا پیغام لے کر آئی۔ اس صدی میں بڑے بڑے شاعر ادیب اور انشاپرداز پیدا ہوئے۔ غالب، مومن، ذوق اور انیس وغیرہ نے اردو زبان کی آبیاری کی انھی کے ساتھ ساتھ اردو کے عناصر خمسہ سر سید، نذیر احمد، آزاد، حالی اور شبلی نے آنکھیں کھولیں۔ جنھوں نے اپنی فطری صلاحیتوں اور خداداد ذہانت سے اردو کو تاج محل سے زیادہ حسین و جمیل بنا دیا ان میں سے ہر ایک شخص ایک ادبی اکیڈمی سے کم نہیں ہے۔ لیکن شبلی میں جو ہمہ گیر ادبی صلاحیتیں اور خصوصیات جمع ہیں وہ کسی اور میں نہیں ہیں۔ وہ بہ یک وقت بے مثال ادیب، سوانح نگار، محقق، فلسفی، نقاد اور شاعر تھے۔ ان کی تحریر کی اولین صفت قوت اور جوش ہے جو ان کے احساس

کمال اور احساس عظمت کی پیداوار ہے۔ان کے یہاں سنجیدگی کے ساتھ دلکشی اور شگفتگی بھی ہے ان کی نثر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فکری قوت اور منطقی استدلال کے ساتھ ساتھ لطف واثر بھی پایا جاتا ہے۔

طرزِ تحریر کی خصوصیات:

علامہ شبلی نعمانی کے طرزِ تحریر کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں :

(۱)تنقید:

شبلی کا انداز تنقید اگرچہ مشرقی ہے مگر انھوں نے جدید تنقیدی نظریات سے بھی روشنی حاصل کی۔اس طرح ان کی تنقیدوں میں مشرقی اور جدید تنقید کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے جس سے ایک خاص توانائی پیدا ہو گئی ہے۔وہ جو بات بھی کہتے ہیں وہ بڑی مدلل اور واضح ہوتی ہے۔استدلال کے اعتبار سے وہ سرسید کے مانند ہیں اور تحریروں میں ادبی چاشنی پیدا کرنے میں مولانا آزاد کے مشابہ ہیں۔

(۲)مقصدیت:

شبلی کا دور چونکہ مسلمانوں کے سیاسی اور دینی زوال کا دور تھا اس لیے ان کی تحریروں میں اسلاف کے دینی، سیاسی اور تہذیبی کارناموں کا تعارف ہے۔وہ مشاہیر کے کارنامے بیان کر کے مسلمانوں میں از سرِ نو نئی جمعیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔مقصدیت کی یہ روح ان کی تحریروں میں نمایاں طور پر موجود ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(۳)عالمانہ شان:

شبلی کی نثر میں خود نگری، احساس برتری، علمی رفعت و بصیرت اور گرم جوشی کی خصوصیات خاص طور پر نمایاں ہیں۔اسی بنا پر وہ اپنے قاری کو اپنی بلند ذہنی سطح سے مخاطب کرتے ہیں اور اس میں بھی علمی بصیرت کی وہی روشنی پیدا کرنا چاہتے ہیں جس سے وہ خود بہرہ یاب ہیں۔

(۴)ادبی لہجہ:

شبلی کی تاریخی اور تنقیدی تحریروں میں بھی ادبی رچاؤ پایا جاتا ہے۔وہ خشک سے خشک موضوع اور ٹھوس علمی مسائل کو بھی شگفتہ ادبی زبان میں ادا کرتے ہیں۔

(۵) تحقیقی رنگ:

شبلی کی تحریروں میں ایک خاص محققانہ شان پائی جاتی ہے۔ان کی تصانیف سے ان کے عمیق مطالعے، تحقیقی اسلوب اور علمی بصیرت کا بھرپور تاثر ملتا ہے۔انھوں نے اپنی تاریخی، تنقیدی اور ادبی تصانیف میں اپنی تحقیقی کاوش کا حق پوری طرح ادا کیا۔

(۶)شاعرانہ اسلوب:

شبلی اپنی نثر میں تاثیر کا عنصر پیدا کرنے کے لیے شاعرانہ زبان استعمال کرتے ہیں۔خوبصورت الفاظ، ہلکے پھلکے محاورے اور حسین ترکیبیں ان کی نثر میں شگفتگی اور رعنائی پیدا کر دیتی ہیں۔تحریر میں ادبی حسن پیدا کرنے کیلیے بعض اوقات موزوں اشعار سے بھی کام لیتے ہیں۔

(۷)ایجاز واختصار:

شبلی اپنی تحریروں میں بے معنی طوالت سے گریز کرتے ہیں اور لمبی سے لمبی بات کو بھی بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ان کے چھوٹے چھوٹے اور مختصر جملوں میں بلاغت کی شان پائی جاتی ہے۔یہ خصوصیات پیدا کرنے کے لیے وہ شاعرانہ علامات

سے بھی کام لیتے ہیں۔

(۸)طنزیہ انداز:

شبلی کی طنز نگاری میں ایک ایسا تیکھا پن ہے کہ جس سے قاری میں ایک چونکا دینے والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ طنز کرتے ہوئے شائستگی کا دامن نہیں چھوڑتے، اسی لیے ان کی طنز تیز ہونے کے باوجود گراں نہیں گزرتی۔

(۹)شائستگی و شگفتگی:

شبلی کی زبان اور تحریر شگفتہ ہے۔ ان کی ہر طرح کی تحریروں میں ادبی شان نمایاں ہے۔ ان کی تحریر کا تعلق تاریخ سے ہو یا تنقید سے، ادب سے ہو یا سوانح سے، سب میں چاشنی، شگفتگی اور سلاست پائی جاتی ہے۔

(۱۰)استعارات کا استعمال:

شبلی اپنی نثر نگاری میں استعارات اور تشبیہات کا استعمال کرتے ہیں، اشارے اور کنایے سے بہت کام لیتے ہیں اور ایسے الفاظ و تراکیب کا انتخاب کرتے ہیں جن میں موسیقی پائی جاتی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

ناقدین کی آرا:

☆.....ڈاکٹر سید شاہ علی کہتے ہیں:

"شبلی نعمانی کے طرزِ تحریر میں آزاد کا شگفتہ انداز اور حالی کے سنجیدہ اور مدلل انداز کی جھلک نظر آتی ہے"۔

☆.....مفتی انتظام اللہ شہابی کہتے ہیں:

"شبلی نے کمالات اور علوم و فنون کو اپنی ذات میں جمع کر لیا تھا"۔

☆.....ڈاکٹر عبادت بریلوی کہتے ہیں:

"جدید تنقید کی ابتدا حالی، شبلی اور آزاد کے ہاتھوں پیش کیے ہوئے ان کے تنقیدی خیالات و نظریات سے ہوتی ہے جو حالات کا تقاضا تھا"۔

مولانا محمد حسین آزاد

حالاتِ زندگی:

آزاد ۱۸۲۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد باقر تھا جن کے استاد ذوق سے بہت قریبی تعلقات تھے۔ آزاد نے ان کی ہی زیرِ نگرانی تربیت پائی۔ ان کے والد محمد باقر نے دہلی میں اردو کا سب سے پہلا اخبار نکالا تو تعلیم و تربیت اور ذوق کی شاگردی نے آزاد کو اور پختہ کر دیا۔

طرزِ تحریر کی خصوصیات:

اردو نثر نگار میں آزاد ایک بلند اور منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ایک صاحب طرز انشاپرداز ہیں ان کی تحریر میں بلا کی سادگی، بے تکلفی انگریزی کی صاف گوئی، فارسی کی شیرینی، حسن اور خوبصورتی پائی جاتی ہے۔ ان کی نثر میں موسیقیت پائی جاتی ہے۔ وہ الفاظ اور محاورہ کے استعمال میں توازن اور تناسب کا خیال رکھتے ہیں۔ ان کی تحریریں تصنع اور تکلف سے پاک ہیں۔ ان کی طبیعت میں ندرت طرازی ہے۔

لطیف تشبیہات اور استعارے ان کی تحریر کے حسن کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ آزاؔد کے طرزِ نگارش کی ایک اہم خصوصیت ہے کہ ان کی تحریر پہلودار ہوتی ہے۔

(۱) تذکرہ نگاری:

''آب حیات''میں آزاؔد نے شعر کی زندگی اور ان کی شاعری پر روشنی ڈالی وہ تذکرہ سے زیادہ تاریخ ہے۔ آب حیات اردو زبان اور شاعری کا اہم ماخذ ہے اور اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے پہلی بار زبان کے مزاج اور اس کی قدیم تاریخ کا سراغ لگانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

(۲) ندرتِ خیال:

اردو میں تمثیل نگاری کی طرف بہت توجہ دی گئی ہے۔ اس کے جو نمونے ملتے ہیں ان میں مندرجہ ذیل شامل ہیں:

☆قصہ گل بکاولی ☆سب رس ☆گلزار ابراہیم ☆جہادِ اکبر

یہ تمام فارسی تمثیلات سے مشابہ اور مماثلت رکھتی ہیں۔ موضوعات کے اعتبار سے بھی ان میں کوئی فرق نہیں ہے سب ہی میں تصوف اور متعلقات تصوف کو تمثیلاً بیان کیا گیا ہے۔ آزاؔد کی ''نیر نگِ خیال''اردو کی پہلی تمثیل ہے جس کا موضوع تصوف نہیں ہے بلکہ اس میں دیگر مباحث اور مسائل کو حسین اور دلکش انداز پیش کیا گیا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(۳) بحیثیت مورخ:

''دربارِ اکبر''عہد اکبری کی تاریخ ہے۔ جس میں بادشاہ کی ذاتی، درباری، آئینی اور ملکی حالات، سلطنت کے خاص امرا و عمائدین اور علما وغیرہ کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ان کی زبان کی رنگینی اور تخیل کی پرواز نے دربارِ اکبر کو تاریخ سے زیادہ افسانہ بنا دیا ہے۔

(۴) سخن دانِ فارس:

آزاد کی اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے میں فارسی زبان کی اصل ساخت کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں ایران کی آب وہوا اور وہاں کی تہذیب و تمدن، شاعروں اور مصنفوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے اردو میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہ تھی لیکن اس میں بھی آزاد کی رنگینیِ تحریر موجود ہے۔

(۵) انگریزی الفاظ:

آزاؔد نے جہاں اپنی تحریروں میں عربی، فارسی اور ہندی کے الفاظ بیان کیے ہیں وہاں انگریزی سے بھی بے تکلف فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے لیکن وہ بلاضرورت نہ انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہیں نہ عربی، بلکہ اس خوبصورتی سے استعمال کرتے ہیں کہ وہ اردو زبان کے الفاظ ہی معلوم ہوتے ہیں اور پڑھتے وقت کیف سرور محسوس ہوتا ہے۔ بقول رام بابو سکینہ:

''آزاؔد کی نثر میں بھاشا کی سادگی، انگریزی کی صاف گوئی اور فارسی کا حسن موجود ہے۔''

(۶) لفظی صنعت گری:

خوبصورت تشبیہات، لطیف استعارے اور موسیقیت سے بھرے جملے اس قدر حقیقت کا ثبوت بن کر سامنے آتے ہیں کہ آزاؔد کو لفظی صنعت گری کا خاص مقام حاصل ہے۔

''مشرق کا شہسوار ستاروں کی فوج کو شکست دے کر شعاع کا نیزہ ہاتھ میں لئے نکلا۔''

(۷) تخیل کا غیر معتدل استعمال:

آزاد کی بڑی کمزوری تخیل کا غیر معتدل اور بے جا استعمال ہے۔ وہ ہر بات کو شاعرانہ انداز میں بیان کر کے تخیل کے زور سے طلسماتی بنا دیتے ہیں۔ اس پڑھنے والے کو لطف تو ضرور آتا ہے مگر بعض اوقات وہ حقیقت سے بہت دور جا پہنچتا ہے۔

(۸) تمثیل نگاری:

ان کے اسلوب کی ایک نمایاں خصوصیت تمثیل نگاری ہے۔ آزاد کو اردو کا سب سے بڑا تمثیل نگار گردانا جاتا ہے۔ آزاد کی تمثیل نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے حالی نے لکھا ہے:

”ہمارے ملک میں موجودہ حالت میں نیرنگ خیال ایک ایسا نمونہ ہے کہ اگر میری رائے غلط نہیں تو زمانہ آیندہ اس کی قدر نہیں بلکہ پیروی کرے گا۔“

(۹) مرقع نگاری:

آزاد مرقع نگاری میں کمال رکھتے ہیں جو خیال ان کے ذہن میں آتا ہے وہ سلسلہ وار تصویر کے روپ میں آتا ہے۔ مرقع کشی کے اس شوق نے ایک وطیرہ کی شکل اختیار کرلی تھی وہ اس انداز سے چھوٹے چھوٹے چبھتے ہوئے فقرے تراشتے ہیں کہ ان کو ”آزرِ سخن“ کا لقب زیب دیتا ہے۔ ان کی لفظی بت تراشی کے نمونے ”آبِ حیات“ اور ”نیرنگِ خیال“ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

”آزاد بحیثیت مرقع نگار اردو کے اولین آدمی ہیں اور ممتاز ترین بھی۔“

(۱۰) مشکل پسندی:

آزاد کی تحریر پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کافی مشکل پسند ہیں۔ وہ اپنی تحریر کو تمثیل نگاری اور تخیل کے استعمال کے ذریعے مشکل بناتے ہیں جس کو سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔

”شام نے آکر اندھیرے کی سپر پیچ میں رکھ دی۔“

(۱۱) دیگر زبانوں کے الفاظ:

محمد حسین آزاد کی تحریروں میں عربی اور فارسی کے ساتھ ساتھ انگریزی کے الفاظ بھی بکثرت ملتے ہیں لیکن ان الفاظ سے تحریر میں کوئی مشکل پیدا نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ تحریر کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس سے عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں پر ان کے عبور کا اظہار ہوتا ہے۔ آزاد کی تحریر کی یہ بڑی خوبی ہے کہ ان زبانوں کے الفاظ کا استعمال انھوں نے اس انداز سے کیا کہ وہ غیر ضروری نہیں لگتے بلکہ لازمی محسوس ہوتے ہیں۔

ناقدین کی آرا:

☆.... شبلی نعمانی نے آزاد کو اردوے معلی کا ہیرو کہا ہے اور آزاد کے انتقال پر شبلی نے ان کو خداے اردو کہہ کر یاد کیا:

”وہ تحقیق کا مردِ میدان نہیں تاہم ادھر ادھر کی گپیں ہانک دیتا ہے تو وحی معلوم ہوتی ہیں۔“

☆.... ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں:

”سرسید سے معقولات الگ کر لیجیے تو کچھ نہیں رہتے، نذیر احمد بغیر مذہب کے لقمہ نہیں توڑ سکتے۔ شبلی سے تاریخ لے لیجیے تو قریب قریب کورے رہ جائیں گے، حالی بھی جہاں تک نثر نگاری کا تعلق ہے سوانح نگاری کے ساتھ چل

JOIN FOR MORE!!!

سکتے ہیں۔ لیکن آقائے اردو یعنی پروفیسر آزاد ایسے انشاپرداز ہیں جن کو کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں۔"

☆.....بقول حالیؔ:

تاریخ وفات اس کی جو پوچھے کوئی حالیؔ کہہ دو کہ ہوا خاتمہ اردو ادب کا

☆.....رام بابو سکسینہ محمد حسین آزادؔ کی تحریر پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"آزادؔ اپنے زمانے کے بے مثال انشاپرداز تھے۔ جس چیز نے ان کو زندہ اور جاوید کر دیا وہ ان کا خاص طرزِ تحریر ہے"۔

☆.....ڈاکٹر اسلم فرّخی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

"آزادؔ نے الفاظ کے آب و رنگ سے جو تصویریں آراستہ کی ہیں وہ اتنی پُرکار اور دل آویز ہیں کہ اردو نثر میں ان کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔"

احمد شاہ پطرس بخاری

JOIN FOR MORE!!!

تعارف:

سیّد احمد شاہ بخاری خالص مزاح کے علم بردار قلم کار ہیں۔ آپ نے اس مشکل ترین صنفِ ادب میں خامہ فرسائی کی اور قارئین سے زبردست دادو تحسین وصول کی۔ آپ نے اپنے مضامین میں مزاح نگاری کو نہایت خوبصورت انداز میں استعمال کیا۔ آپ کی ذہانت کی عکاس آپ کی وہ تحریریں ہیں جن میں واقفیت، حسنِ تعمیر، علمی ظرافت، زیرِ لب تبسم، شوخی، طنز اور مزاح کا بھرپور عکس نظر آتا ہے۔ پطرس کے زورِ قلم کا کل اثاثہ ۱۵۵ صفحات کا کتابچہ المعروف بہ "مضامینِ پطرس" ہے۔ ان چند مضامین نے اردو ادب کی صنفِ مزاح میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور پطرس اس حلقے میں سب سے ممتاز ہو گئے۔ اُن کے قلم کی تخلیق دائمی شہرت اور عظمت کا سبب بنی اور انھوں نے اپنے ہم عصر مزاح نگاروں کے درمیان ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ بقول آل احمد سرور:

"پطرس نے بہت تھوڑے مضامین لکھے، مگر پھر بھی ہماری چوٹی کے مزاح نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ اتنا تھوڑا سرمایہ لے کر بقائے دوام کے دربار میں بہت کم لوگ داخل ہوئے ہیں۔"

طرزِ تحریر کی خصوصیات:

پطرس کے طرزِ تحریر کی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

(۱) اسلوب کی شگفتگی:

پطرس بخاری زبان و بیان کی سادگی سے کام لیتے ہوئے الفاظ سے اس طرح کھیلتے ہیں کہ ان کو دل سے داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ سادگی، صفائی، روانی، محاورات کے برجستہ استعمال اور شگفتگی کی بدولت اُن کے مضامین میں ایک کشش ہے۔ آپ کی تحریروں کے مطالعے کے بعد ایسا لگتا ہے گویا اپنے کسی دوست سے نہایت بے تکلفانہ انداز میں ہم کلام ہیں۔

(۲) ظرافت کی خصلت:

پطرس کے مضامین میں جو مزاح نظر آتا ہے وہ خالصتاً مزاح ہے۔ اس میں بدتمیزی، طنز، تمسخر اور عامیانہ پن جیسی اصناف سے زبردستی ہنسانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ آپ کی نگارش میں مزاح و شوخی کی آفاقی خصلت ہے جو ہر موڑ پر نظر آتی ہے۔ آپ نے شرارت کے سلیقے کو برقرار رکھتے ہوئے ظرافت کے میدان کو وسیع و غیر محدود کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ ہاسٹل میں پڑھنا میں لکھتے ہیں:

"اب قاعدے کی رو سے ہمیں بی۔اے کا سرٹیفکیٹ مل جانا چاہیے تھا۔ لیکن یونیورسٹی کی اس طفلانہ ضد کا کیا علاج کہ تینوں مضمونوں میں بہ یک وقت پاس ہونا ضروری ہے۔"

(۳) واقعہ نگاری:

واقعہ نگاری پطرس کے نگارش کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ وہ لفظوں کے انتخاب اور فقروں کی ترتیب کا حسن استعمال کرتے ہوئے مضحکہ خیز واقعات کی تصویر کشی ایسی مہارت اور خوبصورتی سے کرتے ہیں کہ چشم تصور اُن کو ہو بہو اپنے سامنے محسوس کرتی ہے۔ مثال کے طور پر "مرحوم کی یاد میں" کے اس اقتباس میں وہ حُسنِ انتخاب سے ایک مزاح آمیز ماحول پیدا کرتے ہیں:

"تمام بوجھ دونوں ہاتھوں پر تھا جو ہینڈل پر رکھے تھے اور برابر جھٹکے کھا رہے تھے۔ اب میری حالت تصور میں لائیں تو معلوم ہو گا جیسے کوئی عورت آٹا گوندھ رہی ہے۔"

(۴) عکسِ زندگانی:

مصنف نے معاشرے اور روزمرّہ زندگی کا بھرپور تجزیہ کیا ہے اور اِس جائزے سے انسانی زندگی کے نازک، لطیف اور نرم و ملائم پہلوؤں پر قلم اُٹھایا ہے۔ آپ کی تحریروں میں پیش کیے گئے کرداروں اور واقعات کا تعلق کسی خاص معاشرے سے نہیں، بل کہ آپ نے تمام تہذیبوں میں پائی جانے والی یکساں صفات کی عکاسی کی ہے۔ اسی لیے پطرس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

"پطرس نے اپنی ظرافت کا مواد زندوں سے لیا ہے۔"

(۵) تحریف (Parody):

احمد شاہ پطرس بخاری نے اپنی تحریروں میں تحریف نگاری کو نہایت مہارت سے برو کر ایک انوکھی خوبصورتی پیدا کر دی ہے۔ آپ نے اس مشکل فن سے شوخ اور ظریف رنگ پیدا کیا اور قارئین کے لیے ہنسنے کے دلکش مواقع پیدا کیے ہیں۔ مثال کے طور ایک مصنف نے لکھا ہے:

"بچہ انگوٹھا چوس رہا ہے اور باپ اُسے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے۔"

پطرس اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

"باپ انگوٹھا چوس رہا ہے، بچہ حسبِ معمول آنکھیں کھولے پڑا ہے۔"

(۶) مغربی ثقافت کا رنگ:

احمد شاہ بخاری چونکہ بین الاقوامی کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کرتے رہے ہیں اس لیے اُن کا مغربی ادب کا بھرپور مطالعہ تھا۔ انھوں نے مغربی مزاح نگاری کا گہرا تجزیہ کیا اور اُس کی تمام تر خوبصورتی اور لطافتوں کو سمیٹ کر مشرقی رنگ میں ڈھالا۔ آپ کے مضامین میں جو ثقافتِ مغرب کا رنگ نظر آتا ہے وہ قاری کو ذرا بھی گراں نہیں گزرتا اور نہ کسی تحریر کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔

(۷) کردار نگاری:

پطرس کے طرزِ تحریر میں ایک اور خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ کرداروں کے ذریعے ایک لطف اندوز ماحول پیدا کرتے ہیں۔ انسانی فکر و شعور کے تمام پہلوؤں پر مکمل عبور رکھتے ہوئے آپ اس طرح اپنے مضمون کو جملہ بہ جملہ تخلیق کرتے ہیں کہ مطالعہ کرنے والا شخص ایک مزاح آمیز ماحول میں گم ہو جاتا ہے اور بے اختیار مسکرا دیتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!

(۸)اختصار و جامعیت:

پطرس کے مختلف مضامین ایک کامل اور ماہر ادیب کے فنون کی عکاسی کرتے ہیں۔ آپ اپنی بات کہنے پر مکمل عبور رکھتے ہیں اور بڑے سے بڑے موضوع کو نہایت مختصر، جامع و ر دل نشین انداز میں رقم کر دیتے ہیں۔ آپ کا حسنِ انتخاب ہی وہ وجہ ہے جس کی بدولت آپ کا سرمایہ ادب لافانی بن گیا۔ مثال کے طور پر ''ہاسٹل میں پڑھنا'' میں انھوں نے ایک جملے سے کیا بات کہہ ڈالی:

''ہم پہ تو جو ظلم ہوا سو ہوا، یونیورسٹی والوں کی حماقت ملاحظہ فرمائیے، کہ ہمیں پاس کر کے اپنی آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ ہاتھ سے گنوا بیٹھے۔''

(۹)لطیف طنز:

پطرس معمولی سے معمولی بات میں بھی مزاح کا پہلو نکال لیتے ہیں مگر بظاہر نہ وہ خود ہنستے ہیں اور نہ وہ دوسروں کو ہنسنے پر مجبور کرتے ہیں بلکہ وہ اس احساس کو ابھارتے ہیں جو قہقہے لگانے پر مجبور کرتا ہے۔ ان کے مغربی کتب کے مطالعے نے ان کی ظرافت میں ایک رکھ رکھاو پیدا کر دیا ہے۔

(۱۰)موضوعات:

JOIN FOR MORE!!!

پطرس کے موضوعات بالکل سیدھے سادے اور روزمرہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس سادگی میں پرکاری اور متانت ہوتی ہے اور ہم بڑی دلچسپی سے انھیں پڑھتے ہیں وہ بڑی کامیابی سے ہماری زندگی کے پنہاں گوشوں کو اپنی ذہانت اور ظرافت کی چاشنی کی مدد سے ہماری نظروں کے سامنے لاتے ہیں۔

ناقدین کی آرا:

مختلف نقاد پطرس کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں اور اپنے اپنے انداز میں پطرس کی تعریف بیان کرتے نظر آتے ہیں۔

☆.... حکیم یوسف حسن خان پطرس کے بارے میں کہتے ہیں:

''اگر میں یہ کہہ دوں تو بے جا نہ ہو گا کہ ہندو پاکستان کے تمام مزاحیہ کتابوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں ڈالا جائے اور پطرس کے مضامین دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں تو پطرس کے مضامین بھاری رہیں گے۔''

☆.... غلام مصطفی تبسم لکھتے ہیں:

''بخاری کی نظر بڑی وسیع اور گہری ہے اور پھر اُسے بیان پر قدرت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کا مزاح پڑھنے والوں کی دل میں شگفتگی پیدا کر دیتا ہے۔''

☆.... ڈاکٹر خورشید السلام کا بیان ہے کہ:

''اُن کے اندازِ فکر اور طرزِ بیان میں انگریزی ادب کا اثر موجود ہے اور اندازِ بیان میں تخیّل کا عمل فرحت اللہ سے زیادہ قریب ہے۔''

☆.... ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

''پطرس بھی رشید صدیقی کی طرح بلا کے ذہین ہیں اور ان کے ذہن کی یہ تیزی اور طراری ان کے ہر مضمون سے ظاہر ہے۔''

☆.... ڈاکٹر وزیر آغا کہتے ہیں:

''پطرس بخاری اردو میں خالص مزاح کے سب سے بڑے علم بَردار ہیں۔ان کی نگارشات خالص تخلیقی ادب کا درجہ رکھتی ہیں''۔

☆.... نظیر صدیقی کہتے ہیں:

''پطرس طنز و مزاح نگار ہوتے ہوئے ایک انشائیہ نگار بھی تھے''۔

حاصلِ تحریر:

اردو ادب کے گلشنِ مزاح میں پطرس نے جو پھول کھلائے ہیں اُن کی خوشبو آج تک علم دوست لوگوں کے اذہان کو مہکا رہی ہے۔آپ نے چند مضامین میں مزاح نگاری کے جو جوہر دکھائے وہ داد و تحسین کا باعث بنے اور آپ کو شہرت کی معراج تک لے گئے۔آپ کا ہر مضمون قابلِ قدر ہے اور مزاح نگاری کی نئی نئی جہتوں سے روشناس کراتے ہوئے مسکراہٹوں کے مواقع پیدا کرتا ہے۔احمد شاہ پطرس بخاری اس شعبہ ادب میں ہمیشہ ممتاز رہیں گے اور اُن کا نام تا قیامت زندہ رہے گا۔

JOIN FOR MORE!!!

مولوی عبدالحق

حالاتِ زندگی:

بابائے اردو مولوی عبدالحق ۲۰ اگست ۱۸۷۰ء کو ہاپڑ کے ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ پھر میرٹھ میں پڑھتے رہے۔ ۱۸۹۴ء میں علی گڑھ سے بی۔اے کیا۔ علی گڑھ میں سرسید کی صحبت میسر رہی۔ان کی آزاد خیالی اور روشن دماغی کا مولانا کے مزاج پر گہرا اثر پڑا۔ مولوی عبدالحق نے اردو کی خدمت کے لئے تمام زندگی وقف کردی اور اردو کے قائدِ اعظم کہلائے۔ ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔

اہم تصانیف:

ان کی اہم تصانیف یہ ہیں:

- مرحوم دلی کالج
- سرسید احمد خاں، حالات و افکار
- چند ہم عصر
- مقدمات عبدالحق
- اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ
- خطبات عبدالحق
- تنقیدات عبدالحق

طرزِ تحریر کی نمایاں خصوصیات:

بابائے اردو مولوی عبدالحق کی تحریر مندرجہ ذیل خصوصیات سے مزین ہے۔

(۱) قوتِ استدلال:

مولوی عبدالحق نے اپنی تحریروں میں جذبات سے زیادہ عقل کو متاثر کیا ہے۔ وہ ہر قسم کے علمی، اخلاقی، دینی اور معاشرتی مضامین جذباتی عنصر کو کم رکھتے ہیں بلکہ استدلالی انداز میں دلیل سے وزن پیدا کرتے ہیں اور منطقی ربط کے ساتھ اپنی بات آگے بڑھاتے ہیں۔اس طرح وہ اپنی بات مربوط انداز میں صاف ستھرے طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

(۲) ادبی چاشنی:

موضوع کتنا بھی علمی، فکری اور تحقیقی ہو مولوی صاحب اپنے طرز تحریر سے اسے دلچسپ اور پر لطف بنا دیتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں خشکی اور بے لطفی نہیں بلکہ ان کے زبان و بیان میں ایک ادبی چاشنی کی حلاوت موجود رہتی ہے۔ اس طرح قاری پوری دلچسپی دلچسپی کے ساتھ ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتا ہے۔

(۳) مقصدیت:

عبدالحق ادب کو زندگی کا خادم سمجھتے ہیں۔ اس لئے محض عبارت آرائی اور انشا پردازی کبھی ان کا مقصد نہیں بنتی چنانچہ ان کا علمی و فکری اسلوب تحریر تنقید نگاری کے لئے نہایت مناسب اور موزوں ہے۔ جس طرح وہ ایک متوازن نقاد تسلیم کیے جاتے ہیں اسی طرح ان کا طرزِ تحریر بھی متوازن اور معتدل ہوتا ہے اور مقصدیت کی شان رکھتا ہے۔

(۴) بے ساختگی و برجستگی:

مولوی صاحب نے اکثر علمی، فکری اور تنقیدی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور اس کے لیے انشا پردازانہ اسلوب تحریر کے بجائے بے ساختہ سادہ اور برجستہ بات کہنا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب کے ہاں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ وہ لفظی شان و شکوہ دکھانے کے بجائے اصل توجہ اس بات پر دیتے ہیں کہ ان کی بات بہتر طور پر قاری کی سمجھ میں آسکے۔

JOIN FOR MORE!!!

(۵) ایجاز و اختصار:

حالّی کے مثنّی ہونے کے باوجود مولوی عبدالحق تفصیل پسند واقع نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اپنی تحریروں میں ایجاز و اختصار کو جگہ دی ہے۔ مختصر الفاظ، مختصر جملے، مختصر استدلال کی بنا پر قاری کو ان کی تحریروں میں اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا۔

(۶) حقیقت پسندی:

عبدالحق اردو میں اس اعتبار سے ایک نیا تجربہ ہیں کہ پہلی مرتبہ محض دلچسپی اور تفریح کے مقصد کو نظرانداز کر کے ایک مسئلہ کو موضوع بنایا ہے۔ یہ مسئلہ ایک سماجی اور تہذیبی مسئلہ ہے۔ اس سے پہلے کہانیوں میں مافوق الفطرت عناصر کی بھرمار ہوتی تھی مگر انہوں نے قصوں اور کہانیوں سے اس عنصر کو خارج کیا اور خالصۃً عوامی موضوعات کو شامل کیا۔

(۷) دھیما پن:

عبدالحق کے اسلوب میں شبلی کی طرح جوش بیان اور خطیبانہ بلند آہنگی نہیں ہے اور نہ ہی وہ آزاد کی طرح نثر میں شاعری کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ ان کی نثر کے لہجے میں وہی دھیما پن، ملائمت، سادگی اور نرمی ہے جو ان کے مزاج کا حصہ ہے۔

(۸) صحت زبان:

عبدالحق اگرچہ پر شکوہ زبان نہیں لکھتے مگر ان کی تحریریں بڑی صاف اور پاکیزہ ہوتی ہیں۔ وہ صحت زبان، روزمرہ اور محاورہ کی درستی کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ ہمیں ان کی تحریروں میں بیان کی صداقت، زبان کی صحت اور صفائی بیان کا ایک جچا تلا انداز ملتا ہے۔

(۹) متنوّع اسلوب:

انھوں نے متنوع یا مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا اور ہر موضوع کے مطابق زبان استعمال کی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی تحریر میں رنگینی اور شگفتگی بھی ہے، متانت و سنجیدگی بھی۔ خطیبانہ انداز بھی ہے اور تنقیدی و تحقیقی مضامین میں استدلالیت بھی۔ متنوع موضوعات پر متنوع اسلوبِ نگارش اختیار کرنا عبدالحق کا ہی کام ہے۔

(۱۰) خطبات میں طوالت پسندی:

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا گیا کہ مولوی عبدالحق کی تحریر کی ایک نمایاں خصوصیت ایجاز واختصار بھی ہے مگر خطبات میں وہ اس وصف کو برقرار نہیں رکھ سکے اور طوالت کا شکار ہوگئے ہیں۔ البتہ خطبات کے علاوہ وہ کہیں بھی تفصیل پسندی یا طوالت کا شکار نہیں ہوئے۔

ناقدین کی آرا:

☆.... بقول عبدالماجد دریا آبادی:

”آپ کی علمی و ادبی خدمات شمار کرنا بہت دشوار ہے۔ اگر کسی کو محسن اعظم کا لقب دیا جاسکتا ہے تو وہ ذات بلا اختلاف بابائے اردو مولوی عبدالحق ہی کی ہو سکتی ہے۔“

☆.... مولانا غلام رسول مہر کہتے ہیں:

”آج پاک و ہند کے آسمان کے نیچے کوئی دوسرا شخص علم و ادب اور زبان کے دائرے میں ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔“

JOIN FOR MORE!!!

☆.... ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں:

”اگر شاعری کی طرح نثر پر بھی سہل ممتنع کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ تو ہم بلا تکلف کہہ سکتے ہیں کہ عبدالحق کا اسلوب اردو نثر کا سہل ممتنع ہے۔“

☆.... رشید احمد صدیقی کہتے ہیں:

”مولوی عبدالحق نے ایسے ادب کی بنیاد ڈالی ہے جو ہماری زندگی میں تازگی پیدا کرتی ہے اور ہماری ضروریات کے مطابق ہے۔“

☆.... ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کہتے ہیں:

”اردو زبان کی پوری تاریخ میں مولوی عبدالحق سے زیادہ اردو کے لیے جِدّ و جُہد کسی اور فرد نے نہیں کی“۔

☆.... شاہد احمد دہلوی کہتے ہیں:

”مولوی عبدالحق اور اردو زبان لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔“

رشید احمد صدیقی

تعارف:

رشید احمد صدیقی یوپی کے ضلع جونپور کے ایک دیہات مڑیا میں ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک جونپور میں رہے پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ آ گئے۔ مالی حالت سے مجبور ہو کر کچہری میں ملازمت کی، چنانچہ تعلیم کے ساتھ ساتھ ملازمت بھی جاری رکھی اور فارسی میں ایم۔اے کیا۔ آپ نے طالب علمی کے زمانے سے مزاحیہ مضامین لکھنا شروع کیے۔ علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۲۲ء میں وہیں کالج میں اردو کے پروفیسر ہوگئے۔

تصانیف:

ان کی اہم تصانیف یہ ہیں:

(۱)مضامین رشید (۲)خنداں(مزاحیہ مضامین)

(۳)گنج ہائے گراں مایہ(سوانحی خاکہ) (۴)طنزیات ومضحکات(طنزومزاح)

طرزِ تحریر کی خصوصیات:

رشید احمد صدیقی کی تحریری خصوصیات میں سے چند ایک یہ ہیں:

(۱)طنزومزاح:

رشید احمد صدیقی بہت ہی سنجیدہ قسم کے طنز نویس اور مزاح نگار ہیں۔مزاح نگاری کوئی آسان کام نہیں ہے اس کے لئے فکرِ کامل، قوتِ مشاہدہ، لطافتِ طبع، وسیع مطالعہ اور مہذب ماہر قلم کی ضرورت ہے۔ یہ سب کمالات رشید احمد صدیقی میں بدرجہ اتم موجود ہیں اس واسطے ان کے مزاح میں بلا کا اثر موجود ہوتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(۲)نیاڈھنگ:

ان کی نگاہ میں سماج کی جو خرابیاں نظر آتی ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو اوصاف ہمیشہ قابل عزت سمجھتے ہیں ان کی تبلیغ کرتے ہیں۔یوں تو انھوں نے مضامین بھی لکھے، دیوانوں کے مقدمے بھی لکھے، مرنے والوں کی خوبیاں بھی اجاگر کیں۔ لیکن ہر جگہ وہ ایک نئے ڈھنگ سے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں ان سب رنگوں میں ان کا مزاحیہ اور طنزیہ رنگ سب سے زیادہ مقبول ہے۔

(۳)خاکہ نگاری:

رشید احمد صاحب نے خاکہ نگاری میں بھی کمال کے جوہر دکھائے ہیں۔ان کے مضامین ’’گنج ہائے گراں مایہ‘‘اور’’ذاکر صاحب‘‘ان کے بہترین خاکے ہیں۔ان مضامین میں ممدوح کا مرقع پیش کیا گیا ہے اور یہ لوگ مرنے کے باوجود بھی زندہ معلوم ہوتے ہیں۔

(۴)تنقیدی شعور:

رشید احمد صدیقی نے اپنے ممدوح پر بے لاگ تبصرہ کرنے کی روایت کو بڑی تقویت بخشی۔ یہ ان کے تنقیدی احساس کا کمال ہے کہ انھوں نے مدلل مداحی سے بھی گریز کیا اور تنقید نگاری کو تنقیص نگاری اور قصیدہ گوئی کے الزام سے بھی محفوظ رکھا۔رشید احمد صدیقی کی تنقیدیں اردو ادب کا قابل فخر سرمایہ ہیں۔

(۵)رواداری:

رشید احمد صدیقی کی مرقع نویسی اور تنقید نگاری ایک متوازن رواداری کی خوب صورت روایت ہے۔انھوں نے اپنے طنزومزاح کو طعن وتشنیع سے ہمیشہ دور رکھا۔ان کے خاکے تنقیدی توازن کا دلنشین مرقع ہیں۔

(۶)سادہ نگاری:

رشید احمد صدیقی کی نثر سادہ بیانی اور سہل نگاری کے زمرے میں ضرور آتی ہے لیکن ابلی ہوئی کھچڑی کی طرح نہیں بل کہ اس سادگی میں بھی بلا کی حسن کاری پائی جاتی ہے۔ان کی تحریریں بین السطور معانی سے لبریز ہوتی ہیں۔

(۷) انشاپردازی:

آپ کی انشاپردازی کا حسن جو ظرافت کی چاشنی کی وجہ سے مزاحیہ مضامین میں بعض اوقات نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہے، ''گنج ہائے گراں مایہ'' میں اپنے بزرگوں اور دوستوں کی یاد کے سہارے نکھر کر ایک اور آب و تاب سے آیا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے چند بزرگوں، ادیبوں اور دوستوں کے سوانحی خاکے دلکش انداز میں پیش کئے ہیں۔

(۸) شائستگی و شگفتگی:

ان کی عبارت اپنے خیال کی بلندی اور الفاظ کی ترتیب کی وجہ سے عام فہم نہیں ہے لیکن ایک طرف کی روانی ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ شگفتگی مضمون کے ہر حصے میں ملتی ہے ان کی زبان عربی و فارسی الفاظ سے نقش و نگار حاصل کرتی ہے۔

(۹) اردو نثر میں غزل گوئی:

رشید احمد صدیقی کہیں کہیں اردو نثر میں غزل گوئی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں تصنع نہیں ہے۔ بعض اوقات بات چیت کا انداز معلوم ہوتا ہے۔ اس میں لطیفے بھی آجاتے ہیں اور اشعار بھی اور تلمیحات بھی۔ بقول نظیر صدیقی:

''اردو نثر میں اگر کسی نے غزل گوئی کی ہے تو وہ رشید صدیقی صاحب ہیں۔''

JOIN FOR MORE!!!

(۱۰) جامع نویسی:

رشید احمد صدیقی کی نثری تخلیقات میں جامع نویسی کا عنصر جگہ جگہ غالب نظر آتا ہے۔ وہ بڑی سے بڑی بات چھوٹے سے جملے میں ادا کرنے کا ایک خاص شعور رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر!

''مغلیہ عہد نے ہندوستان کو تین چیزیں عطا کیں۔ اردو زبان، تاج محل اور غالبؔ۔''

(۱۱) تحریف نگاری:

تحریف نگاری میں پطرس بخاری اور چراغ حسن حسرت کے ساتھ ساتھ رشید احمد صدیقی کا نام نمایاں مقام رکھتا ہے۔ انھوں نے تحریف کے لیے غالبؔ کے اشعار کا انتخاب کیا ہے۔ انھوں نے جہاں کہیں غالبؔ کے کسی مصرعے کی تحریف کی ہے، خود غالبؔ کی روح کو بھی مسکرانے پر مجبور کر دیا ہے۔ غالبؔ کا مشہور مصرعہ ہے:

''انگلیاں فگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا''

رشید احمد صدیقی نے اسے تحریف کر کے بے تحاشہ بھاگنے کی کیفیت کو بیان کرنے کے لیے یوں کہا:

''کہنیاں فگار اپنی گھٹنا خونچکاں اپنا''

ناقدین کی آرا:

☆.... ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

''خدمات کے پیش نظر رشید احمد صدیقی عہدِ حاضر کے طنز نگاروں میں سر فہرست ہیں۔''

☆.... ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں:

''جدید اردو نثر کے ممتاز طنز نگار رشید احمد صدیقی ہیں۔''

☆.... خلیل الرحمن اعظمی کہتے ہیں:

''رشید صاحب کی ادبی خدمات اور ان کا طرز نگارش دونوں کی انفرادیت مسلم ہے''۔

☆.... نظیر صدیقی کہتے ہیں:

''اردو نثر میں اگر کسی نے غزل گوئی کی ہے تو وہ رشید احمد صدیقی صاحب ہیں۔''

☆.... بابائے اردو مولوی عبدالحق کہتے ہیں:

''ان کا آرٹ بلیغ فقروں اور دلچسپ اشاروں، شوخ رنگوں اور گہری باتوں کا فن ہے۔''

چراغ حسن حسرؔت

تعارف:

چراغ حسن حسرؔت ۲۶ جون ۱۹۰۴ء کو کشمیر میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار اردو کے صفِ اول کے طنز نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ''سند باد جہازی'' کے نام سے فُکاہیہ کالم لکھا کرتے تھے۔ قبل ازیں وہ اپنے کالموں میں کولمبس کا قلمی نام بھی استعمال کرتے رہے۔ حسرؔت نے ایک ہفت روزہ رسالہ ''شیرازہ'' بھی جاری کیا۔ آپ نے اپنا صحافت نگاری کا سفر زمیندار، انصاف اور احسان جیسے اہم اخبارات سے وابستہ ہو کر کیا۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران ''فوجی اخبار'' کے مدیر بھی رہے۔

JOIN FOR MORE!!!

اہم تصانیف:

- مضامینِ حسرؔت
- حرف و حکایت
- سرگزشتِ اسلام
- مردم دیدہ (خاکے)
- اقبال نامہ
- باتیں حسن یار کی (شعری مجموعہ)
- قائد اعظم

کلام کی خصوصیات:

گو چراغ حسن حسرؔت عام طور پر مزاحیہ کالم لکھنے کے لیے مشہور تھے لیکن ان کو صرف کالم نگار سمجھ لینا مناسب نہیں۔ انھوں نے چار جلدوں میں اسلامی تاریخ لکھی جو عام فہم تاریخوں کے زمرے میں اولین شمار کی جانی چاہیے۔ زیر نظر سطور میں صرف ان کی مزاح نگاری کے ایک جائزے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) لطائف وواقعات:

مزاح پیدا کرنے کا ایک سادہ اسلوب یہ ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق کوئی لطیفہ سنا دیا جائے یا اس کا رشتہ اسی قسم کے کسی اور واقعہ سے جوڑ دیا جائے اس طرح واقعے کی نوعیت پر ایک نئی روشنی پڑتی ہے اور لطیفہ بھی نئے واقعے سے مل کر تازہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ مولانا چراغ حسن حسرؔت نے اپنے فکاہی کالموں میں اکثر اس طریقے سے کام لیا ہے اور ان کے لطائف زیر تبصرہ واقعات سے اتنی مطابقت رکھتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔

(۲) تلمیحات اور مزاح:

ان کے ذہنی ذخیرے میں تلمیحات کی بھی کمی نہ تھی اور وہ تاریخی تلمیحات کی مدد سے بھی مزاح پیدا کرنے پر قادر تھے۔ پرنس علی خان کی شادی کے موقع پر جنوبی فرانس میں جو دعوت ہوئی تھی اس میں عطر کا ایک تالاب بھی بنایا گیا تھا اس پر حسرت نے کہا کہ پرنس علی خان دراصل اپنے انتظامات میں ہر لحاظ سے حسن بن صباح کی جنت کی یاد تازہ کرانا چاہتے ہیں۔ چند ریگر صاحب جب وزارت چھوڑ کر سفیر ہوئے تو حسرت نے لکھا کہ گویا وہ ''ہدہد'' بن کر ''سبا'' کو جا رہے ہیں۔

(۳) رعایت لفظی:

اَن مل اور بے جوڑ اشیا میں مناسبت پیدا کرنے کے فن کی ایک صورت رعایت لفظی بھی ہے۔ حسرتؔ لفظی رعایات اس کثرت سے لاتے ہیں کہ بعض لوگوں کو اس پر اعتراض ہوا۔ ڈاکٹر تاثیر مرحوم نے ایک مضمون میں حسرتؔ و سالکؔ کے مزاح کا تجزیہ کرتے ہوئے سالکؔ کو اس وجہ سے برتر قرار دیا کہ وہ لفظی رعایت کے بجائے نفس مضمون سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ لیکن حسرتؔ محض الفاظ سے کھیلتے رہتے ہیں۔

(۴) معاصرانہ چھیڑ چھاڑ:

معاصرانہ چشمک زمانہ قدیم سے ادب پسندوں کی دلچسپی کا مرکز رہی ہے۔ شعرا ایک دوسرے کی ہجو لکھتے تھے اور یہ سلسلہ جواب اور جواب الجواب کی شکل اختیار کرتا تھا۔ تقسیم سے قبل حسرتؔ نے بھی اس قسم کے کئی معرکوں میں حصہ لیا۔ تقسیم کے بعد اس قسم کی چشمکوں میں انھوں نے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں لی البتہ اگر کوئی ان سے الجھ جاتا تو پھر وہ بھی ایسے جواب دیتے کہ اکثر موقعوں پر ثالثوں کو بیچ بچاؤ کرانا پڑتا۔

JOIN FOR MORE!!!

(۵) وسیع مطالعہ اور ایجاز و ایمائیت:

کلاسیکی موسیقی سے واقف ہونے کے سبب حسرت حرف وحکایت میں بعض ایسے اشارات مخفی کر دیتے تھے کہ وہی لوگ ان سے پُور الطف اٹھا سکتے تھے جو موسیقی کے رموز سے واقف ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک موسیقی ہی نہیں بلکہ ہر علم اور ہر فن کی متعلقہ معلومات کو حسرتؔ کچھ ایسے انداز سے اپنے کالموں میں کھپادیتے تھے کہ وہ مخفی اشارات کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔

(٦) دلچسپ انداز:

حسرت کا ایک اور امتیازی وصف یہ ہے کہ انھوں نے اپنے قارئین کو کبھی مایوس نہیں کیا۔ مزاح نگاری یوں بھی ایک مشکل فن ہے پھر روزانہ کالم نویسی کی آزمایش اور محنت طلبی سے تو شاید ہی کوئی انکار کر سکے لیکن مولانا اپنے وسیع علمی پس منظر اور بذلہ سنجی و نکتہ آفرینی کی فطری صلاحیتوں کی بدولت ہمیشہ اس آزمایش میں پورے اترے۔

(۷) مزاحیہ کالم نگاری:

چراغ حسن حسرتؔ کے بارے میں بلاخوف وتردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو ادب میں ان سے بڑا مزاحیہ کالم نویس اور طنز نگار آج تک پیدا نہیں ہوا، جہاں تک حسرتؔ کے نثری سرمایے کی بات ہے تو وہ شعری سرمایے سے کہیں زیادہ ہے۔ ان کا بہت سارا نثری سرمایہ ضائع ہو گیا۔

(۸) صحافتی ادب:

چراغ حسن حسرتؔ نے زندگی کا بیشتر حصہ صحافت نگاری میں گزارا اور یہ بات بھی سب کے علم میں ہے کہ انھوں نے صحافت بھی ادب کی سطح پر کی ہے۔ ہر کسی نے انھیں ادیب پہلے اور صحافی بعد میں لکھا ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن نشیں ہونی چاہیے کہ وہ صرف طنز و مزاح نگار ہی نہیں تھے بلکہ سنجیدہ نگاری میں بھی ان کا ایک اہم مقام اور مرتبہ ہے۔

(۹) تنوّعِ مضامین:

چراغ حسن حسرت کی نثر مختلف النوع موضوعات پر مشتمل ہے۔ وہ متین و سنجیدہ، خالص ادبی و رومانی اور مزاحیہ، الغرض ہر قسم کی نثر لکھتے تھے۔ چونکہ ان کی عملی زندگی کا آغاز صحافت کی دنیا سے ہوا تھا اس لیے کالم نگاری ان کی نثری تحریروں کا اہم حصہ شمار ہوتا

ہے۔اس کے علاوہ فکاہی مضامین، خاکہ نویسی، تراجم دیباچے، تنقیدات، تبصرے اور تحقیقی مضامین وغیرہ ان کی نثری تحریروں کی مختلف صورتیں ہیں۔ حسرؔت کی نثری تحریروں میں سب سے نمایاں تحریریں ان کے کالم ہیں۔

(۱۰) مقصدیت وافادیت:

چراغ حسن حسرتؔ کی تحریریں صرف شعور خوب وزشت ہی نہیں دیتے بلکہ فکر کی توفیق بھی عطا کرتے ہیں۔ان کے کالم ہوں یا دوسری نثری تحریریں ان سب میں ظرافت کے ساتھ ساتھ افادیت کے پہلو بھی نمایاں ہیں۔ موصوف نے تقریباً ہر موضوع پر کالم لکھے جو زندگی کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ان کے یہ کالم صرف ہنسنے ہنسانے یا ذہنی آسودگی کے لیے ہی نہیں ہیں بل کہ یہ اپنے اندر ایک تعمیری قوت بھی رکھتے ہیں۔

(۱۱) صنائع وبدائع:

چراغ حسن حسرتؔ اپنے ارد گرد اور مقامی موضوعات کو اپنے کالموں میں اچھوتے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ موصوف اپنی تحریروں میں زور اور اثر پیدا کرنے کے لیے محاورہ، تشبیہ، استعارہ اور ضرب الامثال کے علاوہ مبالغہ سے بھی کام لیتے ہیں۔ چونکہ کالموں میں بھی ان کا مقصد اصلاح ہے اس لیے تنقید کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(۱۲) سادگی اور بے ساختگی:

چراغ حسن حسرتؔ نے اپنے کالموں میں ظرافت کے لیے وہی زبان استعمال کی جس میں سادگی اور بے ساختہ پن ہے۔ کیوں کہ یہ بات طے ہے کہ مرصّع کاریوں اور لفظی صنّاعیوں میں الجھ کر ظرافت کا رنگ نکھر نہیں سکتا اور اس میں وہ شوخی جسے جان ظرافت کہا جاتا ہے، پیدا نہیں ہو سکتی۔

(۱۳) خاکہ نگاری:

چراغ حسن حسرتؔ کی خاکہ نگاری کی اگر بات کی جائے تو ان کے خاکوں میں قریب کا مشاہدہ ملتا ہے۔انہوں نے ان لوگوں کے بارے میں لکھا ہے جن سے ان کی ملاقات رہی۔ محفلوں یا مجلسوں میں ملتے رہے ہوں یا پھر جن کے ساتھ مل کر کام کیا تھا خاکوں کے حوالے سے ان کی مشہور کتاب ''مردم دیدہ'' سامنے آجاتی ہے۔

ناقدین کی آرا:

☆.... شورش کاشمیری لکھتے ہیں:

''وہ نثر کی ہر صنف پر قادر تھے، سیرت بھی لکھی، افسانے بھی تحریر کیے، تاریخ پر بھی قلم اٹھایا۔ بچوں کا نصاب بھی لکھا۔''

☆.... عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:

''ان کا اسلوبِ نگارش سادہ، سلیس اور دل نشیں ہے۔''

☆.... ڈاکٹر طیب منیر لکھتے ہیں:

''چراغ حسن حسرتؔ الفاظ کی نسلوں تک سے واقف تھے۔''

☆.... سید فیاض محمود لکھتے ہیں:

''ان کی ظرافت میں رکاکت کا نام نہیں کبھی گری ہوئی بات نہیں کرتے تھے۔''

خدیجہ مستور

تعارف:

اردو فکشن کی دنیا میں ایک معتبر اور مشہور نام خدیجہ مستور کا ہے۔ خدیجہ مستور کے افسانوں کے پانچ مجموعے سامنے آئے۔ جن میں بوچھاڑ اور چندر روز اور شامل ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں ان کو اپنے شہرہ آفاق ناول ''آنگن'' پر آدم جی ایوارڈ ملا۔ ان کا یہ ناول کردار نگاری، منظر نگاری اور اسلوب کے لحاظ سے منفرد ناول ہے۔ جب کہ اُن کے افسانوں کے آخری مجموعے ''ٹھنڈا میٹھا پانی'' پر انھیں ہجرہ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ڈاکٹر احسن فاروقی لکھتے ہیں:

''آنگن کسی ایک گھر کی کہانی نہیں بلکہ اس کینوس پر پورا برصغیر رنگ بکھیرتا نظر آتا ہے۔''

اہم تصانیف:

آنگن	زمین	ٹھنڈا میٹھا پانی	بوچھار
چندروز اور	تھکے ہارے		

JOIN FOR MORE!!!

خدیجہ مستور کی ناول نگاری:

خدیجہ مستور کی ناول نگاری کو شہرت ان کے ناول ''آنگن'' سے ملی۔ ان کی ناول نگاری کی چند خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) زبان و بیان پر قدرت:

خدیجہ مستور اچھے گھرانے کی فرد ہونے کی حیثیت سے اور تعلیم یافتہ ہونے کے سبب زبان و بیان پر قدرت رکھتی ہیں۔ عبارت رواں دواں لکھتی چلی جاتی ہیں جسے پڑھ کر قاری خوش ہو جاتا ہے۔ ان کے خوب صورت اسلوب نے ان کے ناولوں میں ایک خاص قسم کی انفرادیت پیدا کر دی ہے جو انھیں دیگر ناول نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔

(۲) انسانی نفسیات:

خدیجہ مستور کی ناول نگاری کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انسانی نفسیات کا لطیف پیرائے میں ذکر ملتا ہے۔ ناول آنگن میں مسلم لیگیوں کے مطالبے اور پاکستان سے وابستہ حالات پر جو تبصرہ ملتا ہے، اور چھوٹے چھوٹے جملوں اور فقروں کے ذریعے نظام ہند اور سیاسی تحریکوں پر جو طنز ملتا ہے اس سے انسانی نفسیات کی بخوبی ترجمانی ہوتی ہے۔

(۳) کردار نگاری:

ناول کی سب سے اہم خوبی کردار نگاری کی مضبوطی ہوتی ہے۔ خدیجہ مستور کی ناول نگاری میں کردار نگاری کی مضبوطی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ ناول آنگن میں ''عالیہ'' کا کردار اور ناول زمین میں ''ساجدہ'' کا کردار بہت حساس کردار ہیں اور اپنے طبقے کی نبض پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

(۴) عورت کی نفسیات:

خدیجہ مستور کے ناولوں میں عورت اور اس کی نفسیات کا عکس ملتا ہے۔ ''آنگن'' میں جہاں عالیہ، چھمی، پھوپھی، کریمن بوا وغیرہ کے کردار پیش کیے گئے ہیں وہیں ''زمین'' میں انھوں نے ساجدہ اور لالی کے کرداروں سے عورت کی ذہنیت کو ایک مثال بنا کر پیش کیا ہے۔

(۵)زندگی کی تصویر کشی:

ایک ناول نگار پہلے خود مشاہدات اور تجربات کی آنچ میں پکتا ہے اور تب وہ اپنے مخصوص نقطۂ نظر کے تحت انسانی زندگی کی تصوری کشی کرتا ہے اور نقطۂ حیات کی وضاحت کرتا ہے۔ اس روایت کو خدیجہ مستور نے اپنے ناولوں کے ذریعہ آگے بڑھایا ہے۔ خاص طور پر عورتوں کے کچھ مخصوص پہلوؤں کی نشاندہی بڑی کامیابی سے کی ہے۔

(٦)خاندانی رشتے اور تعلقات:

خدیجہ مستور نے اپنے ناولوں میں خاندانی رشتے اور تعلقات کے اتار چڑھاو کی بھی عکاسی کی ہے ۔ ''آنگن''میں عالیہ اور ''زمین''میں ساجدہ کے کرداروں کو پیش کرکے ان کی نفسیات اور ذہنی کشمکش کو پیش کیا ہے۔

(۷)سماج کی نشاندہی:

خدیجہ مستور نے اپنے ناولوں میں سماج کی نشاندہی بھرپور انداز میں کی ہے۔انھوں نے زندگی کے تجربات کو رسمی طور پر پیش نہیں کیا بل کہ اپنی حقیقی قوت اور گہری بصیرت کے ذریعہ انھیں غیر معمولی بلندی عطا کی ہے۔خدیجہ مستور نے عورتوں کی صورت حال کی جو عکاسی کی ہے اس سے بگڑے ہوئے سماج کی نشاندہی ہوتی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(۸)عشقیہ معاملات:

عشقیہ معاملات پیش کرتے ہوئے خدیجہ مستور نے رومانیت نہیں آنے دی اور نہ کہیں جذباتیت کا رنگ غالب ہونے دیا۔ بل کہ حقیقت پسندی کا مظاہر کرتے ہوئے حالات کی سچی تصویر پیش کی ہے۔

(۹)جزئیات نگاری:

خدیجہ مستور کو جزئیات نگاری میں بھی کمال حاصل ہے اسی بنا پر کرداروں اور واقعات کے تسلسل میں کہیں بھی کوئی ٹکراو پیدا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔

(۱۰)مکالمہ نگاری:

خدیجہ مستور کے ناولوں میں مکالمہ نگاری بھی پائی جاتی ہے۔ کہیں کہیں ادھورے جملوں سے تاثیر پیدا کی گئی ہے۔جذباتی موقعوں پر کہیں کہیں انتہا پسندانہ مکالمے آتے ہیں لیکن کہانی کے فطری بہاو میں رکاوٹ نہیں بنتے بلکہ اس کے ارتقا میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

ناقدین کی آرا:

☆....پروفیسر ممتاز حسین کہتے ہیں:

''خدیجہ میں جو یہ حوصلہ تھا اپنے مقدر ساز ماحول کو بدلنے کا، وہ ان کے فن کے طرۂ امتیاز ہے۔ لیکن وہ اپنے فن کی اس منزل تک آہستہ آہستہ پہنچی تھیں۔''

☆....ڈاکٹر اسلم آزاد کہتے ہیں:

''آنگن ایک شاہکار ناول ہے جس نے خدیجہ مستور کو دنیائے ادب میں جاوداں بنادیا ہے۔''

☆....پروفیسر وہاب اشرفی کہتے ہیں:

''فکشن نگار کی حیثیت سے خدیجہ مستور کی ایک جگہ ہے اور یہ جگہ بے حد اہم ہے۔''

☆ ....پروفیسر احتشام حسین کہتے ہیں:

''خدیجہ مستور کا بیان دل آویز اور اسلوب فنکارانہ ہے۔''

☆ ....پروفیسر وقار عظیم کہتے ہیں:

''ان کے انداز کی جرات اور بے باکی زندگی کے معمولی واقعات میں کوئی بھی نیا پہلو تلاش کر لیتی ہے۔''

ڈاکٹر اسلم فرخی

تعارف:

ڈاکٹر اسلم فرخی ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو لکھنؤ، میں پیدا ہوئے۔ ان کا سابق وطن فتح گڑھ، ضلع فرخ آباد تھا۔ انھوں نے ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جو صدیوں سے علم وادب کا گہوارہ تھا۔ ایسے ادبی ماحول کا اثر اسلم فرخی پر پڑنا فطری تھا یا یوں کہیے کہ ذوقِ سخن ان کو خاندانی ورثے میں ملا۔

JOIN FOR MORE!!!

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کا شمار ملک کے ممتاز دانشوروں میں ہوتا تھا۔ وہ استاد، شاعر، صاحب طرز نثر نگار، محقق، نقاد، بچوں کے ادیب اور ممتاز براڈ کاسٹر کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی نے براڈ کاسٹر کی حیثیت سے بھی بڑی خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر صاحب ریڈیو پاکستان کراچی سے بہ حیثیت مسودہ نگار چھ سال منسلک رہے ہیں۔ انھوں نے غزلیں اور نظمیں بھی لکھیں لیکن پھر بھی اپنے آپ کو شاعر نہیں کہتے۔ وہ کہتے تھے کہ نہ شاعری میری شناخت بنی اور نہ تحقیق۔ میری پہچان خاکہ نگاری کے علاوہ وہ کام ہے جو میں نے حضرت سلطان المشائخ کے حوالے سے کیا ہے۔ آپ کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے چیئرمین اور رجسٹرار بھی رہے۔

اہم تصانیف:

گلدستۂ احباب	رونقِ بزم جہاں	آنگن میں ستارے	سات آسمان
نظم رنگ	دبستان نظام	فرید وفردِ فرید	مولانا حسرت موہانی

ڈاکٹر اسلم فرخی کی خاکہ نگاری:

ڈاکٹر اسلم فرخی اردو خاکہ نگاری کا بڑا نام ہے۔ انھوں نے خاکہ نگاری کے تمام تر فنی لوازمات کا خیال رکھا ہے اور خاکے کی موضوع شخصیات کے تمام پہلوؤں کو بیان کیا ہے۔ ان کی خاکہ نگاری کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں۔

(۱) حلیہ نگاری:

خاکہ میں خاکہ نگار ممدوح کا حلیہ بیان کرتا ہے۔ حلیہ بیان کرتے ہوئے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ ممدوح کی شخصیت کی مکمل تصویر کشی ہو جاتی ہے۔ حلیہ نگاری باقاعدہ ایک فن ہے۔ ڈاکٹر اسلم فرخی اس فن میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ وہ خاکوں میں شخصیت کا ایسا نقشہ کھینچتے ہیں کہ الفاظ کے ذریعے شخصیت کی مصوری کر دیتے ہیں۔ ان کے خاکے سراپا نگاری (حلیہ نگاری) کا عمدہ نمونہ ہیں۔

(۲) زبان وبیان پر قدرت:

اسلم فرخی صاحب کے خاکوں کی سب سے نمایاں خوبی جو اردو ادب میں انھیں ہمیشہ نمایاں رکھے گی وہ ان کی زبان وبیان پر غیر معمولی قدرت ہے۔ وہ آسان اور سادہ نثر لکھتے ہیں اور روزمرہ کی زبان بڑی خوب صورتی سے استعمال کرتے ہیں۔ ان کی زبان وبیان میں

لطافت بھی ہے اور محاوروں اور ضرب المثل کی چاشنی بھی۔ ان کے خوب صورت اسلوب نے ان کے خاکوں میں ایک خاص قسم کی انفرادیت پیدا کر دی ہے جو انھیں دیگر خاکہ نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔

(۳) جزئیات نگاری:

اسلم فرخی صاحب کی خاکہ نگاری کی خصوصیات میں جزئیات نگاری بھی قابل ذکر ہے۔ وہ کسی بھی شے یا واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے اور ہر پہلو کو نہایت تفصیل سے بیان کرتے ہیں جس سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے پردۂ اسکرین پر فلم چل رہی ہو۔

(۴) خوبصورت تعبیر:

خاکوں میں موضوع شخصیات کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کی خامیوں کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے تاکہ موضوع شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ہو جائے۔ لیکن اس کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ موضوع خاکہ کا مجموعی تاثر منفی نہ ہو جائے۔ اس لیے اس میں حد درجہ احتیاط ملحوظ خاطر رکھنا پڑتی ہے۔ اسلم فرخی صاحب کے ہاں یہ احتیاط نمایاں ہے۔ وہ موضوع خاکہ کی خامیوں کا تذکرہ بھی اس خوب صورت انداز میں کرتے ہیں کہ وہ خامی بجائے خامی کے شخصیت کے مزاج اور خلوص کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(۵) افسانوی ادب:

خاکہ اور افسانے کا فن کئی اعتبار سے آپس میں مماثلت رکھتا ہے۔ ایک عمدہ خاکے میں افسانے کی طرح وحدت تاثر ضرور ہوتا ہے۔ اسلم فرخی صاحب کے اکثر خاکوں میں یہ خوبی نمایاں ہے۔ ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کے خاکے اپنے آپ کو خود پڑھواتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے خاکوں میں افسانوی ادب کی چاشنی موجود ہے جس کی وجہ سے خاکے میں قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔

(۶) سنجیدگی و متانت:

ڈاکٹر اسلم فرخی سنجیدہ ادبی شخصیت تھے۔ انھوں نے سنجیدہ ادبی اسلوب اختیار کیا ہے۔ ان کے اسلوب میں سطحیت نہیں ہے۔ ان کا اسلوب باکمال اور انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس میں شگفتگی ہے، انسانی وقار ہے، انسانی دوستی ہے۔ ان کا انداز دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ بردباری سے بھی معمور ہے۔

(۷) شوخی و ظرافت:

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کے خاکوں میں سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ظرافت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے خاکوں میں مزاح کا استعمال بروقت اور برمحل کرتے ہیں جس سے قاری کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہو جاتی ہے۔ وہ کبھی بے ساختہ اور کبھی لفظوں کے الٹ پھیر سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔

(۸) بامحاورہ زبان:

اسلم فرخی صاحب کو عورتوں کی گھریلو اور بامحاورہ زبان لکھنے میں بھی ملکہ حاصل ہے۔ ان کے خاکوں میں عورتوں کی زبان، محاورے، تشبیہات اور زبان کا چٹخارہ سب موجود ہے۔ ان کے تحریر کردہ خواتین کے مکالمے پڑھ کر محسوس ہوتا ہے جیسے سارا منظر نگاہوں کے سامنے آگیا ہو۔

(۹) تربیت و اصلاح:

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کی خاکہ نگاری کا ایک مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ وہ خاکوں میں قاری کی روحانی، اخلاقی اور اصلاحی تربیت کے

لیے موضوع کے اعتبار سے کوئی آیت، حدیث نصیحت آموز واقعہ یا کسی بزرگ کے اقوال پیش کر دیتے ہیں۔ خاص طور پر سلطان المشائخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے ملفوظات نمایاں ہیں۔

(۱۰) سیاسی واقعات:

اسلم فرخی صاحب کے خاکوں سے ان کے دور کے سیاسی اور تاریخی واقعات کا ذکر بھی شامل ہے۔ ان کے خاکوں میں تحریک پاکستان کے حوالے سے مسلم لیگ کا کردار، پاکستان کا پیغام پہنچانے کے لیے نوجوانوں کے جوش و خروش اور ہجرت کے دوران پیش آنے والے سانحات کے تذکرے کے ساتھ مشرقی پاکستان کی ابتر صورتحال اور پھر علیحدگی جیسے واقعات سے رونما ہونے والے انسانی المیے کی جھلکیاں بھی مل جاتی ہیں۔

(۱۱) سلاست و روانی:

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب علمی اور تہذیبی آدمی ہیں۔ یہی مثبت پہلو اور تہذیبی شعور ان کے خاکوں میں بھی نظر آتا ہے۔ ان کے خاکوں میں ایک روانی اور اعتدال کی کیفیت نمایاں ہے۔ انھوں نے تمام خاکوں میں شخصیات کو ان کی خوبیوں اور مثبت پہلوؤں کو بڑی فراخ دلی سے بیان کیا ہے جب کہ ان شخصیات کی خامیوں اور بشری کمزوریوں کو بھی ہمدردانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے خاکوں کی شخصیات کا منفی تاثر قائم نہیں ہوتا۔

JOIN FOR MORE!!!

(۱۲) بے جا طوالت:

اسلم فرخی صاحب کی خاکہ نگاری کی ایک خامی ان کے خاکوں کا طویل ہونا ہے۔ عام طور پر مختصر خاکوں کو پسند کیا جاتا ہے جب کہ ان کے اکثر خاکے مائل بہ طوالت ہیں۔ اس خامی کو انھوں نے دلچسپ اسلوب سے کسی قدر کم کیا ہے لیکن ایک عام قاری کے لیے طویل خاکوں کا مطالعہ کسی قدر مشکل ہو جاتا ہے۔

ناقدین کی آرا:

☆ ....ڈاکٹر فاطمہ حسن کہتی ہیں:

"ڈاکٹر اسلم فرخی عظیم انسان تھے۔ ادیب اور مدرس ان کی شخصیت کے دونوں حوالوں کو یکجا کریں تو وہ اپنی ذات میں پورا دبستان تھے۔"

☆ ....ڈاکٹر شاہد حنائی کہتے ہیں:

"ڈاکٹر اسلم فرخی اپنے ممدوح یعنی شخصیت کو دیکھتے اور پرکھتے ہی نہیں محسوس بھی کرتے ہیں۔"

☆ ....ڈاکٹر بشیر سیفی کہتے ہیں:

"اسلم فرخی اسلوب کی خوبیوں سے بخوبی واقف تھے۔ ان کے ہاں رچا بسا اسلوب ملتا ہے۔"

ڈاکٹر وزیر آغا

تعارف:

وزیر آغا کی پیدائش ۱۹۲۲ء میں وزیر کوٹ سرگودھا میں ہوئی۔ آپ نے ۱۹۵۶ء میں ''اردو ادب میں طنز و مزاح'' پر پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ وزیر آغا کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۵ء میں ہوا۔ ابتدا میں ''نصرت آرا نصرت'' کے نام سے نظمیں کہتے رہے اور ''نصیر آغا'' کے نام سے مضامین لکھتے رہے۔ آپ کی کئی ادبی حیثیتیں ہیں۔ غزل اور نظم کے شاعر تو ہیں ہی لیکن ان کا امتیاز بحیثیت نقاد کے بہت نمایاں ہے۔

وزیر آغا اپنی نوعیت کے پہلے نقاد ہیں جنھوں نے زمین اور کائنات کے دیومالائی تصور کو بروئے کار لاتے ہوئے شاعری اور دوسرے فنون کی تفہیم کا سلسلہ قائم کیا۔ ان کی کتاب ''اردو شاعری کا مزاج'' اپنی نوعیت کی پہلی اور آخری تنقیدی کاوش ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ انشائیہ کے موجد وزیر آغا ہی ہیں۔

اہم تصانیف:

اردو ادب میں طنز و مزاح	انشائیہ کے خدوخال	تنقید اور احتساب
غالب کا ذوقِ شاعری	نظمِ جدید کی کروٹیں	تخلیقی عمل

JOIN FOR MORE!!!

ڈاکٹر وزیر آغا کی انشائیہ نگاری:

ڈاکٹر وزیر آغا انشائیہ نگاری کا ایک منفرد نام ہے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے انشائیہ کو علیحدہ پہچان دی۔ ان کی انشائیہ نگاری کی اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) زندگی کی حقیقت:

وزیر آغا پوری زندگی کے بھید کو سمجھنے کی جستجو میں تھے۔ اس لیے ان کے لیے محض خارجی عوامل کی بنیادوں پر لکھتے چلے جانا ممکن نہ تھا اور وہ پوری زندگی کے اسرار کو سمجھنے کی دھن میں مگن ہو گئے۔ ان کی تخلیقات کی طرح ان کی تنقید بھی اسی جستجو سے عبارت ہے۔

(۲) شگفتگی و شائستگی:

وزیر آغا نے عام طنز و مزاح سے ہٹ کر انشائیہ نگاری شروع کی اور نمائش دنداں کے مقابلے میں زیرِ لب تبسم اور داخلی شگفتگی و تازگی پر زور دیا تاکہ جذبے کا اخراج نہ ہو بلکہ مسرت ہماری رگ و پے میں سرایت کر جائے۔ تخلیقی سطح پر اب گویا مسرت کی ماہیت کی تلاش اور پوری زندگی کی جستجو کے سفر ایک ہو گئے۔

(۳) ثنویت کا تصور:

وزیر آغا نے اپنی انشائیہ نگاری میں ثنویت کا تصور پیش کیا۔ روشنی کے مقابلے میں اگر اندھیرا نہ ہو تو روشنی کی پہچان ممکن نہیں۔ ثنویت کا یہ تصور وزیر آغا کی شہرہ آفاق تصنیف ''اردو شاعری کا مزاج'' میں زیادہ وضاحت کے ساتھ سامنے آیا، گویا کائنات میں یکسر یکتائی کا عالم نہیں بل کہ ہر ذرے کا ضدِ ذرہ موجود ہے اور دونوں کی بقا کا انحصار ایک دوسرے کے وجود پر ہے۔

(۴) زندگی کے مسائل:

اردو انشائیے پر عام اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس کا زندگی کے تحرکات اور مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔ وزیر آغا نے اس تصور کو سراسر غلط ثابت کیا۔ وزیر آغا کے انشائیے زندگی کے مسائل کی بات کرتے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ براہِ راست نہیں بلکہ غیر رسمی ہوتا ہے۔

(۵)اظہار کا موثر ذریعہ:

وزیر آغا نے نہ صرف اردو انشائیے کو اظہار کے مؤثر ذریعے کے طور پر سب سے پہلے متعارف کروایا بل کہ اس کی فنی شکل و صورت کو نکھار کر انشائیہ کا وہ چہرہ بنا دیا ہے کہ انشائیہ دوسری اصناف کے درمیان اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔انشائیہ اب ایک رجحان نہیں بلکہ ایک تحریک بن چکا ہے۔

(۶)موضوعات کی گہرائی:

وزیر آغا کے انشائیوں میں موضوعات کی گہرائی موجود ہے۔ وہ زمین اور معاشرے سے متعلق ہونے کے ساتھ ساتھ بہت وسیع افق بھی رکھتے ہیں۔ دراصل آغا صاحب اب اس مقام پر ہیں جہاں ان کی سوچ میں فلسفیانہ رنگ ابھر آیا ہے۔

(۷)صوفیانہ رنگ:

وزیر آغا عام سطح سے بلند ہو کر صوفی کے درجے پر جا پہنچے ہیں۔ لیکن یہ بات بہت اہم ہے کہ ان کا تصوف روایتی تصوف کی طرح کراماتی یا پیری و مریدی کے کسی سلسلے کا وسیلہ نہیں، بلکہ وہ اسے غور و فکر کی ایک کیفیت کے طور پر محسوس کرتے ہیں اور اپنے احساس کو دوسروں تک فکری سطح پر پہنچانا چاہتے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

(۸)منفرد اسلوب:

ڈاکٹر وزیر آغا ایک صاحبِ اسلوب ادیب ہیں۔ وہ تنقید میں اپنے اسلوب کے موجد ہیں۔ اردو انشائیہ میں تو خاص طور پر انھوں نے اسلوب کی اہمیت و ضرورت پر کافی زور دیا ہے۔ اسلوب کے نئے پن کے بغیر تخلیق میں مٹھاس پیدا نہیں ہوتی۔

(۹)ہمہ جہت شخصیت:

وزیر آغا ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں جس کے کئی روپ ہیں۔ انشائیہ کے لیے علم، فکر، فلسفہ اور نفاست کا ایک جگہ جمع ہونا ضروری ہے۔ وزیر آغا کی شخصیت میں یہ سارے پہلو موجود ہیں۔

(۱۰)وسعتِ نظری:

وزیر آغا کے اسلوب میں ان کی وسعت نظری بھی بہت اہم ہے۔ یہ وسعت انھوں نے دیہات کے ثقافتی ماحول سے حاصل کیا۔ دیہات میں رہنے والے شخص کی بصیرت ایک شہری کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ دیہات میں آدمی تخلیقی عمل کو بہت قریب سے مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ پھولوں کو کھلتے، کلیوں کو چٹکتے اور خوشبوؤں کو بکھرتے دیکھتا ہے۔ یہ بصیرت آغا صاحب کی انشائیہ نگاری میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ناقدین کی آرا:

☆.... ذوالفقار حسن کہتے ہیں: ”وزیر آغا کا انتقال ایک بہت بڑا ادبی نقصان ہوا ہے۔“

☆.... کاظم جعفری کہتے ہیں:

”ڈاکٹر وزیر آغا کا نام انشائیے کے ساتھ ایسا جڑ گیا ہے کہ جیسے ہی انشائیے کا نام آتا ہے ذہن فوراً وزیر آغا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔“

☆.... ڈاکٹر بشیر سیفی کہتے ہیں:

”ان کے انشائیوں کے متنوع اور رنگارنگ موضوعات ان کے وسیع تجربے اور گہرے مشاہدے کے غماز ہیں۔“

شاعری پر تبصرہ

JOIN FOR MORE!!!

طریقۂ جواب: شاعر کے طرزِ تحریر کی خصوصیات

۲۰ نمبر کے اس سوال کے جواب کے لیے صدرِ ممتحن کے ہدایت ناموں کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اُن کا حاصل درج ذیل ہو گا:

(الف) عمدہ تمہید۔

(ب) دس سے بارہ خصوصیات، تکرار نہ ہو، ہر خصوصیت کی وضاحت کے لیے مناسب شعر۔

(ج) تین، چار مستند ناقدین کی آرا۔

جوابی خاکہ

ابتدائیہ:

____

____

____

کلام کی خصوصیات:

JOIN FOR MORE!!!

۱۔ ______________

____

____

____

شعر: ______________________________

____

۲۔ ______________

____

____

____

شعر: ______________________________

____

ناقدین کی آرا:

۱) ______________

" ____ "

۲) ______________

" ____ "

۳) ______________

" ____ "

شاعری پر تبصرہ

میر تقی میرؔ

تعارف:

جانے کا نہیں شورِ سخن کا مرے ہرگز تا حشر جہاں میں میرا دیوان رہے گا

اس عظیم شاعر کا نام محمد تقی اور تخلص میرؔ تھا۔ ۱۷۲۳ء میں اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید عبداللہ تھا لیکن وہ علی متقی کی عرفیت سے مشہور ہیں۔ میر کی شاعرانہ تعلّی اپنی جگہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ میر کو اس دور کے شعرا اور نقادوں نے "خدائے سخن" اور "شہنشاہِ غزل" تسلیم کیا۔

JOIN FOR MORE!!!

مشہور تصانیف:

میرؔ تقی میر کی غزلوں کے چھ (۶) دیوان ہیں۔ آپ نے **"ذکرِ میرؔ"** کے نام سے آپ بیتی بھی لکھی۔

میر تقی میر کے محاسنِ کلام:

میرؔ تقی میر کے نمایاں محاسنِ کلام درج ذیل ہیں:۔

(۱) سوز و گداز:

میرؔ کا عہد افراتفری کا دور تھا۔ اگر میرؔ میں زمانے کی چوٹ کھانے اور زخم سہنے کی عادت نہ ہوتی تو زمانے کی بھیانک آندھی کے سامنے ان کی شخصیت اور شاعری کا چراغ گل ہو جاتا اس لیے میرؔ کی رام کہانی اس عہد کی داستان معلوم ہوتی ہے۔ میرؔ کی تنہائی پسندی اور خلوت نشینی انھیں اپنے عہد اور ماحول کی ترجمانی سے باز نہ رکھ سکی۔ اس عہد کی افراتفری، ذہنی انتشار، سکون کی تلاش، شرفا کی پریشان حالی اور معاش کی قلت کی جیتی جاگتی تصویریں ہمیں ان کے کلام سے ملتی ہیں۔ ؎

عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے، صبح ہوئی آرام کیا

مجھ کو شاعر نہ کہو میرؔ صاحب کہ میں نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

(۲) تصورِ عشق:

میرؔ کی دنیا میں عشق کی حکمرانی ہے جس میں ان کے خاندان کی تہذیب اور معاشرتی روایات کو بڑا دخل ہے ان کو شروع ہی سے عشق و محبت کی تعلیم دی گئی تھی۔ عکسِ کلام پیشِ نظر ہے: ؎

اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد جگر میں ہوتا ہے
ہم راتوں کو اٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے

دل تڑپے ہے جان کھپے ہے، حال جگر کیا ہوگا
مجنوں مجنوں لوگ کہے ہیں مجنوں کیا ہم سا ہوگا

(۳)دردوالم:

غم انسانی زندگی کا لازمی جزو ہے۔ انسانیت غم سے اور زیادہ سنورتی ہے یہ غم ہی ہے جس نے میرؔ کی شاعری میں حسن، موسیقیت، معصومانہ تخیل اور روانی و تاثر پیدا کر دیا ہے۔ ؎

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک میرے منہ کو دھوتا رہے گا
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ
ہے نام مجلسوں میں میرا میرؔ بدماغ

(۴)جذبات کی قربانی:

JOIN FOR MORE!!!

جب میرؔ اپنے احساسات اور تاثرات کو صفائی اور دردانگیزی کے ساتھ بیان کرتے ہیں تو ان کے اشعار میں ایسا ترنم پیدا ہوتا ہے گویا ان کی روح موسیقی میں آبسی ہے وہ الفاظ میں ایسا جادو بھر دیتے ہیں جس سے دل پر چوٹ سے لگتی ہے۔ میرؔ نے اپنے غم انگیز وجدان سے ایک الگ دنیا تعمیر کی ہے جو اپنی عظمت اور رنگ روپ کے اعتبار سے بالکل نئی ہے۔ ان کی شاعری میں رمزیت بھی پائی جاتی ہے۔ عکسِ کلام پیشِ نظر ہے: ؎

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

(۵)خودداری:

میرؔ کی ایک اور خصوصیت ان کی غیرت اور خودداری ہے۔ وہ اُمرا اور رُءَسا سے میل جول کو پسند نہ کرتے تھے کہ اس سے ان کی خودداری کو ٹھیس نہ لگے۔ وہ بے حد کم گو اور آزاد طبیعت واقع ہوئے تھے۔ مفلسی اور درویشی نے ان کی اعلیٰ ظرفی کو اور بلند تر کر دیا تھا۔ اسی خودداری کی واضح جھلک ان کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر: ؎

آگے کسی کے کیا کریں دستِ طمع دراز   ہاتھ سوگیا ہے سرہانے دھرے دھرے

(۶)تصوف و فلسفہ:

میرؔ تصوف کے نہیں تغزّل کے شاعر ہیں لیکن اس دور کے رواج کے مطابق ان کی شاعری میں عارفانہ مضامین بھی ملتے ہیں۔ اسی طرح ان کی شاعری میں فلسفہ کا اثر بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ فلسفہ کوئی ٹھوس حقیقت نہیں ہے۔ مثلاً ؎

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا
سرسری تم جہاں سے گزرے
ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

(۷)عام فہم انداز:

میرؔ کے کلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کا انداز نہایت عام فہم ہے جس کو ہر عام و خاص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ میرؔ اپنے کلام کے بارے میں خود کہتے ہیں:

شعر میرے ہیں گو خواص پسند　　گفتگو پر مجھے عوام سے ہے

(۸)صنائع و بدائع:

میرؔ کو اسالیب بیان پر بڑی قدرت حاصل تھی انھوں نے اکثر فارسی تراکیب یا ان کے ترجموں کو انتہائی خوبصورتی سے اپنے کلام میں سمویا ہے۔ اسی طرح تشبیہات اور استعارے جو ہر شاعری کی جان ہوتی ہیں، اگر خوبصورتی سے برتے جائیں تو شعر کا حسن دو بالا کر دیتے ہیں۔ میرؔ نے ان کا استعمال بھی دلکش انداز میں کیا ہے۔ عکسِ کلام پیش ہے:

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں　　ساری مستی شراب کی سی ہے

(۹)رمزیت و ایمائیت:

JOIN FOR MORE!!!

شاعری عموماً اور غزل خصوصاً رمز و ایما کا فن ہے یعنی بات کو ڈھانک چھپا کر بیان کرنا۔ اپنے کلام کی اس خصوصیت کا اظہار میرؔ نے اپنے اس شعر میں کیا ہے:

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات　　کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

(۱۰)موسیقیت:

میرؔ نرم اور لطیف الفاظ کو اپنے اشعار میں نہایت سلیقہ مندی سے استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے کلام میں نغمگی اور موسیقی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ خوبی میرؔ کی ان غزلوں میں خاص طور پر نمایاں ہے جو طویل بحروں میں کہی گئی ہیں، مثلاً:

پتا پتا، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے　　جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

ناقدین کی آرا:

☆.... مجنوں گورکھپوری کہتے ہیں:

"اردو شاعری بھی اپنا خدا رکھتی ہے اور وہ میرؔ کہلاتا ہے۔"

☆.... ڈاکٹر ابواللیث کہتے ہیں:

"میر تقی میرؔ شہنشاہ سخن ہیں۔ ان کا کلام جیسا ان کے زمانے میں مقبول تھا ویسا آج بھی مقبول ہے۔"

☆.... مولوی عبدالحق کہتے ہیں:

"میر تقی میرؔ سرتاج شعرائے اردو ہیں۔ ان کا کلام اسی ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا جیسے سعدی کا کلام فارسی میں۔"

☆.... ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں:

"اردو کے بہت کم شاعروں کے یہاں حقائق کی جستجو کے لئے اتنی تڑپ پائی جاتی ہے جتنی کے میرؔ کے کلام میں۔"

☆.... غالبؔ کہتے ہیں:

ریختہ کے تم ہی استاد نہیں ہو غالبؔ　　کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

☆.....ذوقؔ کہتے ہیں:

نہ ہوا پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب　　ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

☆.....ابنِ انشاؔ کہتے ہیں:

اک بات کہو تو انشاؔ جی، تمھیں ریختہ کہتے عمر ہوئی　　تم ایک جہاں کا علم پڑھے، کوئی میرؔ سا شعر کہا تم نے؟

☆.....حسرتؔ موہانی کہتے ہیں:

شعر میرے بھی ہیں پُر درد لیکن حسرتؔ　　میرؔ کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں؟

خواجہ میر دردؔ

تعارف:

سید خواجہ میر نام اور دردؔ تخلص تھا۔ دردؔ اردو ادب میں صوفی شاعر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ باپ کا نام محمد ناصر عندلیب تھا۔ ۱۷۱۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب ایک صاحب دیوانِ صوفی شاعر اور گوشہ نشیں بزرگ تھے۔ دردؔ کی تعلیم اسی دینی ماحول میں ہوئی۔ خواجہ صاحب نے ابتدا میں فوج کی ملازمت کی لیکن والد کے حکم پر ملازمت چھوڑ کر اٹھائیس برس کی عمر میں گوشہ نشیں ہو گئے اور باپ کے انتقال کے بعد ان کی سجادہ نشیں اور قائم مقام ہوئے۔ اس کا اثر ان کی شاعری پر پڑا اور دردؔ نے غزل میں تصوفانہ خیالات داخل کیے۔

JOIN FOR MORE!!!

خصوصیاتِ کلام:

خواجہ میر دردؔ کے نمایاں محاسنِ کلام درج ذیل ہیں:

(۱) تصوف:

تصوف "صوفیت" سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا عشق۔ دردؔ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اسے فن بنایا۔ خواجہ میر دردؔ نے تصوف میں جو کہا آج تک کسی سے نہ ہوا۔ دردؔ کی عظمت اس میں ہے کہ ان کی شاعری ایک صوفی کی شاعری معلوم ہوتی ہیں۔ وہ صوفیانہ عقائد اور مسائل کا تذکرہ ہی نہیں کرتے بلکہ ان کی شاعری کا لب و لہجہ صوفیانہ ہے۔ مثال کے طور پر:

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا　　تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے　　میرا ہی دل ہے کہ جہاں تو سما سکے

(۲) قناعت پسندی:

دردؔ ان کی شاعری میں مصائب زندگی کے خلاف شکوہ شکایت کا وہ رنگ موجود نہیں جو میرؔ کے کلام میں ملتا ہے۔ ان کی فریاد میں تلخی و یاس نہیں۔ جبکہ زمانے کی ہلاکت خیزیوں کے سامنے بڑے بڑے ثابت قدم ہار گئے، دردؔ نے اپنا ثبات اور استقلال نہ چھوڑا۔ انھوں نے اپنے دور کے واقعات کے اشارات بھی بہت کم کیے ہیں اور حالات کے گرم و سرد کو اپنی فطرت اور سینے میں سمو لیا ہے۔

عکسِ کلام پیش ہے:

آیا نہ اعتدال میں ہر گز مزاج دہر　　میں گرچہ گرم و سرد زمانہ سمو گیا

(۳) خودستائی:

دؔرد کے کلام میں خودستائی کا عنصر بھی واضح رہا۔ کہیں کہیں وہ اپنی تعریف کرتے دکھائی دیے۔ مثلاً:

یاں میں زمینِ شعر میں یہ تخم بو گیا
پھولے گا اس زبان میں گلزارِ معرفت

(۴) دنیا کی بے ثباتی:

دؔرد چونکہ صوفی شاعر ہیں اور ان کا دل خالقِ حقیقی کے عشق سے سرشار ہے اس لیے انھوں نے ہمیشہ اپنے کلام کے ذریعے اس امر کو واضح کیا کہ دنیا حقیقی ٹھکانہ نہیں بلکہ حقیقی گھر تو آخرت ہے۔ دؔرد کے کلام میں ہمیں جا بجا دنیا کی حقیقت اور بے ثباتی عیاں نظر آتی ہے۔ مثلاً:

وائے نادانی! وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

دؔرد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے، کدھر چلے

(۵) سوز و گداز:

دؔرد کے کلام میں سوز و گداز کثرت سے موجود ہے۔ وہ اکثر سوز کو بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام میں دنیا کے ہموم و غموم اور مصائب و آلام کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے۔ بلکہ انھوں نے تو زندگی کو طوفان کہہ ڈالا:

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

JOIN FOR MORE!!!

(۶) وحدت الوجود:

صوفیاء کے دو مختلف مکتبہ خیال ہیں۔ پہلا وحدت الوجود، ان لوگوں کا خیال ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں وجود حقیقی کا حصہ ہیں اور ہر شے میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔ دوسرا وحدت الشہود، ان لوگوں کا خیال ہے کہ تمام اشیا خدا نے خارج سے پیدا کیں ہیں اور کائنات کی تمام چیزیں مظہر خداوندی ہیں۔ دؔرد وحدت الوجود کے نظریہ کے قائل ہیں۔ مثلاً:

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے

(۷) شرفِ انسانیت:

دؔرد کے یہاں عظمتِ انسانی کا احساس سب سے زیادہ ہے۔ وہ صوفیانہ آداب محفل جو شاہ عالم کو بھری محفل میں ٹوک دیتے ہیں۔ ان کے کلام میں جگہ جگہ پائی جاتی ہیں۔ وہ جگہ جگہ انسانیت کی عظمت کا پرچار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً:

باغِ جہاں کے گل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں
گر یار ہیں تو ہم ہیں، اغیار ہیں تو ہم ہیں

وابستہ ہے ہمیں سے گر جبر و گر قدر
مجبور ہیں تو ہم ہیں، مختار ہیں تو ہم ہیں

(۸) رنگِ تغزل:

دؔرد کے یہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن میں خالص عشق کا انداز پایا جاتا ہے لیکن انھوں نے جو عشقیہ اشعار کہے ہیں اور حسن و عشق کے نغمے الاپے ہیں اس میں بھی پاکیزگیِ تخیل اور احترامِ حسن و عشق پایا جاتا ہے۔ مثلاً:

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں

(۹) اخلاقی مضامین:

دردؔ ایک صوفی شاعر ہیں۔ روزمرہ زندگی کی طرح اپنی شاعری اور کلام کے ذریعے بھی وہ دوسروں کی اصلاح اور تربیت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ دردؔ کی شاعری میں ہمیں جابجا اخلاقی مضامین بھی ملتے ہیں، مثلاً:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کیلیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

(۱۱) فصاحت وبلاغت:

اچھا شاعر وہ ہوتا ہے جس کی بات پڑھنے والا آسانی سے اور فوراً سمجھ جائے۔ اس خوبی کے لیے زبان وبیان پر پوری قدرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دردؔ اس خوبی سے مالا مال ہیں۔ زبان وبیان پر انھیں مکمل عبور حاصل ہے۔ الفاظ کے چناو میں بھی انھیں بڑی مہارت حاصل ہے۔ اسی لیے ان کا کلام ہر پڑھنے والا نہ صرف فوری طور پر سمجھ جاتا ہے بلکہ اس میں موجود پیغام بھی قبول کر لیتا ہے۔

ان دنوں کچھ عجب ہے میرا حال دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہے

ناقدین کی آرا:

☆.... میر تقی میرؔ کہتے ہیں: ”دردؔ ریختہ کا زور آور شاعر ہے۔“

☆.... محمد حسین آزادؔ کہتے ہیں:

”چھوٹی چھوٹی بحروں میں جو اکثر غزلیں لکھتے ہیں گویا تلواروں کی آبداری نشتر میں بھر دیتے ہیں۔“

☆.... امیرؔ مینائی کہتے ہیں: ”یہ پسی ہوئی بجلیاں معلوم ہوتی ہیں“۔

☆.... رام بابو سکسینہ کہتے ہیں: ”دردؔ اردو شاعری کے تاج کا سب سے بڑا ہیرا ہے۔“

☆.... میر حسنؔ ان کے کلام کے بارے میں کہتے ہیں:

”خواجہ میر دردؔ کا کلام اگرچہ مختصر ہے لیکن حافظ کے کلام کی طرح سراپا انتخاب ہے“۔

☆.... مرزا علی خاں لطف فرماتے ہیں: ”اگرچہ دیوان مختصر ہے مگر سراپا درد واثر ہے۔“

☆.... عظمت اللہ خان تحریر فرماتے ہیں: ”خواجہ میر دردؔ اردو ادبیات میں صوفیانہ شاعری کے باوا آدم ہیں۔“

JOIN FOR MORE!!!

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ

حرفِ آغاز:

پوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے کوئی بتلاو کہ ہم بتلائیں کیا

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ کا تعارف کرانا بلاشبہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ وہ اردو شاعری کی دنیا کے وہ درخشاں آفتاب ہیں جو تاقیامت اسی آب وتاب سے روشن رہے گا۔ غالبؔ بحیثیت شاعر ایک ایسی شخصیت ہے جو زمان ومکان کی قید سے آزاد ہیں۔ وہ ایک مکمل دور ہیں۔ غالبؔ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔ وہ ایک منفرد اندازِ فکر کے بانی ہیں۔ ان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے دیوان کو ”ہندوستان کی الہامی کتاب“، تسلیم کیا گیا۔ ان کی شاعرانہ عظمت کو ہر دور میں تسلیم کیا گیا۔ خود وہ بھی اس کا ادراک رکھتے ہیں، چنانچہ رقم طراز ہیں:

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

خصوصیاتِ کلامِ غاؔلب:

غاؔلب کی ریختہ نگاری کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱)جدت طرازی:

غاؔلب کے قصرِ نظم ونثر کی بنیاد ہی جدتِ خیال و بیان پر رکھی گئی ہے۔ان کی اختراع پسند طبیعت بیان کے نئے نئے پیرائے تلاش کرتی ہے۔ یہ جدت ادا میں، مضامین میں، تشبیہات میں،استعارات میں، خیال میں، غرض ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہے۔

بقول حالیؔ:

"جس روش پر دوسرے چل رہے تھے مرزا نے اس سے الگ ایک نئی روش اختیار کی۔"

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ — ہائے اس زودِ پشیماں کا پشیماں ہونا

(۲)جدتِ ادا:

غاؔلب کی شاعری میں جہاں نت نئے موضوعات بیان ہوئے ہیں۔ وہاں ان کا طرزِ ادا بھی بہت مختلف اور منفرد ہے۔ وہ معمولی مضامین اس حسن وخوبی سے شعر میں باندھتے ہیں کہ دل میں اتر جاتے ہیں۔غالب کی شاعرانہ عظمت کا قصر ان کی جدت طرازی پر تعمیر ہوا ہے۔ مثلاً:

تیری وفا سے کیا ہو تلافی، کہ دہر میں — تیرے سوا بھی ہم پر بہت سے ستم ہوئے

(۳)فکر وفلسفہ:

غاؔلب کا مزاج فلسفیانہ ہے۔ وہ حیات و کائنات کے مختلف پہلوؤں پر مفکرانہ اور حکیمانہ خیالات رکھتے ہیں۔اسی وجہ سے غزل حدیث دلبری سے بڑھ کر حدیثِ زندگی بن گئی ہے۔غاؔلب کا یہ فلسفہ زندگی کی پر پیچ راہوں میں روشنی کی مانند ہے۔عکسِ کلام ملاحظہ کیجئے:؎

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ! — عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے — ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

(۴)روایت سے بغاوت:

غاؔلب طبعاً ایک جدت طراز اور روایت شکن شاعر تھے۔وہ زندگی میں تقلید کی روش کو پسند نہیں کرتے۔انھوں نے روایت پرستی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور زندگی کو عطیہ خداوندی سمجھ کر اس کے گوناگوں حسن کی طرف اپنی چشم تماشا کو وا کیا۔انھوں نے زندگی کی تکلیفوں پر کڑھنے کے بجائے ایک حوصلے سے کام لیا۔وہ ایسی روایات پر بھی بے باکانہ تنقید کرتے ہیں جو ہمارے لیے طے شدہ حقائق کا درجہ رکھتی ہیں۔مثلاً: ؎

ایسی جنت کا کیا کرے کوئی — جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں — مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

(۵)ندرتِ خیال:

خیال کی ندرت غاؔلب کی بہت اہم خصوصیت ہے۔وہ غزل کے انوکھے مضامین کو زیادہ موثر اور شگفتہ بنانے کے لئے خوبصورت تراکیب،استعارات اور نادر تشبیہات سے کام لیتے ہیں۔مثلاً: ؎

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا — آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

JOIN FOR MORE!!!

(۶) جذبۂ عشق:

غالبؔ کا نظریۂ عشق بھی اوروں سے مختلف ہے۔ نہ وہ سوز و گداز ہے اور نہ وہ سپردگی اور والہانہ پن ہے۔ ان کے درد و غم پر ہنس لینے کا جذبہ موجود ہے۔ عشق کی وجدانی اور حیات کی آسودگی کا اظہار بھی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا
درد کی دوا پائی، درد بے دوا پایا

(۷) حقیقت پسندی:

غالبؔ فطرتِ انسانی اور نفسیات کے گہرے رمز آشنا تھے۔ وہ زندگی اور اس کے مصائب و وسائل کو حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھتے تھے۔ انھیں انسانی نفسیات کا گہرا شعور حاصل ہے۔ اور انھوں نے اپنے اس شعور سے نہایت مفید نتائج اخذ کیے ہیں۔ مثلاً:

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

(۸) مضمون آفرینی:

غالبؔ کے نزدیک شاعری محض قافیہ پیمائی نہیں، بلکہ مضمون آفرینی ہے۔ وہ اشعار میں خیال افروز نکات اور باریکیاں بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منھ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

JOIN FOR MORE!!!

(۹) ایجاز و اختصار:

غزل میں بات ڈھکا چھپا کر کہنا ان کی بنیادی خصوصیت ہے۔ غالبؔ کم سے کم الفاظ میں بڑے بڑے مضامین یوں ادا کرتے ہیں گویا دریا کو کوزے میں بند کر رہے ہوں۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:

کیا فرض ہے سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

(۱۰) غم پسندی:

غالبؔ غم کو بہ خوشی دل سے لگائے ہوئے ہیں۔ ان کے نظریۂ زندگی کے مطابق زندگی کے ہنگاموں میں احساسِ غم کا بہت بڑا حصہ ہے۔ زندگی کی یہ ہماہمی، نوحۂ غم یا نغمۂ الم کی وجہ سے قائم ہے۔

نالہ ہائے غم کو بھی اے دل! غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

(۱۱) تصوّف:

غالبؔ کی غزل میں ہمیں تصوف کے حقائق بھی جا بجا ملتے ہیں۔ جب وہ اس کائنات کو ایک صوفی کی نظر سے دیکھتے ہیں تو معرفت کے نہایت پاکیزہ اور باریک نکتے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً:

جب کہ تجھ بِن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

مسائلِ تصوف کو بیان کرتے ہوئے خود سے مخاطب ہیں:

یہ مسائل تصوف، یہ تیرا اندازِ بیاں غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے، جو نہ بادہ خوار ہوتا

(۱۲) نئی تراکیب:

مرزا غالبؔ چوں کہ ہر کام میں جدّت کے قائل تھے۔ اسی لیے انھوں نے اردو زبان کو نئی نئی تراکیب اور نئے الفاظ عطا کیے جس

سے اردو غزل کو ایک نئی آن بان ملی اور اس کی دلکشی اور جاذبیت میں اضافہ ہوا۔ ان نئی تراکیب کا استعمال غالؔب نے اس خوب صورتی سے کیا کہ وہی شعر کا حسن بن گئیں۔ ان کے دیوان کا آغاز ہی ایسے شعر سے ہوتا ہے جس میں چار نئی تراکیب استعمال ہوئی ہیں۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا　　کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

اس شعر میں "نقش فریادی، شوخیِ تحریر، کاغذی پیرہن اور پیکرِ تصویر"، چار نئی تراکیب استعمال کی گئی ہیں جو نئی ہونے کے باوجود غیر مانوس محسوس نہیں ہوتیں۔ اور یہ تراکیب ہی شعر کی جان بن گئی ہیں۔

ناقدین کی آرا:

☆.... مجنوں گورکھ پوری کہتے ہیں: "غالؔب اردو شاعری کے نئے رہ نما ہیں اور دیوانِ غالب اردو کا نیا موڑ ہے۔"

☆.... ڈاکٹر سید عبداللہ غالؔب کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"غالؔب کی غزل عام اہل ذوق کے لئے اس لئے زیادہ دل پسند واقع ہوئی ہے کہ اس میں ہم جس انسان سے متعارف ہوتے ہیں اس میں زندگی کی تڑپ زیادہ ہے اس لیے شخصیت میں تمنائے حیات کا عنصر زیادہ ہے۔"

☆.... ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں:

"ان کی ظرافت نے ان کی انانیت سے دوچار ہو کر ہمہ گیر طنز کی صورت اختیار کرلی تھی۔"

☆.... ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کہتے ہیں: "ہندوستان کی دو الہامی کتابیں ہیں، ایک وید اور دوسری دیوانِ غالؔب۔"

☆.... پروفیسر رشید احمد صدیقی کہتے ہیں: "مغلوں نے ہندوستان کو تین تحفے دیے، تاج محل، اردو اور مرزا غالؔب۔"

☆.... خلیل الرحمن اعظمی کہتے ہیں:

"غالؔب کے اشعار ایک تراشے ہوئے نگینے کی مانند ہیں جو ہر پہلو سے ایک نیا انداز دکھاتا ہے۔"

☆.... فیضؔ لکھتے ہیں: "غالؔب ایک فرد نہیں ایک نسل ہے۔ ایک ایسی نسل کا نغمہ جو دفنائی نہیں گئی۔"

☆.... خود غالؔب اپنے بارے میں کہتے ہیں:

در خورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا　　پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

JOIN FOR MORE!!!

مومن خان مومؔن

تمہید و آغاز:

غالؔب کے ہم عصروں میں سب سے معتبر نام حکیم مومن خان مومؔن کا ہے جن کے کلام کا شہرہ غالؔب کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور غالؔب ایسے محتاط اور کسی حد تک انا پرست نے بھی انھیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ جب ان کا یہ شعر منظرِ عام پر آیا کہ

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تو غالؔب نے کہا کہ میں اس شعر کے بدلے اپنا پورا دیوان دینے کو تیار ہوں۔ غالؔب اور ذوؔق کے مقابلے میں مومؔن اس اعتبار سے پیچھے رہے کہ انھیں ان دونوں شعرا کی طرح کوئی نقاد میسر نہیں آیا جو تاریخی طور پر ان کی ادبی حیثیت کا ڈنکا بجاتا جو کہ غالؔب کے لیے حالؔی نے "یادگارِ غالؔب" لکھ کر کیا اور محمد حسین آزاؔد نے ذوؔق کی تعریف و تحسین کا ذمہ اٹھایا۔ یہ دونوں حضرات بالترتیب غالؔب اور ذوؔق کے شاگرد تھے۔

کلام کی خصوصیات:

مومن خان مومن کے کلام کی چیدہ چیدہ خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) رنگِ تغزل:

مومن اپنے اندازِ سخن اور اسلوب بیان کے لحاظ سے سب سے علیحدہ اور منفرد شاعر ہیں۔ ان کا مزاج عاشقانہ تھا۔ اس لیے انھوں نے غزل کو تغزل کی پوری رعنائی اور نزاکتوں کے ساتھ سنوارا ہے۔ مومن خالصتاً عشق مجازی کے شاعر ہیں۔ ان کا عشق بازاری نہیں۔ ان کے عشق میں تلخ و شیریں سب تجربات ملتے ہیں۔

میں بھی خوش نہیں وفا کر کے ۔۔۔ تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی
ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا ۔۔۔ جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ میں

(۲) معاملہ بندی:

شاعری میں مُحبّ و محبوب کی ناز و نیاز کی باتوں کو معاملہ بندی کہتے ہیں۔ عشق و محبت کے معاملات اور وارداتِ قلبی کو مومن نے بعض اوقات کھل کر بیان کیا ہے۔ مومن سے قبل قلندر بخش جرات کے یہاں معاملہ بندی نظر آتی ہے لیکن معاملہ بندی میں جو شہرت مومن کو حاصل ہوئی وہ اردو شاعری میں کسی اور شاعر کو نہ مل سکی۔ ان کے یہ اشعار معاملہ بندی کے حوالے سے زبانِ زدِ عام و خاص ہیں۔

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

میں نے تم کو دل دیا، تم نے مجھے رسوا کیا
میں نے تم سے کیا کیا تم نے مجھ سے کیا کیا

JOIN FOR MORE!!!

(۳) تخلص کا استعمال:

مومن خان مومن کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ اپنے نام، جو ان کا تخلص بھی ہے، اپنے کلام میں بڑے خوب صورت انداز میں استعمال کرتے ہیں جس سے شعر کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ مقطع میں تخلص کا اس طرح استعمال مومن کے علاوہ کسی اور شاعر نے نہیں کیا۔ اکثر مقطع میں اپنے نام ''مومن'' کے ساتھ ''بت''، ''صیاد'' یا ''کافر'' کے الفاظ بطورِ متضاد لفظ برتتے ہیں۔ مثلاً

حسن انجام کا مومن مرے بارے ہے خیال ۔۔۔ یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے
کہا اُس بُت سے جب، ''مرتا ہے مومن'' ۔۔۔ کہا ''میں کیا کروں؟ مرضی خدا کی''

(۴) خودداری:

مومن کی شاعری میں قناعت اور خودداری ہے جو ان کے مزاج میں بھی تھی۔ انھوں نے کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا اور نہ کسی امیر و بادشاہ کی شان می قصیدہ لکھا۔ ہاں حضور اکرم ﷺ کی شان میں قصائد لکھے۔ ان کی شاعری میں خودداری کا عنصر بھی ہمیں نظر آتا ہے۔ جیسا کہ ایک شعر میں مومن کہتے ہیں

منتِ حضرتِ عیسیٰ نہ اٹھائیں گے کبھی ۔۔۔ زندگی کے لیے شرمندۂ احساں ہوں گے؟

(۵) پہلودار شاعری:

مومؔن کے یہاں فکر اور جذبے کا حسین امتزاج ہے۔ فکر کی بدولت وہ کسی بات کو سیدھے سادھے انداز میں بیان کرنا پسند نہیں کرتے بل کہ اپنا مقصد پیچ دار بنا کر پیش کرتے ہیں۔ جس سے قاری ایک شعر میں کئی مطالب نکال سکتا ہے۔ یہ خاصیت مومؔن کے کلام میں جابجا ہمیں نظر آتی ہے۔ جیسا کہ ؎

چمن میں کوئی اُس کُو سے نہ آیا گئی برباد سب محنت صبا کی

(۶) نزاکتِ خیال:

مومؔن کا طریقہ بیان کچھ ایسا دل پسند اور مرغوبِ خاطر ہے کہ معمولی سے معمولی بات بھی جب وہ بیان کرتے ہیں تو وہ انوکھی اور حسین دکھائی دیتی ہے۔ اس شعر کی سادگی وسلاست اور بے ساختگی پر کہتے ہیں کہ مرزا غاؔلب اپنا پورا دیوان دینے پر تیار ہو گئے تھے۔ اس شعر میں لفظ ''گویا'' کی ذو معنویت قابلِ تعریف ہے۔ یہ شعر مومؔن کے مشہور و معروف اشعار میں سے ایک ہے۔ ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

JOIN FOR MORE!!!

(۷) روزمرہ اور محاورہ کا استعمال:

روزمرہ اور محاورہ ہی زبان کی اصل اور سند ہوتی ہے۔ دوسرے شعرا کی طرح مومؔن نے بھی روزمرہ اور محاورہ کا استعمال برجستہ اور بے ساختہ انداز میں کیا ہے۔ مقدمہ شعر و شاعری میں حاؔلی نے غاؔلب کے شعر سے موازنے کے بعد مومؔن کے اس شعر کو داد و تحسین سے نوازا اور کہا ''اس شعر میں مضمون بھی بالکل نیچرل ہے۔ اور محاورات کی نِشَت اور روزمرہ کی صفائی قابلِ تعریف ہے۔''

کل تم جو بزمِ غیر میں آنکھیں چرا گئے کھوئے گئے ہم ایسے، کہ اغیار پا گئے

(۸) مبالغہ آرائی:

شاعری کو پر اثر کرنے والی چند چیزوں میں مبالغہ بھی شامل ہے۔ ہر اچھے شاعر وادیب کے ہاں مبالغہ ہوتا ہے۔ جس سے قاری محظوظ ہوتا ہے۔ مومؔن کے اس شعر میں مبالغہ کے علاوہ محبوب پر تیر و نشتر کے ساتھ اس کے حسن و جمال اور تغافل کا بیان ہے۔ لیکن مبالغہ جس حسنِ خوبی سے بیان کیا ہے، قاری واہ واہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ ؎

الجھا ہے پاوں یار کا زلفِ دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیّاد آگیا

(۹) قبولیت عام:

کسی بھی شاعر کی عظمت کو دیکھنے کے لیے جو بات اہم سمجھی جاتی ہے وہ اس شاعر کے کلام کا زبانِ زدعام وخاص ہونا۔ جس شاعر کے اشعار عام بول چال میں استعمال ہوں تو یہ اس کی عظمت کا منھ بولتا ثبوت سمجھا جاتا ہے۔ مومؔن بھی ان خوش نصیب شعرا میں شامل ہیں جن کے کئی اشعار عوام وخاص میں ضرب المثل کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

(۱۰) عشق مجازی:

مومن خان مومؔن اردو کے ان شعرا کی صفِ اول میں شامل ہیں جو صرف اور صرف عشقِ مجازی ہی کو بیان کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مومن خالصتاً عشقِ مجازی کے شاعر ہیں ان کے یہاں عشقِ حقیقی ہمیں نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے محبوب کے عشق میں تلخ وشیریں سب تجربات ملادیتے ہیں۔ وہی ہجر ووصال کی مادی کیفیات وہی شکوہ وشکایت ،وہی رقیب کا کھٹکا اور وہی التجائیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو عشقِ مجازی کا لازمی جز سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ ان اشعار میں دیکھتے ہیں۔

اگر غفلت سے باز آیا، جفا کی — تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی
ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا — جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ میں

(۱۱) سہل ممتنع:

اگر شاعر اپنے کلام میں ایسے سادہ الفاظ میں شعر کہتا ہے جسے قاری پڑھ کر یہ سمجھے کہ اتنا آسان شعر تو میں بھی کہہ سکتا ہوں۔ لیکن قاری ایسا شعر کہنے سے قاصر رہے۔ اسے اصطلاح میں سہلِ ممتنع کہتے ہیں۔ سہل معنی ''آسان'' اور ممتنع کے معنی ہیں ''مشکل''، بظاہر قاری کو شعر آسان لگے لیکن کہنا مشکل ہو۔ مومؔن کے بعض اشعار سہلِ ممتنع کی بہترین مثال ہیں۔ مومؔن کے کلام میں سادگی اور سلاست کے اعلیٰ نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے — ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

JOIN FOR MORE!!!

ناقدین کی آرا:

☆.... پروفیسر وقار عظیم کہتے ہیں:

''مومؔن کا تغزل صرف مومؔن ہی کا حصہ ہے اسی تغزل نے مومؔن کو مومؔن بنایا۔''

☆.... مرزا غالبؔ نے مومؔن کے انتقال کے بعد کہا:

''یہ شخص بھی اپنی وضع کا اچھا کہنے والا تھا، طبیعت اس کی معنی آفریں تھی۔''

☆.... نیاز فتح پوری کہتے ہیں:

''اگر میرے سامنے سابقین اولین میں سے سب کے کلام رکھ دیے جائیں تو میں ماسوائے میرؔ کے کلامِ مومؔن کو منتخب کرلوں گا۔''

☆.... ڈاکٹر عبادت بریلوی کہتے ہیں:

''مومؔن کے ہاں نہ تو میرؔ کا سوز ہے اور نہ جرأتؔ کی بے باکی، انھوں نے دونوں کے درمیان کا راستہ منتخب کیا ہے۔''

فراؔق گورکھپوری

تعارف:

ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

فراؔق گورکھپوری کا اصل نام رگھوپتی سہائے تھا۔ فراؔق تخلص کرتے تھے۔ وہ ۲۸ اگست ۱۸۹۶ء میں گورکھپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گورکھ پرشاد زمیندار تھے اور گورکھپور میں وکالت کرتے تھے۔ فراؔق گورکھپوری ایک عہد ساز شاعر اور نقّاد تھے۔ ان کو اپنی انفرادیت کی بدولت اپنے زمانہ میں جو شہرت اور مقبولیت ملی وہ کم ہی شعرا کو نصیب ہوتی ہے۔ شاعری کے لحاظ سے فراؔق بیسویں صدی کی منفرد آواز تھے۔ جنسیت کو احساس وادراک کا حصہ بنا کر محبوب کے جسمانی روابط کو غزل کا حصہ بنانا فراؔق کا خاصہ ہے۔

فراؔق کی شاعری کی ایک بڑی خوبی اور خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے عالمی تجربات کے ساتھ ساتھ تہذیبی قدروں کی عظمت اور اہمیت کو سمجھا اور انھیں شعری پیکر عطا کیا۔ فراؔق کے شعر دل پر اثر انداز ہونے کے ساتھ ساتھ دعوت فکر بھی دیتے ہیں اور ان کی یہی صفت فراؔق کو دوسرے تمام شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

اہم تصانیف:

گل نغمہ (حصہ اول کلیات) شبنمستاں (حصہ دوم کلیات) روپ (رباعیاں)
اندازے (تحقیق و تنقید) حاشیے (تنقید و مضامین)

کلام کی خصوصیات:

ہر چند کہ فراؔق نے نظمیں بھی لکھیں اور رباعیاں بھی، لیکن بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر ہیں۔ ان کے کلام کی نمایاں خوبیاں ذیل میں بیان کی گئی ہیں:

(۱) کیف و سرور:

فراؔق کی دوسری شعری خوبیوں کے مقابلے میں ان کی کیفیت کے اشعار نے ان کو غیر معمولی مقبولیت بخشی۔ فراؔق کی غزل میں کیفیت کے اشعار کی فراوانی ہے۔ یہاں تک کہ کیفیت کے غلبے نے قاری کو زبان کی ناہمواری کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا۔

مدتیں گزریں تیری یاد بھی نہ آئی ہمیں — اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

(۲) معنی آفرینی:

معنی آفرینی اردو شعریات کی ایسی صفت ہے جس کی نشاندہی تنقید کے تذکروں بہت زیادہ کی گئی ہے۔ فراؔق کی غزلوں میں معنی آفرینی بہت زیادہ تو نہیں، لیکن گاہے گاہے ایسے اشعار ضرور ملتے ہیں جن کو معنی آفرینی کے باب میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

کچھ آدمی کو ہیں مجبوریاں بھی زندگی میں — ارے وہ دردِ محبت سہی تو کیا مر جائیں

(۳) انفرادیت:

فراؔق کی غزلوں میں ان کی انفرادیت اتنی غالب ہے کہ وہ اپنے آپ میں فراؔق کے اپنے مخصوص اسلوب کا تعین کر دیتی ہے۔ فراؔق کی شاعری میں عاشق کا کردار اس روایتی عاشق سے بہت مختلف ہے جس کو غزل میں ایک طرح کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔

کہاں کا وصل تنہائی نے شاید بھیس بدلا ہے　　ترے دم بھر کے مل جانے کو ہم بھی کیا سمجھتے ہیں

(۴) تجرباتِ عشق:

عشق کے تجربے کے غیر رسمی ارتعاشات کو لفظوں کی گرفت میں لے آنے کو بعض نقادوں نے فراق کی ایسی انفرادیت کا نام دیا ہے جس میں برائے نام ہی کوئی ان کا شریک نظر آتا ہے۔ بعض نے اس خوبی کو طرزِ احساس کا نام دیا ہے اور بعض نے اسے فراق کے عاشق کے کردار کا اہم عنصر ثابت کیا ہے۔

اوروں کی بھی یاد آ رہی ہے　　میں تجھے کچھ بھول سا گیا ہوں
تم مخاطب بھی ہو قریب بھی ہو　　تم کو دیکھیں کہ تم سے بات کریں

(۵) جدت پسندی:

فراق کو حیات و کائنات پر مکمل ایمان تھا۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے اردو زبان میں ایک قیمتی عنصر کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح انھیں صاحبِ طرز اور جدت پسند شاعر بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس بارے میں فراق خود کہتے ہیں کہ یوں تو میری عشقیہ شاعری میں دکھ، درد، غم، آنسو، اضطراب، ناکامی سب موجود ہے لیکن اثر اس شاعری کا حیات و کائنات سے بیزاری نہیں بلکہ حیات و کائنات پر ایمان کو تقویت پہنچانا ہے۔

مٹ جائیں زمانے سے سراسر غم و اندوہ　　ہونا نہیں آیا ابھی انسان کو غم گین

(۶) مقامی رنگ:

فراق اپنے ملک کی قدیم تہذیبی روایات اور ثقافت سے محبت کرتے ہیں اس لیے ان کے یہاں یہ تہذیبی فضا، ٹھیٹ ہندی الفاظ، روزمرہ ٹکسالی بول چال اور محاوروں کے استعمال تک محدود نہیں بلکہ مضامین اور موضوعات میں بھی موجود ہے۔

یہ تیرا شعلۂ آواز ہے یا دیپک راگ　　قریب و دور چراغ آج ہوگئے روشن

(۷) میر کی روایت:

یوں تو فراق نے بہت سے استاد شعرا کے رنگ میں اشعار کہے ہیں لیکن بنیادی طور پر وہ خدائے سخن، شہنشاہِ غزل میر تقی میر کے معتقد تھے۔ فراق نے میر کی روایت کو اپنایا۔ اس کی رفتار میں اضافہ کیا اور اسے آگے بڑھایا۔ ان کے کلام میں نرمی، حلاوت، احساس کی گرمی اور جذبات کی آہستگی انھیں میر کی روایت سے وابستہ کردیتی ہے۔

بات بھی پوچھی نہ جائے جہاں جائیں گے ہم　　تیری محفل سے اگر اٹھے کہاں جائیں گے ہم
خیالِ گیسوے جاناں کی وسعتیں مت پوچھ　　کہ جیسے پھیلتا جاتا ہو شام کا سایہ

(۸) سہلِ ممتنع:

فراق کے یہاں سہلِ ممتنع کی بھی مثالیں مل جاتی ہیں۔ ان کے اشعار اس قدر زبان زد خاص و عام ہو چکے ہیں کہ ضرب المثل کا درجہ رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر

ہم سے کیا ہوسکا محبت میں　　خیر تم نے تو بے وفائی کی
تم مخاطب بھی ہو قریب بھی ہو　　تم کو دیکھیں کہ تم سے بات کریں

JOIN FOR MORE!!!

(۹) شاعرانہ تعلّی:

فراؔق کو اپنی شاعرانہ عظمت و بلند مرتبتی کا بھرپور ادراک تھا۔ انھوں نے تعلّی کے اشعار بھی کہے ہیں جن سے ان کے فنِ غزل گوئی پر قدرت اور مہارت کا احساس ہوتا ہے۔ ؎

سہل تو نے فراؔق کو سمجھا ایسے صدیوں میں ہوتے ہیں پیدا
اہلِ دنیا فراؔق کو سن لو کوئی ایسا سخن طراز نہیں

(۱۰) رباعیاں:

فراؔق نے غزلوں اور نظموں کے ساتھ رباعیاں بھی لکھیں۔ موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے فراؔق نے ہندوستانی تہذیبی قدروں کو رباعیوں میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ وہ ہندوستان کی قدیم روحانی قدروں اور عظیم تہذیبی روایتوں کا احساس دلاتے ہیں۔

ہر فرقہ و ہر ملت و ہر مذہب و دیں سب نے جائے پناہ پائی ہے یہیں
اولاد میں ممتا چھلکتی ہے تیری دنیا کی مادر وطن ہے یہ زمیں

ناقدین کی آرا:

JOIN FOR MORE!!!

☆ .... مجنوں گورکھپوری کہتے ہیں:

"فراؔق کا مزاج غزل ہے۔ ان کے ہر شعر کا ایک کردار ہوتا تھا۔"

☆ .... عبدالقادر سروری کہتے ہیں:

"اس دور کے نمایاں غزل گو شاعر فراؔق گورکھپوری ہیں جن کے ہاتھوں میں غزل ایک دفعہ خاموش انقلاب کی طرف جاتی دکھائی دیتی ہے۔"

☆ .... رشید احمد صدیقی کہتے ہیں:

"فراؔق کو میں اس صدی کے پچاس سال کے منفرد اور ممتاز غزل گویوں کی صف میں جگہ دیتا ہوں۔"

☆ .... آل احمد سرور کہتے ہیں:

"نئے دور کے بانی فراؔق صاحب کہے جا سکتے ہیں جن کے ہاتھوں غزل پھر خاموش انقلاب کی طرح آگے بڑھتی نظر آتی ہے۔"

☆ .... گوپی چند نارنگ کہتے ہیں:

"فراؔق کا کلام ہندی رنگ و آہنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔"

جگؔر مراد آبادی

تعارف:

جگؔر مراد آبادی کا اصلی نام شیخ محمد علی سکندر تھا اور وہ ۱۸۹۰ء میں مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ جگؔر کو شاعری ورثہ میں ملی تھی، ان کے والد مولوی علی نظر اور چچا مولوی علی ظفر دونوں شاعر تھے اور شہر کے باعزت لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ جگؔر مراد آبادی کو اپنے عہد میں

جو شہرت اور مقبولیت ملی اس کی کوئی مثال ملنی مشکل ہے۔ ان کی یہ مقبولیت ان کی رنگا رنگ شخصیت، رنگ تغزّل اور نغمہ و ترنم کی بدولت تھی جب ان کی شاعری ارتقائی منازل طے کر کے منظر عام پر آئی تو سارے ملک کی شاعری کا رنگ ہی بدل گیا۔ ان کے ہم عصروں میں یا بعد میں بھی کوئی ان کے رنگ کو نہیں پا سکا۔

جگرؔ ایسے شاعر ہیں جن کی غزل قدیم تغزّل اور بیسویں صدی کے وسط و اواخر کی رنگین نگاری کا خوبصورت امتزاج ہے۔ جگرؔ شاعری میں اخلاقیات کا درس نہیں دیتے لیکن ان کی شاعری کا اخلاقی معیار بہت بلند ہے۔ انھوں نے تغزل کو معراج کمال تک پہنچا دیا اور یہی ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

اہم تصانیف:

داغِ جگر (شعری مجموعہ) شعلہ طور (شعری مجموعہ) آتشِ گل (شعری مجموعہ)

یادگارِ جگر (شعری مجموعہ) کلیات جگر

(۱)خودسپردگی:

جگرؔ کی شاعری کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ ان کی غزلوں میں خودسپردگی کی کیفیت اپنے پورے شباب پر ملتی ہے۔ ان کی بے قرارئ دل کے لیے سامانِ تسکین اور کیا ہو سکتا ہے۔ ان کے جذبے کے بے لوث اور ہوس سے بے نیاز ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

ہجر سے شاد، وصل سے ناشاد کیا طبیعت جگرؔ نے پائی ہے

JOIN FOR MORE!!!

(۲)ذوق جمال:

حسن و جمال کو پیکرِ محسوس میں دیکھنے کی تمنا جگرؔ کی غزلوں میں اتنی پر سوز ہو جاتی ہے کہ اس کی تپش شخصیت اور فن دونوں پر محیط نظر آتی ہے اور یہی ان کے جمالیاتی حسن کا کمال ہے۔

اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیاں گزرے تو پھر یہ کیسے کٹے زندگی کہاں گزرے

(۳)لطافت احساس:

احساس کی نزاکت اور جذبے کی لطافت کا عالم جگرؔ کی شاعری میں پھول کی پتی پر قطرۂ شبنم کی صورت میں اس طرح دمکتا ہے جسے نظر دیکھ تو سکتی ہے لیکن وہ آبگینہ حرارتِ لمس کو گوارا نہیں کر سکتا ہے۔

وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی

(۴)عصری عناصر:

جگرؔ مرادآبادی کے حساس دل کے لئے زندہ حقیقتوں کی ترجمانی سے چشم پوشی ناممکن تھی۔ ان کے احساس کی رعنائی، جذبے کی سچائی سے بے نیاز نہیں رہ سکتی تھی۔ سیاسی عوامل کے اثرات اور سماجی نشیب و فراز کے انقلاب سے جگرؔ جیسا حساس شاعر اپنے دامن فکر و خیال کو کس طرح بچا سکتا تھا۔

فکر جمیل خواب پریشاں ہے آج کل شاعر نہیں ہے وہ جو غزل خواں ہے آج کل

(۵)آفاقیت:

جگرؔ کی شاعری کا مزاج بنیادی اعتبار سے تغزل کا سراپا ہے۔ حسن و عشق کے مضامین، جذبات و احساسات کی کشمکش اور واردات قلب و نظر ان کی غزل کے متحرک کردار ہیں لیکن ان کے کلام میں ایسے اشعار کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے جن کی معنوی جامعیت اور

فکری وسعت میں ابدیت مہک رہی ہے۔

آدمی آدمی سے ملتا ہے دل مگر کم کسی سے ملتا ہے
جہل خرد نے دن یہ دکھائے گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

(۶) تصوف:

اُردو شاعری کے مزاج کو تصوف سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ تصوف کے مضامین سے اردو شاعری کا خمیر تیار ہوا ہے۔ شعوری صورت ہو یا لاشعوری کیفیت، قلب شاعر پر ایسے مضامین کا نزول ہو کر رہتا ہے۔ جگرؔ جذبہ و جمال کے شاعر ہیں لیکن جذباتی ہیجان میں بھی شعور و فکر کی شائستگی جگرؔ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی ہے۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں فیضانِ محبت عام تو ہے عرفانِ محبت عام نہیں

(۷) حمد و نعت:

جگرؔ مراد آبادی بظاہر رِندِ مشرَب تھے لیکن ان کا باطن آئینہ کی طرح شفاف تھا۔ محبت کی گہرائی ان کے خانہ وجود میں سمٹی ہوئی تھی۔ ان کا مذاق سلیم انسانی اقدار کا امین تھا ان کی روح کی گہرائیوں میں حقیقت عشق کا خمار انگڑائیاں لیتا تھا۔ اور ان کے صحن دل میں حُبِّ رسول ﷺ کی چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔

میں خطا کار، سیہ کار، گنہ گار مگر کس کو بخشے تری رحمت جو گنہ گار نہ ہو
کچھ اور نہیں کام جگرؔ مجھ کو کسی سے کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ

(۸) منفرد رنگ:

دور جدید میں جن شعرا نے بہت زیادہ اپنے دور کو متاثر کیا ہے ان میں جگرؔ کو سرِ فہرست شمار کیا جاتا ہے۔ دور جدید کے جن شعرا نے غزل کو اس زمانے کے مطابق سنوارا ہے اور اس کے بے جان جسم میں نئی روح ڈالی ہے ان میں جگرؔ بھی شامل ہیں وہ اس زمانے کی پیداوار ہیں جب غزل کی طرف سے عام بیزاری کا احساس پایا جاتا تھا مگر جگرؔ نے اس نازک دور میں بھی غزل کی اصل شان کو برقرار رکھا اور اسے نکھارا ہے۔

اب تو یہ بھی نہیں رہا احساس درد ہوتا ہے یا نہیں ہوتا

(۹) رنگِ تغزل:

جگرؔ کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا رنگ تغزل ہے یہ رنگ محبت سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اگر انھیں "شاعرِ محبت" کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا خود کہتے ہیں۔

ان کا جو کام ہے وہ اہلِ سیاست سمجھیں میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

(۱۰) محاکات کا بادشاہ:

جگرؔ کو محاکات کا بادشاہ قرار دیا جاتا ہے۔ انہیں عام طور سے شہنشاہ تغزل کے خطاب سے بھی نوازا گیا وہ سرشاری کے عالم میں جب غزل پڑھتے تو مشاعرہ لوٹ لیا کرتے تھے۔ ان کے بعض اشعار ایسے ہیں جس میں منظر کشی مصوروں سے بھی بڑھ کر نظر آتی ہے وہ ایک ماہر فن کی مانند کسی واقعہ کی جزئیات کی منظر کشی کرتے ہیں۔

وہ چمن میں جس روش سے ہو کے گزرے بے نقاب دفعتاً ہر ایک گل کا رنگ گہرا ہو گیا

JOIN FOR MORE!!!

ناقدین کی آرا:

☆.... آل احمد سرور کہتے ہیں:

''جگرؔ ایک رومانی شاعر ہے۔ جگرؔ کے یہاں بھی خواب اور حقیقت کی دھوپ چھاؤں نظر آتی ہے۔''

☆.... رشید احمد صدیقی کہتے ہیں:

''موجودہ بحرانی اور ہیجانی دور میں غزل جگرؔ کے سہارے ہی آگے بڑھے گی۔''

☆.... قمر مراد آبادی کہتے ہیں:

''جگرؔ جذبات میں ڈوب کر شعر کہتے تھے۔''

☆.... علی جواد زیدی کہتے ہیں:

''جگرؔ مراد آبادی نے شاعری میں جو مقام پیدا کیا ہے وہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

☆.... ڈاکٹر محمد عقیل کہتے ہیں:

''ان کی غزلوں کے ترنم کی اساس اس والہانہ پن پر ہے جس کی تعمیر عشق اور رومان کے ملے جلے جذبات سے ہوتی ہے۔''

JOIN FOR MORE!!!

ناصرؔ کاظمی

تعارف:

ناصرؔ کاظمی ۸ دسمبر ۱۹۲۵ء کو انبالہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصلی نام سید ناصر رضا کاظمی تھا۔ ان کے والد سید محمد سلطان کاظمی فوج میں صوبیدار اور والدہ اسکول ٹیچر تھیں۔ ناصرؔ نے کم عمری میں ہی شاعری شروع کر دی تھی۔ شاعری میں ان کے ابتدائی ماڈل میر تقی میرؔ اور اخترؔ شیرانی تھے۔

ناصرؔ کاظمی کی شخصیت اور شاعری دونوں میں ایک عجیب طرح کی سحر انگیزی پائی جاتی ہے۔ اپنی روایتی لفظیات کے باوجود انھوں نے غزل کی اپنی طرزِ ادا کی برجستگی اور ندرت سے سنوارا۔ ان کی تمام شاعری ایک حیرت کدہ ہے جس میں داخل ہونے والا دیر تک اس کے سحر میں کھویا رہتا ہے۔ وہ ایک اچھے شاعر ہونے کے ساتھ صاحبِ طرز نثر نگار بھی تھے۔

اہم تصانیف:

برگِ نے (شعری مجموعہ)	دیوان (شعری مجموعہ)	پہلی بارش (شعری مجموعہ)
خوابِ نشاط (نظموں کا مجموعہ)	سُر کی چھایا (منظوم ڈراما)	

کلام کی خصوصیات:

ناصرؔ کاظمی کو ثانیٔ میر کہا جاتا ہے۔ ان کے کلام کی چند خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عشقیہ شاعری:

ناصرؔ کی عشقیہ شاعری جمالیاتی حس کی تشفی کرتی ہے۔ قاری نسوانی حسن کی دل آویزی، رنگ، خوشبو اور لطافت کو محسوس کرتا ہے، یہ ہوس پرستی کے بجائے حسیاتی لذت کا موجب بنتا ہے، ساتھ ہی محبوبہ سے قرب یا دوری ہو، معصومیت، پاکیزگی اور جاں نثاری سے عاری نہیں۔ عشقیہ رویے میں یہ اپنی مخصوص ثقافت سے آب و رنگ حاصل کرتے ہیں۔

یاد کے بے نشاں جزیروں سے   تیری آواز آ رہی ہے ابھی

(۲)مقامی رنگ:

ناؔصر کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ برصغیر ہندو پاک کی مٹی سے جڑے ہوئے ہیں، وہ زمین پر رہ کر موسموں، رنگوں، آوازوں اور خاموشیوں سے پیار کرتے ہیں۔ وہ دوہوں، بھجن، گیت کے ساتھ ساتھ، سماجی تہواروں اور تہذیبی رشتوں سے منسلک ہیں۔

تیری گلی میں سارا دن   دکھ کے کنکر چنتا ہوں

(۳)یادِ ماضی:

ناؔصر کاظمی کی شاعری کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ ماضی کی یادوں کو بھلا نہیں سکتے۔ کئی شعر ایسے گزرے ہیں جو ماضی سے ذہنی اور جذباتی رشتہ رکھتے ہیں اور حال کے انتشار اور درد و کرب سے نجات پانے کی سعی کرتے ہیں۔

آنکھوں میں چھپائے پھر رہا ہوں   یادوں کے بجھے ہوئے سویرے

JOIN FOR MORE!!!

(۴)انفرادیت:

ناؔصر کاظمی کو جدید غزل کے ارتقا میں ایک اہم مقام حاصل ہے، ان کا شعری اسلوب ایک جداگانہ رنگ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تخلیقی شاعری میں ان کی الگ پہچان ہے۔ ان کا اسلوب سادگی، خلوص اور تازگی سے پہچانا جاتا ہے۔ ان کے اشعار بجلی کی طرح کوندتے ہیں اور آس پاس کی فضا کو منور کرتے ہیں۔

اے فلک بھیج کوئی برقِ خیال   کچھ تو شامِ شبِ ہجراں چمکے

(۵)برجستگی و بے ساختگی:

ناؔصر کی غزل کا ایک امتیازی وصف ان کی برجستگی ہے۔ یہ برجستگی شاعر کے غیر معمولی گداز، رچاو اور انہماک کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ ان اشعار میں نمایاں ہے جو روزمرہ میں استعمال ہونے والے الفاظ سے تشکیل پاتے ہیں اور فارسی کی بوجھل تراکیب سے پاک ہیں۔

کڑے کوسوں کے سناٹے ہیں لیکن   تیری آواز اب تک آ رہی ہے

(۶)نوجوانوں کی آواز:

ناؔصر کا اپنے محبوب کے ساتھ رویہ کلاسیکی شاعری جیسا نہیں ہے بلکہ وہ جدید عہد کے نوجوانوں کے احساسات و نظریات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ جو نہ تو اپنے محبوب کا رہتا ہے بل کہ کبھی کبھی اپنی فکر سے بھی آزاد ہو جاتا ہے، جو محبت ترک تو کر لیتا ہے لیکن اس کے بعد بھی محبوب کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

ہوتی ہے تیرے نام سے وحشت کبھی کبھی   برہم ہوئی ہے یوں بھی طبیعت کبھی کبھی
اے دوست! ہم نے ترک محبت کے باوجود   محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی

(۷)واردات عشق:

ناؔصر کی شاعری میں عشق کی واردات و کیفیات کی ترجمانی بھی ملتی ہے اور اس بیان میں ان کے ہاں مضامین و موضوعات میں کافی تنوع بھی پایا جاتا ہے۔ انسان کے داخلی جذبات و احساسات کی انھوں نے حقیقت سے بھرپور تصویر کشی کی ہے جس میں جگہ جگہ جدت سے بھرپور مزاج جھلک رہا ہے ان مقامات پر ایک اچھوتے پن کا احساس ہوتا ہے۔

گرفتہ دل ہیں بہت آج تیرے دیوانے — خدا کرے کوئی تیرے سوا نہ پہچانے
یہ سانحہ بھی محبت میں بارہا گزرا — کہ اس نے حال جو پوچھا تو آنکھ بھر آئی

(۸) غم دوراں:

ناؔصر عشق کی رنگینیوں میں گم ہوتے ہیں تو کبھی غم دوراں انھیں اداسی کے تاریک گڑھوں میں دھکیلتا ہے اور وہ اداسی میں بھی لذت کشید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ زمانے کا غم انھیں گھیرے رہتا ہے اور وہ حسن عشق کے لطیف مسائل و معاملات کو اس سے الگ نہیں رکھ سکتے، اسی لیے ان کے ہاں عشقیہ واردات کے ساتھ زمانے کے غم کا احساس اتنا شدید ملتا ہے۔

تم ہی دل گرفتہ نہیں ہو دوستو! — ہمیں بھی زمانے سے ہیں کچھ گلے

(۹) تمثیلی انداز:

ناؔصر کاظمی تاثرات اور کیفیات کا شاعر ہے مگر ان کے پیچھے بھی جذبہ اور فکر کارفرما ہوتی ہے اس سلسلے میں ناصر نے تمثالی طریقہ اپنایا ہے۔ ان کے ہاں شہر اور متعلقات کی تمثالوں یعنی مکان کھڑکیوں اور دروازوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان تمثالوں کی مدد سے ناؔصر نے کچھ ذہنی رویوں کو اظہار میں لانے کی کوشش کی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

دھیان کی سیڑھیوں پہ پچھلے پہر — کوئی چپکے سے پاؤں دھرتا ہے
ہمارے گھر کی دیواروں پہ ناؔصر — اداسی بال کھولے سو رہی ہے

(۱۰) فطرت پرستی:

ناؔصر بچپن سے ہی فطرت کے قریب رہے تھے وہ بچپن میں ورڈز ورتھ کی طرح چڑیوں کے گھونسلے ٹٹولتے، تتلیوں کا تعاقب کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فطرت ان کی شاعری کا ایک اہم رجحان ہے فطرت ان کے اندر رچ بس گئی تھی۔ بیسویں صدی کا انسان فطرت سے دور ہو گیا تھا مشینی ترقی کی چکا چوند میں کھویا انسان فطرت سے اغماض برت رہا تھا مگر اس عہد کے تخلیق کاروں کے ہاں فطرت سے محبت کا رویہ بہت مضبوط انداز میں سامنے آتا ہے۔

پھر نئی رُت کا اشارہ پا کر — وہ سمن بو چمن آرا ہو گا
پھر ساون رُت کی پون چلی تم یاد آئے — پھر پتوں کی پازیب بجی تم یاد آئے

(۱۱) واقعہ نگاری:

واقعہ نگاری اور شاعری، یا یوں کہیں کہ شاعری میں واقع نگاری ایک بہت ہی مشکل فن ہے۔ مگر سید ناؔصر رضا کاظمی اس میں بھی بڑے ہی کامیاب نظر آتے ہیں:

تو جب میرے گھر آیا تھا — میں ایک سپنا دیکھ رہا تھا

(۱۲) تشبیہات و استعارات:

تشبیہات و استعارات کے موزوں استعمال ساتھ ساتھ سلاست و روانی کی چاشنی ان کے حصے میں تھی:

ہرے گلاس میں چاند کے ٹکڑے — لال صراحی میں سونا تھا
چاند کے سینے میں جلتا سورج — پھول کے سینے میں کانٹا تھا

ناقدین کی آرا:

☆.... ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

"ناؔصر کاظمی اس نئی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے اس نئی زندگی میں آنکھ کھولی ہے۔"

☆.... فتح محمد ملکؔ کہتے ہیں:

"ناؔصر کاظمی کا طرزِ احساس غنیمت ہے کہ اس کے دم سے نئی اردو غزل کا وقار زندہ ہے۔"

☆.... حامد کشمیری لکھتے ہیں:

"ناؔصر کاظمی کے اشعار منھ اندھیرے کھلے ہوئے پھول ہیں جو اپنی تازگی رنگ، خوشبو، جھلملاہٹ اور نور و سایہ کا سحر جگائے ہیں اور خیال و خواب کی جادوئی تصویروں میں جان ڈال دیے ہیں۔"

محمد محسنؔ کاکوروی

JOIN FOR MORE!!!

تعارف:

محسن کاکوروی کا پورا نام سید محمد محسن تھا۔ محسنؔ ہی تخلص کیا کرتے ہیں۔ ۱۸۳۷ء میں قصبہ کاکوری مضافات لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ایک ذی علم گھرانے سے تھا۔ سید محسن کی ابتدائی تعلیم اپنے جد امجد مولوی حسین بخش شہید کی نگرانی میں کاکوری میں ہوئی ۔ان کے انتقال کے بعد اپنے والد اور مولوی عبدالرحیم سے علم حاصل کیا۔ مولوی ہادی علی اشک جنھیں شاعری پر عبور حاصل تھا، انھی سے محسنؔ کاکوروی نے مشق سخن کی۔ محسنؔ کاکوروی نے چند روز عہدہ نظامت پر کام کیا اور وہیں سے وکالت ہائی کورٹ کا امتحان پاس کیا۔

شعر و سخن کا شوق انھیں لڑکپن سے تھا۔ ابتدا میں کچھ غزلیں کہیں۔ اس کے بعد محض نعت میں طبع آزمائی کرتے رہے۔ ان کی کلیات میں ان کی مشہور مثنوی "چراغ کعبہ" "شب معراج کے ذکر میں ہے۔ کچھ رباعیاں اور غزلیں بھی ہیں۔ محسنؔ کاکوروی ۲۴ اپریل ۱۹۰۵ء بمطابق ۱۸ صفر ۱۳۲۳ء کو مین پوری میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اہم تصانیف:

ان کی اہم تصانیف یہ ہیں:

سنبلستانِ رحمت (کلیات نعت)	نظمِ دل آفروز	فغانِ محسن
مدیحِ خیرُ المرسلین	گلدستۂ محسن	صبح تجلی

محسنؔ کاکوروی کی نعتیہ شاعری:

محسنؔ کاکوروی کی نعتیہ شاعری کا آغاز ایک خواب کے ذریعے ہوا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۹ برس تھی۔ خواب میں انھیں نبی کریم ﷺ کا دیدار ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے نعت گوئی کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کا روایتی کلام ان کی شاعری اور شخصیت کی پہچان نہیں بن سکا اور ان کے فن کا اصل نکھار ان کی نعتوں میں اجاگر ہوا ہے۔

(۱) عشق رسول ﷺ:

نعت گوئی محض الفاظ کی سحر طرازی، تراکیب کی ندرت، خوش گفتاری، علمیت اور قدرت کلام سے نہیں پیدا ہوتی بل کہ اپنے

ممدوح کی محبت میں سرشاری، وابستگی اور غیر متزلزل عقیدت و مودت سے پیدا ہوتی ہے۔ محسنؔ کاکوروی کو رسول اکرم کی ذات مقدس سے جو محبت تھی اس نے ان کی نعتوں میں ایک الگ سی کیفیت پیدا ہو گئی۔

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی　　　نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل

(۲) مقامی رنگ:

محسنؔ کاکوروی کا نعتیہ کلام لکھنوی طرز فکر کا آئینہ دار ہے۔ صنائع و بدائع، تشبیہات و استعارات، مضمون آفرینی اور رعایت لفظی پر زیادہ توجہ صرف کی گئی ہے۔ تشبیب، گریز میں اس کا اثر زیادہ پایا جاتا ہے۔

نہ کوئی اس کا مماثل، نہ مقابل، نہ بدل　　　نہ کوئی اس کا مشابہ ہے، نہ ہم سر، نہ نظیر

(۳) قصیدہ "مدیح خیر المرسلین":

محسنؔ کاکوروی کا قصیدہ "مدیح الخیر المرسلین"، نعتیہ قصیدہ ہے جو ان کی پہچان بنا۔ نعت گوئی کی تاریخ اس نعتیہ قصیدے کی نشان دہی کے بغیر نہیں لکھی جاسکتی۔ اس قصیدے میں محسنؔ نے اس کی ہئیت تو مروجہ رکھی لیکن تشبیب میں گرد و پیش کے مانوس ماحول سے اخذ کے ہوئے ایسے مضامین باندھے جو پہلے نعت گوئی میں جگہ نہیں پاسکے تھے قصیدہ گوئی اور نعت گوئی کے لوازم و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے محسنؔ کاکوروی نے اپنی نعت کو نئے انداز میں پیش کیا ہے۔

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل　　　میرے ایمانِ مفصّل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی　　　نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل

(۴) سادہ طرزِ بیان:

محسنؔ کاکوروی کا طرزِ بیان سادہ اور دلکش ہے۔ انھوں نے نعتیہ مضامین کے بحرِ ذخّار کو کوزۂ سخن میں سمیٹ لیا ہے۔ خاص طور پر چھوٹی چھوٹی بحروں میں ان کے زبان و بیان کی لطافت اور مضمون کی وسعت و جامعیت بڑی پر تاثیر اور پر کشش ہے۔

رعنائیِ قامتِ مناسب　　　روزے میں اذانِ وقتِ مغرب
سبزہ ہے کنارِ آب جُو پر　　　یا خضر ہے مستعد وضو پر

(۵) تشبیب و گریز:

تشبیب میں شامل مضامین و موضوعات کا نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن موسم برسات کی مستی و بے خودی میں کفر و ایمان اور شرک سے توحید کی جانب محسنؔ کی پرواز فکر نے ان دو جداگانہ مضامین کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ انھوں نے تشبیب کے بعد گریز کی سمت جس احتیاط اور ہوش مندی سے رجوع کیا ہے، وہ ان کی شاعرانہ مہارت اور فن کاری کا بہترین ثبوت فراہم کرتا ہے۔

گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی عربی　　　زیبِ دامانِ ابد طرۂ دستارِ ازل

(۶) حفظِ مراتب کالحاظ:

مدح میں بھی محسنؔ کا قلم شاعرانہ بلند پروازی سے کام لیتا نظر آتا ہے لیکن کہیں بھی شریعت کے مقررہ حدود سے باہر بات نہیں بیان کی ہے۔ نہایت ہی محتاط انداز میں امام الانبیاء ﷺ کے محاسن و کمالات کا بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر

اَوجِ رفعت کا قمر، نخلِ دو عالم کا ثمر　　　بحرِ وحدت کا گہر، چشمۂ کثرت کا کنول

JOIN FOR MORE!!!

مرجعِ روحِ امیں، زیب دہِ عرشِ بریں حامیِ دینِ متیں، ناسخِ ادیان و ملل

(۷)تصوف:

محسن کاکوروی کی شاعری میں تصوف کے نقوش بڑے گہرے نظر آتے ہیں۔ ان کا کلام معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسولِ مقبول ﷺ کی وارفتگی و سرشاری میں ڈوبا ہوا ہے۔

خدا کا نام حق ہے مصطفیٰ کا نام بھی حق ہے نہاں سرِ حقیقت ہے مجاز ذاتِ اطہر میں

(۸)دعائیہ مدح گوئی:

مدح کے بعد دعا ہے جس میں محسن نے اپنی دلی تمناؤں خواہشوں کا اظہار کیا ہے اور خدا سے شفاعت و مغفرت کی دعا مانگتے ہوئے یہ دعا کی ہے:

آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تا دمِ مرگ شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل

صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مدّاح ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل

JOIN FOR MORE!!!

(۹)تشبیہات واستعارات:

محسن کاکوروی کے اشعار میں صداقت و جذبے کی جو آنچ ہے، وہ ان کے خلوص اور ان کے عاشقِ رسول ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ الفاظ کی متانت، استعارے کی جدت، تشبیہات کی لطافت، بندش کی چستی، خیالات کی نزاکت و بلندی پائی جاتی ہے۔ محسن کاکوروی نے جن تشبیہوں اور استعاروں کو برتا ہے ان سے اشعار میں زور لطافت اور دل نشینی پیدا ہو گئی ہے۔

کبھی ڈوبی، کبھی اچھلی مہِ نو کی کشتی بحرِ اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہل چل

شبِ دیجور اندھیرے میں ظلمت کے نہاں لیلیٰ محمل میں ہے ڈالے ہوئے سر پر آنچل

(۱۰)حسنِ اختصار:

محسن کاکوروی نے افضل الانبیاء علیہ السلام کے منصب جلیلہ کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ قدرتِ بیاں کی تمام وسعتیں اس حسنِ اختصار پر قربان ہیں۔

شاہنشہِ انبیاء محمد ﷺ تاجِ سرِ اصفیاء محمد ﷺ

گنجینۂ اصطفاء محمد ﷺ آئینۂ حق نما محمد ﷺ

(۱۱)صنائع وبدائع:

محسن کاکوروی نے اپنے کلام میں صنعت تجنیس، تضاد، ایہام، مراعات النظیر، مبالغہ اور تلمیح کا استعمال ہنر مندی کے ساتھ کیا ہے۔ اس سے کلام میں حسن پیدا کیا گیا ہے۔

شب کو مہتاب نظر آئے نہ دن کو خورشید ہے یہ اندھیرا مچائے ہوئے تاثیر زحل

خضر فرماتے ہیں سنبل سے تری عمر دراز پھول سے کہتے ہیں کھلتا رہے گلزارِ امل

(۱۲)منظر نگاری:

محسن کاکوروی نے شاعری میں منظر نگاری بہت خوبی سے کی ہے۔ مثلاً موسم برسات کی منظر کشی کرتے ہوئے اس موسم کی تمام کیفیات کو خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔ ایک ایک مصرعے میں اس کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔ الفاظ و تراکیب پر انھیں اتنا عبور نظر آتا

ہے کہ وہ ان الفاظ کو جس طرح چاہتے ہیں استعمال کرتے چلے جاتے ہیں گویا ان پر انھیں حکمرانی کا اختیار حاصل ہو۔

وہ دھواں دار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع — گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈے اسے لے کر مشعل
ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے — برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل

ناقدین کی آرا:

☆....ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کہتے ہیں:

"لکھنوی شعرا میں محسنؔ اپنی مثال آپ ہے۔"

☆....امیر مینائی کہتے ہیں:

"ان کا کلام ایک عالم ہے اور ان کا ہر شعر معراجِ بلاغت ہے۔"

☆....احسن اللہ خان ثاقب کہتے ہیں:

"محسنؔ کاکوروی مولانا حالؔی سے کسی صورت بھی کم نہ تھے۔"

JOIN FOR MORE!!!

☆....ڈاکٹر ابو محمد سحر کہتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ ان کا قصیدہ اردو قصائد میں منفرد اور امتیازی مقام کا مالک ہے۔"

حفیظؔ جالندھری

تعارف:

تشکیل و تکمیلِ فن میں جو حفیظؔ کا حصہ ہے
دو چار برس کی بات نہیں نصف صدی کا قصہ ہے

محمد حفیظ نام، حفیظؔ تخلص اور ابوالاثر کنیت تھی۔ ۱۹۰۰ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔ شعر و شاعری سے فطری مناسبت تھی۔ نوعمری ہی میں اس طرف متوجہ ہوئے اور شعر کہنے لگے مولانا غلام قادر گرامی سے رشتۂ تلمذ قائم کیا۔

ابوالاثر حفیظؔ جالندھری کی شہرت کی اصل وجہ ان کا شاہکار "شاہنامۂ اسلام" ہے۔ یہ ایک طویل نظم ہے جس میں مسلمانوں کی تاریخ کو بڑے شدومد سے بیان کیا گیا ہے۔ حفیظؔ جالندھری کا دوسرا بڑا کارنامہ پاکستان کا قومی ترانہ کی تخلیق ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے بہت سے نرالے گیت بھی لکھے جو ملی جذبات کے آئینہ دار ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی، سلاست اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔

کلام کی خصوصیات:

حفیظؔ جالندھری کی شاعری سادگی و سلاست، ترنم و موسیقیت اور شگفتگی کا حسین مرقّع ہے۔ ان کے کلام کی چند اہم خصوصیات ذیل میں بیان کی گئی ہیں:

(ا) منظر کشی:

حفیظؔ جالندھری کا یہ کمال ہے کہ وہ تشبیہ و استعارہ سے ہی نہیں بلکہ نظم کے ایک ایک لفظ سے منظر کی تصویر کھینچ دیتے ہیں اور وہی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں جو خود ان کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔

اٹھی حسینۂ سحر — دلہن کے سر پہ تاجِ زر

لباسِ نور زیب پر چڑھی فرازِ کوہ پر

(۲) حسنِ ادا:

حفیظؔ جالندھری کی شاعری کی ایک خصوصیت ان کی سادگی و سلاست اور حسنِ بیان ہے۔ کلام میں اس قدر سادگی و سلاست ہے کہ اشعار دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ ان کا طرزِ کلام نہایت دل کش اور دل آویز ہے۔

جوانی کے ترانے گا رہا ہوں دبی چنگاریاں سلگا رہا ہوں
میری بزمِ وفا سے جانے والو ٹھہر جاؤ کہ میں بھی آرہا ہوں

(۳) رواں مصرعے:

حفیظؔ جالندھری کے الفاظ اور مصرعے گنگنانے میں نرم نرم اور رواں رواں ہوتے ہیں۔

ہے موت اس قدر قریں مجھے نہ آئے گا یقیں
نہیں نہیں ابھی نہیں ابھی تو میں جوان ہوں

JOIN FOR MORE!!!

(۴) ہندی بحروں کا استعمال:

حفیظؔ جالندھری شعرا کے اس دبستان سے تعلق رکھتے ہیں جس نے ہندی بحروں کو اردو میں رائج کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان نظموں میں خیال کی رعنائی، جذبات کی فراوانی اور ترنم ریزی نے نئی پود کو بے حد متاثر کیا ہے۔

وہ عندلیبِ گلشنِ معنی ہوں میں حفیظؔ سوزِ سخن سے آگ لگادوں بہار میں

(۵) گیت نگاری:

گیت نگاری میں حفیظؔ جالندھری کا منفرد مقام ہے۔ ان کے گیت اس پیمانے پر اترتے ہیں کہ ان میں ہلکے پھلکے احساس و جذبات کو موسیقی اور غنائیت کے پیکر میں ڈھال کر پیش کیا جاتا ہے۔ ان کے گیتوں میں موسیقیت، نغمگی اور غنائیت اس قدر بھرپور ہوتی ہے کہ پڑھنے والا جھوم جھوم جاتا ہے۔

جاگ سوزِ عشق جاگ جاگ سوزِ عشق جاگ
بجھ گیا ہے دل مرا پھر کوئی لگن لگا
سرد ہوگئی ہے آگ جاگ سوزِ عشق جاگ

(۶) ترنم و موسیقیت:

حفیظؔ جالندھری کی شاعری ترنم و موسیقیت کا حسین مرقّع ہے۔ وہ کلام میں کئی طریقوں سے ترنم پیدا کرتے ہیں۔ کہیں چھوٹی اور لمبی بحروں کے ذریعے، کہیں نرم و ملائم اور مترنم الفاظ کے ذریعے اور کہیں گیتوں اور نظموں میں ہیئت کے ذریعے موسیقیت کا جادو جگاتے ہیں۔

اٹھی حسینۂ سحر دلہن کے سر پہ تاجِ زر
لباسِ نور زیب پر چڑھی فرازِ کوہ پر

(۷) شاہنامۂ اسلام:

شاہنامۂ اسلام حفیظؔ جالندھری کا شاہکار ہے۔ یہ ایک طویل نظم اور اسلام کی منظوم تاریخ ہے۔ اس نوعیت کا کارنامہ شاید ہی کسی دوسرے شاعر کے حصے میں آیا ہو۔ یہ ایک نیا تجربہ ہے۔ یہ نظم واقعہ نگاری اور بیانیہ شاعری کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ بحرِ بے حد رواں اور

مترنم ہے۔اس میں موجود سلام کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سلام اے آمنہ کے لال! اے محبوب سبحانی! — سلام اے فخرِ موجودات! فخرِ نوعِ انسانی
سلام اے ظلِّ رحمانی! سلام اے نورِ یزدانی! — ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی
ترا در ہو مرا سر ہو، مرا دل ہو ترا گھر ہو — تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

(۸) مقامی رنگ:

حفیظؔ جالندھری نے ماحول کی عکاسی کرتے ہوئے مقامی رنگ کو قائم رکھا ہے۔وہ مناظرِ فطرت کی تصویر کشی کریں یا معاشرتی ماحول اور انسانی جذبات کی ترجمانی کریں، اس میں مقامی رنگ خاص طور پر جھلکتا ہے۔

کم سن سہیلیوں کا پنگھٹ پہ جھمگٹا ہے — جانے اکیلیوں کا دن کس طرح سے کٹا ہے
اک گدگدا رہی ہے چھینٹیں اڑا رہی ہے — اک بھر چکی ہے پانی گاگر اٹھا رہی ہے

(۹) غزل گوئی:

JOIN FOR MORE!!!

حفیظؔ جالندھری کی غزلوں کا سرمایہ کافی ہے۔وہ خود کو غزل گو کہلوانا پسند کرتے تھے۔انھوں نے غزل میں بہت سے نئے تجربات کیے۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سلیس زبان کا استعمال کیا اور گرد و پیش کے واقعات کو اپنی غزلوں کا موضوع بنایا۔ایک طرح سے انھوں نے غزل کو فطری پوشاک عطا کی۔

دل سے ترا خیال نہ جائے تو کیا کروں — میں کیا کروں کوئی نہ بتائے تو کیا کروں
امید دل نشیں سہی دنیا حسیں سہی — تیرے بغیر کچھ بھی نہ بھائے تو کیا کروں

(۱۰) سوز و گداز:

حفیظؔ جالندھری کی غزلوں میں سوز و گداز کثرت سے موجود ہے۔وہ اکثر سوز کو بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ان کے کلام میں دنیا کے ہموم و غموم اور مصائب و آلام کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے۔البتہ سوز و غم کو بیان کرتے ہوئے بھی زبان بہت نرم اور صاف ہے۔

کیوں ہجر کے شکوے کرتا ہے کیوں درد کے رونے روتا ہے
اب عشق کیا تو صبر بھی کر اس میں تو یہی کچھ ہوتا ہے

(۱۱) قومی و ملی ترجمانی:

حفیظؔ جالندھری نے اپنے سحر آفریں کلام میں قومی اور ملی جذبات کی کماحقہٗ ترجمانی کی ہے۔اس سلسلہ میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ ”شاہنامۂ اسلام“ ہے۔جس میں انھوں نے تاریخِ اسلام کے روشن ابواب نہایت اثر آفریں انداز میں بیان کیے ہیں۔اسے بلاشبہ اردو شاعری کی مقبول ترین نظموں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

کہا راہِ خدا میں تم کو لڑنے کی اجازت ہے — خدا کے دشمنوں کو دفع کرنے کی اجازت ہے
نہیں دیتا اجازت پیش دستی کی خدا ہرگز — مسلماں ہو تو لڑنے میں نہ کرنا ابتدا ہرگز

ناقدین کی آرا:

☆.... فراقؔ گورکھپوری کہتے ہیں:

”موسیقی اور مصوری، سنگیت اور چتر کاری کا جو میل حفیظؔ کی منظریہ نظموں میں ہے وہ کم از کم مجھے تو کہیں اور نہ ملا۔“

☆.... سید ضمیر جعفری کہتے ہیں:

''حفیظ ان شعرا میں سے ہیں جو اپنا راستہ اپنے ساتھ لاتے ہیں، خود بناتے ہیں۔''

☆.... ساغر نظامی کہتے ہیں:

''حفیظ جالندھری ہندوپاک کے ان چند شاعروں میں سے ایک ہیں جن کا تاریخِ ادب میں نام رہے گا۔''

☆.... ڈاکٹر عبداللہ حفیظ کہتے ہیں:

''حفیظ کی شاعری نامۂ دل بھی ہے اور نغمہ ورباب بھی۔''

جوش ملیح آبادی

تعارف:

جوش کا نام شبیر حسن خان، تخلص جوش اور نسبت ملیح آباد ہے۔ آپ کے والد، دادا اور پر دادا بھی شاعر تھے۔ گویا آپ کو شاعری وراثت میں ملی۔ جوش کو عام طور پر ''شاعرِ شباب اور شاعرِ انقلاب'' کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے متحدہ لیکن محکوم ہندوستان میں اپنی شاعری کے ذریعے اہلِ وطن میں انقلابی خیالات کا طوفان اٹھایا۔ غیر ملکی حکمرانوں کی غلامی کے خلاف نفرت پیدا کی اور جدوجہد آزادی کے لئے جوانانِ وطن کا لہو گرمایا۔ آپ نے رسالہ ''کلیم'' جاری کیا اور سرکاری رسالے ''آج کل'' کے مدیر رہے۔ آپ کو ''شاعرِ اعظم'' بھی کہا گیا۔

JOIN FOR MORE!!!

اہم تصانیف:

حرف وحکایت	شعلہ و شبنم	فکر ونشاط	جنون وحکمت (رباعیات)
الہام وافکار	عرش وفرش	آیات ونغمات	یادوں کی بارات (آپ بیتی)

کلام کی خصوصیات:

جوش نے سادہ گوئی کے بجائے فنی اور علمی انداز پر زیادہ زور دیا ہے۔ ان کے کلام کی چند خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) زبان وبیان پر قدرت:

جوش کی نمایاں ترین خوبی قدرتِ زبان وبیان ہے۔ ان کا ذخیرۂ الفاظ بہت وسیع ہے۔ جوش اردو کے ان چند شعرا میں سے ایک ہیں جنھوں نے شاعری میں سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے۔ ان کی زبان دانی مسلم ہے۔ جوش الفاظ کے اثرات اور کیفیات سے بخوبی واقف ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں لفظی تناسب کی صفت پائی جاتی ہے۔

حسنِ ازل ہے غلطاں شاداب پنکھڑی میں　　یا جان پڑ گئی ہے جنگل کی تازگی میں
حوریں ہزار دل سے قربان ہوگئی ہیں　　رنگینیاں سمٹ کر انسان ہوگئی ہیں

(۲) شاعرِ شباب:

شبابیات، جوش کا خاص موضوعِ سخن ہے۔ ان کے کلام کا بڑا حصہ حسن وشباب کی کیفیات کا ترجمان اور عکاس ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حسن وشباب کی رنگارنگ کیفیات کو جس حسن وخوبی سے جوش نے ادا کیا ہے وہ انھیں کا خاصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں ''شاعرِ شباب'' کہا گیا۔

ڈوبا ہوا رخ تابانی میں　　انوارِ سحر پیشانی میں
یا آبِ گہر طغیانی میں　　یا چاند کا مکھڑا پانی میں
یہ کون اٹھا ہے شرماتا

(۳) شاعرِ انقلاب:

جوشؔ کی شاعری میں انقلابی اور باغیانہ خیالات برملا بیان ہوئے ہیں۔ اس لیے انھیں ''شاعرِ انقلاب'' کہا گیا۔ وہ اپنے دور کے سیاسی میلانات اور نئے ادبی رجحانات سے بہت متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں رنگینی اور لطافت کے ساتھ حالات کی تلخی اور سنگینی کی جھلک بھی موجود ہے۔

کیا ہند کا زنداں کانپ رہا ہے گونج رہی ہیں تکبیریں　　اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں

(۴) لفظی تصویر کشی:

جوشؔ کو الفاظ کے موزوں استعمال میں بڑی مہارت حاصل ہے۔ چنانچہ وہ لفظی مناسبت سے دل فریب تصویر پیش کرتے ہیں۔ خاص طور پر حسن و جمال کی کیفیات کے بیان میں ہو بہو تصویر نگاہوں میں پھر جاتی ہے۔

پھیلا پھیلا آنکھ میں کاجل　　الجھا الجھا زلف کا بادل
نازک گردن پھول سی ہیکل　　سرخ پپوٹے نیند سے بوجھل
یہ کون اٹھا ہے شرماتا

JOIN FOR MORE!!!

(۵) جذبات نگاری:

جوشؔ کی شاعری میں فکر کے بجائے جذبات کی کار فرمائی ہے۔ ان کے یہاں جذبات نگاری کے اعلیٰ نمونے پائے جاتے ہیں۔ جذبات نگاری میں جوشؔ نے کمال حاصل کیا ہے۔ خاص طور پر ان کی انقلابی نظموں میں جذبات نگاری واضح نظر آتی ہے۔

تجھ کو یقیں نہ آئے گا اے دائمی غلام!　　میں جا کے مقبروں پہ سناؤں اگر کلام
خود موت سے حیات کے چشمے ابل پڑیں　　قبروں سے سر کو پیٹ کے مردے نکل پڑیں

(۶) تشبیہات و استعارات:

جوشؔ کو شاعرِ تشبیہات کہا جاتا ہے۔ ان کی تشبیہات میں جوش بھی ہے اور اک آتشِ سیال بھی۔ ان کے استعارات میں ندرت بھی ہے اور جدت بھی۔ ان کے پاس الفاظ کا وسیع ذخیرہ ہے جو ان کے ہم عصر شعراء کو حاصل نہیں ہے۔

سمٹی جو گھٹا تاریکی میں چاندی کے سفینے لے کے چلا
سنکی جو ہوا تو بادل کے گرداب میں غوطے کھانے لگا

(۷) خزینۂ الفاظ:

جوشؔ صاحب کے ہاں ذخیرۂ الفاظ کی وسعت پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے دور کے سب سے بڑے الفاظ کے خازن ہیں۔ ان کے پاس الفاظ کی اس قدر دولت ہے کہ اس کے سامنے قارون کی دولت بھی ہیچ ہیں۔

اللہ اللہ میرے دہشت ناک خونی ولولے　　آندھیاں، طوفان، تلاطم، سیل، صرصر، زلزلے
ابتری، وحشت، تزلزل، طنطنہ، دہشت، فساد　　دبدبے، گرمی، کشاکش، دغدغے، ہلچل، جہاد

(۸) انسان دوستی:

جوشؔ کی شاعری میں انسان دوستی ایک اہم موضوع ہے۔ انسانوں کا مختلف قوموں اور جماعتوں میں بٹ جانا جوشؔ کو بالکل پسند نہیں۔ اس سے جو کدورت، تعصب اور دوسرے مسائل پیدا ہوتے ہیں جوشؔ اس سے خوب واقف ہیں۔

کہتا ہوں پھر کہ دل میں کدورت نہ چاہیے — وحدت کے سر پہ ضربتِ کثرت نہ چاہیے

(۹) مناظرِ قدرت:

جوشؔ کو مناظرِ قدرت کی مصوری پر کمال حاصل ہے۔ برسات، شفق، طلوعِ آفتاب، شام کا منظر، چاندنی کا سماں ان کے پسندیدہ اور محبوب مضامین ہیں۔ وہ کائنات کے ذرے ذرے سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں۔

وہ کون سا منظرِ قدرت ہے آج عالم میں — جو میرے واسطے آغوش وا نہیں کرتا

(۱۰) غزل گوئی:

جوشؔ نے شاعری کا آغاز غزل سے کیا۔ ان کی غزلوں میں جذباتِ فطرت کی عکاسی نمایاں ہوتی ہے۔ ان کی غزلیں سرمستی و کیف کا نمونہ ہیں۔ وہ محبت کے واقعات کی تفصیل اور حسن کی کرشمہ سازیاں غزل میں حسنِ خوبی سے بیان کرتے ہیں۔

دل کی چوٹوں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا — جب چلی سرد ہوا دل نے تجھے یاد کیا

JOIN FOR MORE!!!

(۱۱) اشتراکی شاعری:

جوشؔ کی شاعری میں محرومی اور حرماں نصیبی بہت کم ہے۔ اردو شاعری میں اشتراکیت کی بنیاد جوشؔ کی شاعری سے پڑی۔ مزدور طبقہ کی حمایت، سرمایہ داروں کی مخالفت اور سیاسی و معاشی نظام پر رائے زنی کرنا ان کا خاص موضوع ہے۔

جس دیس میں آباد ہوں بھوکے انسان — احساسِ لطیف کا وہاں کیا امکان
اِک فکرِ معاش پر نچھاور سو عشق — اک نانِ جویں پہ لاکھ مکھڑے قربان

(۱۲) نسوانی حسن:

جوشؔ نسوانی حسن کی اداؤں سے بہت متاثر ہیں۔ وہ اپنے کلام میں جابجا نسوانی حسن کے جلوے بکھیرتے نظر آتے ہیں۔

محراب ہے رخسار کے پرتو سے زر افشاں — زلفوں میں شب تار ہے آنکھوں میں چراغاں
مہندی کی سجاوٹ کہ ہتھیلی پہ گلستاں — یا حلقۂ عشاق میں ہے چہرۂ تاباں

ناقدین کی آرا:

☆.... فراقؔ گورکھپوری کہتے ہیں:

"جوشؔ کو میں شاعرِ اعظم مانتا ہوں۔"

☆.... جگر مرادآبادی کہتے ہیں:

"جوشؔ کی نظموں کو سن کے محسوس ہوتا ہے کہ بلبل شیراز اردو میں نغمہ سرا ہے۔"

☆.... احمد ندیم قاسمی کہتے ہیں:

"جوشؔ حسن و جمال، توازن و تناسب اور تازگی و توانائی کا شاعر ہے۔"

☆.... کرشن چندر کہتے ہیں:

''سچ تو یہ ہے کہ جوشؔ ایسا قادر الکلام شاعر صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔''

☆.... سردار جعفری کہتے ہیں:

''الفاظ کا اتنا بڑا جادو گر اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوا۔''

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؔ

تعارف:

علامہ اقبالؔ کا نام ملک خداداد پاکستان کے تخیل کے خالق کے طور پر بھی مشہور ہے۔ اس اعتبار سے وہ صرف ایک شاعر ہی نہ تھے بل کہ قومی رہ نما بھی تھے۔ ان کی قومی رہ نمائی کا حصہ اس قدر غالب اور نمایاں ہے کہ بعض اوقات ان کی شاعرانہ حیثیت ثانوی معلوم ہوتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ ان کی شاعری بھی دراصل ان کی قومی رہ نمائی کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر اقبالؔ کو برِ صغیر میں اسلامی نشاۃِ ثانیہ کا سب سے بڑا علَم بردار قرار دیا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔

اقبالؔ اردو شاعری میں اس قدر بلند نام ہے کہ شاید صدیوں تک کوئی اتنا بڑا قد آور شاعر پیدا نہ ہو سکے۔ اقبالؔ نے شاعری کی شکل میں اپنے افکار و نظریات اور جذبات و محسوسات کا جو سرمایہ چھوڑا ہے وہ بہت زیادہ قابل قدر ہے۔

اقبالؔ کے مجموعہ ہائے کلام:

(۱) بانگِ درا (۲) بالِ جبریل (۳) ضربِ کلیم (۴) پیامِ مشرق

(۵) زبورِ عجم (۶) جاوید نامہ (۷) ارمغانِ حجاز (۸) اسرارِ خودی

(۹) رموزِ بے خودی

نثر میں اقبالؔ کی کتابوں میں مندرجہ ذیل دو کتابیں بہت مشہور ہیں:

(۱) تشکیل جدید الہیات (۲) علم الاقتصاد

کلامِ اقبالؔ کی خصوصیات:

علامہ اقبالؔ کے کلام کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) رفعتِ تخیل:

تخیل کی رفعت اور بلند آہنگی میں اقبالؔ اردو کے تمام شاعروں سے سبقت لے گئے ہیں۔ ان کی فلک بوس فکر کی روشنی میں قاری خیالات کے نئے نئے افق دیکھتا ہے۔ مثلاً

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں، اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

(۲) کلاسیکیت اور رومانیت:

جس شاعری میں سرمستی، جذبے اور تخیل کا بھرپور رچاؤ ہو، اسے رومانی شاعری کہتے ہیں اور وہ شاعری جس میں مسلمہ اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے روایتی اسلوبِ بیان کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے اسے کلاسیکی شاعری کہا جاتا ہے۔ اقبالؔ کی شاعری میں ہمیں فکر کی

گہرائی اور جذبے کی شدت کے ساتھ ساتھ کلاسیکیت کا ایک منفرد انداز بھی ملتا ہے۔ مثال کے طور پر :۔

عشق کی اک جست نے کر دیا قصہ تمام — اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

(۳) سوز و گداز:

اقبالؔ کے دل کا سوز و گداز ان کے اشعار میں بھی نمایاں ہے۔ سوز و گداز کی یہ کیفیت صقلیہ بلاد اسلامیہ، گورستان شاہی اور حضور رسالت مآب میں پورے عروج پر ہے۔ عکسِ کلام ملاحظہ ہو:۔

احوالِ محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا — سوز و تب و تاب اول، سوز و تب و تاب آخر

(۴) منظر نگاری:

اقبالؔ مناظرِ فطرت کی لفظی تصویریں بڑی خوبی سے کھینچتے ہیں۔ ان کی اکثر نظمیں منظر کشی کا شاہکار ہیں۔ مثلاً ؎

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں — ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی — جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

JOIN FOR MORE!!!

(۵) تشبیہ و استعارہ:

اقبالؔ تشبیہوں اور استعاروں کو بڑی فن کارانہ مہارت کے ساتھ اپنے شعروں میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ؎

جیسے سو جاتا ہے گہوارے میں طفلِ شیر خوار — موج مضطر تھیں کہیں گہرائیوں میں مستِ خواب

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں — یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

(۶) فلسفۂ خودی:

علامہ اقبالؔ نے اپنی شاعری کے ذریعے خودی کی تعلیم دی۔ خودی سے مراد انسان کے اندر وہ پوشیدہ قوت ہے جو انسان میں خدائی صفات پیدا کرتی ہے اور پھر انسان عناصر کونین پر حکومت کرنے لگتا ہے۔ جب انسان کی خودی مستحکم ہو جاتی ہے تو کوئی اسے شکست نہیں دے سکتا۔ چنانچہ خودی کی تعلیم دیتے ہوئے علامہ اقبالؔ فرماتے ہیں: ؎

میرا طریق امیری نہیں، فقیری ہے — خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

(۷) فلسفۂ عشق:

اقبالؔ کی شاعری میں فلسفۂ عشق بڑی وضاحت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ ان کے کلام میں عشق کو مرکزیت حاصل ہے۔ انھوں نے اس روحانی اور جذباتی قوت کو عشق کہا ہے جو انسان میں عمل کی بے پناہ قوت پیدا کر کے اس کو عظیم جذبات کا راستہ دکھاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق — عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

پختہ ہوتی ہے، گر مصلحت اندیش ہو عقل — عشق ہو مصلحت اندیش، تو ہے خام ابھی

(۸) فرنگی مخالفت:

علامہ اقبالؔ نے اپنے کلام میں جابجا انگریز کی مخالفت کی ہے اور ہمیشہ اپنی قوم کو یہ سبق دیا کہ ہم مسلمانوں کا اپنا طریقِ حیات ہے ہمیں اپنے رسول کی اسوۂ حسنہ پر عمل کر کے اسی کی پیروی کرنی چاہیے۔ انگریز کی اس ظاہری چمک دمک سے متاثر نہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ وہ

فرماتے ہیں:

خِیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ — سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف اور
اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں — سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر

(۹) نوجوانوں کو خطاب:

علامہ اقبالؔ ایک انقلابی شاعر ہیں۔ اور انقلاب کیلئے سب سے اہم طبقہ نوجوان نسل ہی ہوا کرتا ہے۔ اسی لیے علامہ نے اپنے کلام میں کئی جگہ نوجوانوں کو مخاطب کیا ہے اور ان کے جذبات ابھار کر ملک و قوم کی فلاح و بہبود کیلئے کام کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ وہ نوجوانوں سے مخاطب ہیں:

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے — ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کردے — کہ تیرے بحر کی موجوں میں اِضطراب نہیں

JOIN FOR MORE!!!

(۱۰) حقیقت پسندی:

اقبالؔ فطرتِ انسانی اور نفسیات کے گہرے رمز سے آشنا تھے۔ وہ زندگی اور اس کے مصائب و وسائل کو حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھتے تھے۔ انھیں انسانی نفسیات کا گہرا شعور حاصل ہے۔ اور انھوں نے اپنے اس شعور سے نہایت مفید نتائج اخذ کیے ہیں۔ اور ہمیشہ حقیقت پسندی کی تعلیم دی۔ مثلاً:

اہل نظر! شوقِ نظر خوب ہے لیکن — جو شے کی حقیقت کو نہ جانے وہ نظر کیا

(۱۱) تہذیبِ اسلاف:

علامہ اقبالؔ نے ہمیشہ اپنے اسلاف کی تہذیب کی پیروی کی تعلیم دی۔ غیروں کی نئی تہذیب کے نقصانات کو واضح کیا۔ ان کے خیال میں پاک و ہند کے لوگوں کو اپنے اسلاف اور اکابرین کی تہذیب ہی کو حرضِ جاں بنانا چاہیے۔ ہندی تہذیب کے مقابلے میں یورپی تہذیب کو ہرگز ترجیح نہ دینی چاہئے۔ چنانچہ وہ کہہ اٹھے:

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں — نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

ناقدین کی آرا:

☆.... بابائے اردو مولوی عبدالحق کہتے ہیں:

''اقبالؔ برصغیر کے ہی نہیں، بنی نوع انسان کی لازوال تہذیب کے ایک برگزیدہ مفکر اور شاعر کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔''

☆.... آل احمد سرور کہتے ہیں:

''اقبالؔ کی کوششوں سے جدید اردو شاعری میں ایک نیا رنگ و آہنگ پیدا ہوا۔''

☆.... علی سردار جعفری کہتے ہیں:

''اقبالؔ نے ہمیں انسان کا جو عظیم الشان تصور دیا ہے وہ پہلے کے اردو ادب میں کہیں نہیں ملتا۔''

☆.....ڈاکٹر سید عابد حسین کہتے ہیں:

''اقبال کی شاعری تو آب حیات کا خزانہ ہے۔ جس سے زندگی اور زندہ دلی کے چشمے ابلتے ہیں۔''

☆.....عبدالقادر سروی کہتے ہیں:

''اقبال اردو شاعری میں ایسے دور کے موجد ہیں جس کا بڑا وصف رفعتِ خیال اور فلسفیانہ بلند آہنگی ہے۔''

☆.....ڈاکٹر شمیمہ بیگم کے بقول:

''اقبال نے اپنی شاعری سے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی اور انھیں خوابِ غفلت سے جگایا۔''

☆.....اقبال اپنی نظر میں:

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں
کہ بامِ عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں

حاصلِ کلام:

الغرض اقبال کی شاعری وہ بانگ درا ہے جس نے ہمارے ذہن کو توانائی بخشی، اقبال کی شاعری وہ ضربِ کلیم ہے جس نے ہماری بے حسی اور جمود کو توڑا۔ اور میں ببانگِ دہل یہ بات کہتا ہوں کہ اقبال کا کلام ہمارا عظیم سرمایہ ہے جس کی ہمیں قدر کرنی چاہئے۔ آج کئی سال گزرنے کے بعد بھی ان کے کلام میں وہ قوت و طاقت ہے کہ براہِ راست دل پہ اثر کرتی ہے۔ علامہ ہی کے کلام سے یہ اشعار ان کی نذر کرتا ہوں:

اے جہانِ آباد! اے گہوارۂ علم و ہنر
ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در
ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر
دفن تجھ میں کوئی فخرِ روزگار ایسا بھی ہے؟
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آب دار ایسا بھی ہے؟

JOIN FOR MORE!!!

رُمُوزِ اَوقاف

JOIN
FOR
MORE!!!

رُموزِ اَوقاف

رُموزِاوقاف کا مفہوم:

رُموز، رَمز کی جمع ہے جس کے معنی ’’ اشارہ‘‘ کے ہیں اور اوقاف ،وقف کی جمع ہے جس کا مطلب ٹھہرنا یا رکنا ہے۔ رموز اوقاف سے مراد ٹھہرنے کے اشارات یا علامات ہیں۔ یہ وہ اشارات اور علامتیں ہیں جو مطلب بہتر طور پر واضح کرنے کے لیے تحریر کے دوران استعمال کی جاتی ہیں۔ ان کی مدد سے پڑھنے والا عبارت کو روانی اور آسانی سے سمجھتا چلا جاتا ہے۔ان کو ’’علاماتِ وقف‘‘ بھی کہا جاتا ہے۔ چند مشہور علامات وقف درج ذیل ہیں:

JOIN FOR MORE!!!

ختمہ (۔):

یہ علامت ایک پورے جملے کے خاتمے پر ایک چھوٹی سی لکیر کی صورت میں لگائی جاتی ہے جہاں کچھ دیر ٹھہرنا ہوتا ہے۔ یہ عبارت ایک جملے کو دوسرے جملے سے جدا کرتی ہے۔ اسے وقف کامل، وقف تام اور انگریزی میں فل سٹاپ بھی کہتے ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- آج خوب بارش ہوئی ہے، اس لیے موسم بڑا خوشگوار ہو گیا ہے۔
- آج عید کا دن ہے۔ ہر طرف چہل پہل ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میلا لگا ہوا ہو۔
- آج میری طبیعت خراب ہے۔ آپ کل تشریف لائیں۔

سوالیہ (؟):

یہ علامت سوالیہ جملے کے آخر میں لگائی جاتی ہے۔ اس علامت کے استعمال سے ایک عام جملے اور سوالیہ جملے میں واضح فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ استفہامیہ جملوں کے آخر میں اگر سوالیہ نشان استعمال نہ کیا جائے تو ان جملوں کا مفہوم صحیح طور پر واضح نہیں ہوتا۔ اسے ’’علامت استفہام‘‘ بھی کہتے ہیں۔ جیسے:

- کیا آپ کراچی جا رہے ہیں؟
- کیا ہم میچ جیت چکے ہیں؟
- آپ کو کون سا پھل پسند ہے؟

سکتہ (،):

یہ چھوٹا سا اور مختصر وقفہ ہوتا ہے، جس میں ہلکا سا توقف کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اس کو انگریزی میں کوما (Comma) کہتے ہیں۔ یہ استعمال کیا جاتا ہے:

۱۔ جب دو یا زیادہ ایک ہی قسم کے کلمے ایک ساتھ آئیں تو ایسی صورت میں عام طور پر پہلے ایک یا دو لفظوں کے بیچ میں کاما آتا ہے اور آخری لفظ سے پہلے ’’اور‘‘ ’’یا‘‘ ’’یا‘‘ آتا ہے جیسے: یہ کتاب مفید، نصیحت آموز اور آسان ہے۔ اسلم ایک سمجھ دار، ذہین اور بااخلاق لڑکا ہے۔

۲۔ ندائیہ لفظوں کے بعد، جیسے: اے بوڑھو، جوانو، بچو!

۳۔ ایک ہی قسم کے دو یا زیادہ چھوٹے جملوں کے درمیان، جو کسی بڑے جملے کے اجزاء ہوں، جیسے: ’’وہ گھر پہنچا، نہا کر کپڑے

بدلے، چائے پی اور مدرسے چلا گیا۔

رابطہ/تفصیلیہ (:) :

کسی کا قول نقل کیا جائے، کسی اقتباس کو لکھا جائے، نظم یا نثر کی تشریح کی جائے؛ ایسے موقعوں پر اس علامت کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مثالوں سے پہلے، شعر یا مصرعے کا حوالہ دینے سے پہلے، اس علامت کو لایا جاتا ہے، مثلاً:

- ورزش کے درج ذیل فائدے ہیں:
- علامہ اقبال فرماتے ہیں:
- علم کے بے شمار فائدے ہیں۔ مثلاً:

وقفہ (؛) :

اس کا استعمال جملوں کے بڑے بڑے اجزا کے درمیان ہوتا ہے، جہاں سکتہ (،) کی نسبت زیادہ ٹھہراو کی گنجایش ہو، جیسے: مستقل مزاجی سے تھوڑا سا کام بھی بہتر ہے اس کام سے جو مستقل مزاجی سے نہ ہو؛ اس لیے کسی بھی فن میں کمال پیدا کرنے کے لیے استقامت ضروری ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

قوسین ():

قوسین یا خطوط وحدانی میں عبارت کے ایسے حصے لکھے جاتے ہیں جو جملہ معترضہ کے طور پر آتے ہیں۔ جملہ معترضہ ایسے جملے کو کہتے ہیں جو عبارت میں آ جائے لیکن اصل عبارت سے اس کا تعلق نہ ہو بلکہ حوالے کے طور پر اس کا ذکر آئے۔ عام طور پر یہ علامت مکالموں اور ڈراموں میں استعمال کی جاتی ہے۔ جیسے:

- چوہدری اسلم (جو میرے ہم جماعت تھے) آج کل ڈاکٹر ہیں۔
- عوام نے اسے (اگرچہ وہ نا اہل تھا) اپنا نمایندہ چن لیا۔
- اشرف علی (جو میرے بچپن کے دوست تھے) آج وہ مجھے اچانک بازار میں مل گئے۔

واوین (" ") :

یہ علامت کسی تحریر کا اقتباس (ٹکڑا) پیش کرتے وقت یا کسی کا قول پیش کرتے وقت اُس قول یا اقتباس کے شروع اور آخر میں لگائی جاتی ہے۔ جیسے:

- رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔"
- میں نے اپنے ملازم کو آواز دی: "انور خان!"، اُس نے جواب دیا: "جی حضور!"

نِدائیہ یا فُجائیہ (!):

یہ علامت کسی کو آواز دینے یا پکارنے کے وقت استعمال کی جاتی ہے۔ اس علامت کو ایسے الفاظ یا جملوں کے آخر میں بھی لگایا جاتا ہے جن میں کسی جذبے جیسے: جوش، غم، نفرت، غصہ، تعجب، حیرانی، خوشی، افسوس، خوف، تنبیہ، تحسین یا تحقیر کا اظہار پایا جاتا ہو۔ پہلی صورت میں اسے "نِدائیہ" اور دوسری صورت میں "فُجائیہ" کہا جاتا ہے۔ جیسے:

- آہا! بس آ گئی۔
- ہائے! یہ کیا ہو گیا؟
- خبردار! اب ایسی حرکت نہ کرنا۔
- خالد! ادھر آؤ۔

علامتِ شعر (؎):

یہ علامت عبارت میں کسی شعر کا حوالہ دینے کہ موقع پر شعر کے شروع میں لگائی جاتی ہے۔

؎ میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل ، طاؤس و رُباب آخر

علامتِ مصرع(ع):

یہ علامت عبارت میں کسی مصرعے کا حوالہ دینے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جیسے:

ع کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے
ع بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

علامتِ تخلص (ؔ):

یہ علامت شعر میں شاعر کے تخلص کے اوپر استعمال کی جاتی ہے: جیسے: اسد اللہ خاں غالبؔ، الطاف حسین حالیؔ۔

JOIN
FOR
MORE!!!

محاورات

محاورات	معانی	جملے
آنکھیں کھل جانا	عبرت حاصل ہونا	استاد کی نصیحتیں سن کر تمام طلبہ کی آنکھیں کھل گئیں۔
آنکھیں موند لینا	آنکھیں بند کر لینا/مر جانا	ہر انسان کو والدین قدر جان لینی چاہیے، اس سے پہلے کہ وہ آنکھیں موند لیں۔
آنکھوں میں خون چڑھ جانا	غصہ آنا	خالد کے دوست نے اسے گالی دی تو اس کی آنکھوں میں خون چڑھ گیا۔
آفتاب پر خاک ڈالنا	ناممکن کام کرنا	مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں شکست دینا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔
اپنے حال میں مست ہونا	ہر حال میں خوش رہنا/ اپنے آپ میں مگن رہنا	پاکستان کے اربابِ اقتدار اپنے حال میں مست ہیں، انھیں اہل وطن کی کچھ فکر نہیں۔
بے باک ہو جانا	بے خوف ہونا/ نڈر ہونا	آج کی نوجوان نسل اس درجہ بے باک ہو چکی ہے کہ اسے قانون تو کیا خدا کا بھی خوف نہیں۔
بخت سو جانا	قسمت خراب ہونا	جو لوگ محنت نہیں کرتے ان کا بخت سو جاتا ہے۔
بہروپ بدلنا	بھیس بدلنا	پرانے مسلمان بادشاہ بہروپ بدل کر مسلمانوں کے احوال جانا کرتے تھے۔
پیچ و تاب کھانا	بے چین ہونا	شادی کی تقریب میں فضول رسومات دیکھ کر میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔
تن بدن میں آگ لگنا	سخت غصہ آنا	فیل بچے کا نتیجہ دیکھ کر والدین کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔
ترس کھانا	رحم کرنا/رحم آنا	غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں پر ترس کھانا ہر مسلمان کا اخلاقی فریضہ ہے۔
تین پانچ کرنا	جھگڑا کرنا/دھوکا دینا	سنو! مجھ سے زیادہ تین پانچ کرنے کی ضرورت نہیں۔
جی جل جانا	غصہ آنا	حامد کی زبان سے اپنے استاد کی برائی سن کر میرا جی جل گیا۔
چاروں طرف اندھیرا چھا جانا	ہر طرف اندھیرا چھا جانا/ پریشانی ہونا	اپنے شوہر کی وفات کی خبر سن کر سعیدہ کے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔
خاک میں ملانا	ضائع کرنا	تمہاری لاپرواہی نے میری ساری محنت خاک میں ملا دی۔
دیوار بن جانا	رکاوٹ بننا	مسلمانوں کو اپنے دشمن کے راستے کی دیوار بن جانا چاہیے۔
رام کرنا	راضی کرنا/منا لینا	کچھ لوگ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے ہر شخص کو رام کر لیتے ہیں۔
رخ کرنا	توجہ کرنا	انسان کو کسی بھی حالت میں برائیوں کی طرف رخ نہ کرنا چاہیے۔
زخموں پر نمک چھڑکنا	تکلیف پر تکلیف دینا	تم نے گڑے مردے اکھاڑ کر مرے زخموں پر نمک چھڑک دیا۔
زبانی جمع خرچ کرنا	صرف باتیں ہی باتیں کرنا	آج کل بہت سے تعلیمی ادارے صرف زبانی جمع خرچ کر رہے ہیں۔
زندہ در گور کرنا	سخت مصیبت میں مبتلا کرنا	تم نے مجھ پر چوری کا الزام لگا کر مجھے زندہ در گور کر دیا۔
سبز باغ دکھانا	دھوکہ دینا/ جھوٹی امیدیں دلانا	ناکامی کے دلدل میں پھنسے انسان کو سبز باغ نہیں دکھانا چاہیے۔
سپید و سیاہ میں دخل ہونا	پورا پورا اختیار ہونا	حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کائنات کے سپید و سیاہ کا مالک ہے۔
سٹی گم ہونا	گھبرانا/بوکھلانا	والدہ کی طبیعت کی ناسازی دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی۔

JOIN FOR MORE!!

قہقہہ لگانا	زور سے ہنسنا	نماز کی حالت میں قہقہہ لگانے سے نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں۔
طاق نسیاں ہونا	بھول جانا	ماضی کے ناخوشگوار واقعات کا طاق نسیاں ہو جانا بھی اک نعمت ہے۔
کام تمام کرنا	مار ڈالنا/ہلاک کرنا	احمد نے ایک ہی وار میں سانپ کا کام تمام کر دیا۔
گھر پورا کرنا	گھر کی ضرورتیں پوری کرنا	کم آمدنی والے لوگوں کے لیے گھر پورا کرنا دشوار ہو گیا ہے۔
گزر اوقات کرنا	زندگی گزارنا/گزارہ کرنا	آج کل مہنگائی کی وجہ سے گزر اوقات کرنا مشکل ہو گیا ہے۔
لینا دینا	لین دین/حساب کتاب	شعب ابی طالب میں قریش نے بنو ہاشم کے ساتھ ہر طرح کا لینا دینا بند کر دیا تھا۔
ہاتھ ڈالنا	دخل دینا/ کام اپنے ذمے لینا	ملازم پیشہ لوگ کاروبار میں ہاتھ ڈالنے سے ڈرتے ہیں۔
ہاتھ پھیلانا	دستِ سوال دراز کرنا/ مانگنا	اسلام نے دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے منع کیا ہے۔
ہاتھوں کے طوطے اڑنا	سخت گھبرا جانا/ بدحواس ہونا	کرایہ دیتے وقت اپنی کٹی جیب دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

JOIN
FOR
MORE!!!

شخصیات اور ان کے القابات و خطابات

شعرائے اردو	
شخصیت	**القابات و خطابات**
میر تقی میرؔ	خدائے سخن / شہنشاہِ غزل / شاعرِ غم / سرتاج الشعرا
خواجہ میر دردؔ	پہلے صوفی شاعر / تصوف کے امام
علامہ محمد اقبالؔ	حکیم الامت / شاعرِ مشرق
اسد اللہ خان غالبؔ	پہلے فلسفی شاعر / نجم الدولہ / دبیر الملک / نظام جنگ
مومن خان مومنؔ	تغزُّل کا شاعر
جگرؔ مراد آبادی	رئیس المتغزلین
محسنؔ کاکوروی	نعت گو شاعر
مظفرؔ وارثی	نعت گو شاعر
حفیظؔ جالندھری	پاکستان کے قومی ترانے کے خالق / شاہنامۂ اسلام کے خالق
جوشؔ ملیح آبادی	شاعرِ انقلاب / شاعرِ شباب / شاعرِ اعظم
ناصرؔ کاظمی	میرؔ جدید، ثانیٔ میرؔ
رساؔ چغتائی	غزل کی آبرو
سید ضمیرؔ جعفری	مزاحیہ شاعر
ادبائے اردو	
علامہ شبلی نعمانی	پہلے فلسفی مؤرّخ
محمد حسین آزادؔ	آقائے اردو / اردو کا بے مثل تمثیل نگار / آزرِ سخن
وزیر آغا	انشائیہ کے موجد
مولوی عبدالحق	بابائے اردو / اردو کے قائدِ اعظم
پطرس بخاری	مزاح نگار
رشید احمد صدیقی	استاد الاساتذہ

JOIN FOR MORE!!!

مراجع و مصادر

- آج کا اردو ادب، ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، رہبر پبلشرز
- تاریخِ اردو ادب، رام بابو سکسینہ، سیونتھ سکائی پبلیکیشنز، لاہور
- یادگارِ غالب، مولانا الطاف حسین حالیؔ، علم و عرفان پبلشرز، لاہور
- نکہتِ اردو، پروفیسر درخشاں کاشف، قمر کتاب گھر
- جدید اردو ادبیات، ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، غضنفر اکیڈمی پاکستان، کراچی
- اردو شاعری میں صنائع و بدائع، رحمت یوسف زئی، یونیورسٹی آف حیدر آباد
- درسی اردو قواعد و انشا، پروفیسر درخشاں کاشف
- کلیاتِ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، مکتبہ جمال، اردو بازار، لاہور
- آسان ترجمہ قرآن، از مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبہ معارف القرآن
- فیروز اللغات اردو جامع، الحاج مولوی فیروز الدین، مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ
- فرہنگ آصفیہ، مولوی سید احمد دہلوی، مطبوعہ رفاہ عام پریس لاہور
- نُور اللغات، مولوی نور الحسن نیر، نیر پریس پاٹانالہ لکھنؤ
- جامع اللغات، مولفہ خواجہ عبد المجید، اردو سائنس بورڈ، اپر مال، لاہور
- نوائے سروش، شرح دیوانِ غالبؔ، غلام رسول مہر، شیخ غلام علی سنز پبلشرز
- اردو اصنافِ ادب، عطاء الرحمٰن نوری، مطبوعہ رحمانی پبلیکیشنز، مالیگاؤں
- لغاتِ اضداد، ریاض احمد شریف ریاضؔ، شریف پبلشرز، کنکا نگر، بنگلور
- شعر شور انگیز، مرتبہ شمس الرحمٰن فاروقی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
- پیمانۂ غزل، محمد شمس الحق، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد
- اصنافِ نظم و نثر، ڈاکٹر علی محمد خان و ڈاکٹر اشفاق احمد، الفیصل کتب، لاہور
- اردو املا، رشید حسن خان، مجلس ترقی ادب، لاہور
- قواعدِ اردو، مرتبہ بابائے اردو مولوی عبد الحق، کتاب میلہ
- انٹرنیٹ

JOIN FOR MORE!!!